Rs. 10/-

Rashid-ul-Khairi

Aftāb-i Dimashq

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک دلکش تاریخی ناول

آفتابِ دمشق

مؤلفہ

مصورِ غم مولانا راشد الخیری دہلوی

مصنف صبحِ زندگی - طوفانِ حیات - جوہرِ قدامت وغیرہ

یادگارِ شمس العلماء ڈاکٹر نذیر احمد مرحوم

جسے

مولوی ظہور الدین مینیجر مخزن نے

حق تصنیف خرید کر

باہتمام شیخ ظفر احمد پرنٹر

گلزارِ محمدی سٹیم پریس لاہور میں چھپوا کر

شائع کیا

قیمت (عمر) بار اول ۱۵۰۰

اللّٰہ

اِطلاع

مولانا راشد الخیری مُؤلّف کتاب ہذا سے جملہ حقوق خرید کر **آفتابِ دمشق** شائع کی جاتی ہے۔ بنابرین کوئی صاحب جزاً یا کلاً اس کتاب کو بغیر ہماری اجازت کے شائع کرنے کا ارادہ فرما کر قانون کی خلاف ورزی کے نتائج سے نقصان نہ اُٹھائیں۔ جسقدر نسخے اس کتاب کے مطلوب ہوں ہم سے طلب فرمائیں۔ بک ایجنسیوں کو معقول کمیشن دیا جائیگا۔

المعلن

ظہور الدین مینیجر مخزن لاہور

تمہید

۷۸۶

چاند، آسمان شام پر شب و روز نکلے اور چمک چمک کر ڈوبے، پھول سرزمین دمشق پر رات دن کھلے اور مہک مہک کر مرجھائے، قومیں پردہ دنیا پر بیسیوں پیدا ہوئیں اور بن بن کر بگڑیں مذہب دنیائے حیات میں سینکڑوں ظہور میں آئے اور بڑھ بڑھ کر برباد ہوئے۔ مگر ——

ہے کوئی ملک کوئی مذہب کوئی جماعت کوئی قوم جو ہمکو آج وہ سماں دکھائے جو ہمنے دمشق کی جامع بنی امیہ میں دکھایا دنیا احسان فراموش ہو جائے تاریخ ایمان نگل جائے وقت ہماری بربادی اور زمانہ ہماری تباہی پر کمر باندھ لے مگر آسمان بتادیگا زمین دکھادیگی آسمان کا ہر ذرہ زمین کا ہر جزو جتادیگا۔ کارنامے ہماری ہمت کے سنادیگا فسانے ہماری صداقت کے خلوص کی آنکھوں پر لاکھہ نفسانیت کے پردے پڑ جائیں راستی کی صدا ہزار نخوت کے نغموں میں دب جائے زمانہ کی رفتار ایمان کی بہار اجاڑدے وقت صداقت کو مفقود اور شرافت کو مردود کردے مگر جامع امیہ کے در و دیوار اور دمشق کے کہسار جنہوں نے گلشن اسلام کی بہار دیکھی ابھی زندہ موجود ہیں ہوا ہمارے دعوے کی شاہد اور فیصلہ فاروقی اس کے دامن میں ہماری امانت ہے صحبت شب کا پتہ دیگی اور بتادے گی کہ صادق الاقرار انسان فاقوں والے مسلمان انسانیت کی روح صداقت کی جان خلوص کا خزینہ راستی کا گنجینہ محبت کی جان مروت کی کان کس طرح اپنی زبان پر دنیا قربان کردیتے ہیں۔

(۲)

مصر آج تک، بغداد ابتک اور ہندوستان اس وقت تک ابن ہتیمہ پر جو زلیخا دعزہ اور

پدمنی کے پیکر میں نمودار ہوئیں نازاں ہیں لیکن گلشن دمشق کا وہ پھول جو خاک اجنادین سے اٹھکر ملک کو روشن اور تاریخ کو مہکا گیا، آج مملکت حسن و سلطنت عشق میں بے مثل و بے نظیر ہی، آسمان زنگ بدل بدل کر زمین چکر کاٹ کاٹ کر اس خاک کو بوسے دے رہے ہیں جس کی آغوش میں سپہ سالار کیلوس کی لڑکی سلمونیہ آرام کر رہی ہی کون کہہ سکتا تھا کہ اس سرزمین سے جہاں تثلیث کی صحبتیں دن رات گرم، اس خاک سے جو شرک کا مخزن اور کفر کا معدن ہی، اس گھر سے جو نخوت کا گھر اور تمکنت کی جڑ ہی دو میاں بیوی کے ہاتھ ایسی شمع روشن کر دینگے جو ایک دنیا کو جگمگا دیگی اور سلمونیہ ایک ایسی بچی پیدا ہو گئی جس کا حسن ایک دنیا کو جس کی جوانی ایک عالم کو جس کی ہستی ایک بستی کو محبت کے معنی صداقت کا مطلب اور زندگی کا مقصد بتا دے گی۔ آسمان دمشق ایک بار نہیں لاکھ بار اور ہر ماہ نہیں ہر روز نت نئے چاند جنے اور پروان چڑھے مگر قصر کیلوث سے بلند ہونیوالا چاند شہزادی سلمونیہ جو کام کر گئی اور جو نام چھوڑ گئی وہ ہمیشہ لاجواب ہیگا۔

معاملہ ظاہر، واقعات روشن اور حالات صاف ہیں اور دعویٰ ہی کہ اگر سلمونیہ کے ان پھولوں کا سہرا جو حسن کی ترازو میں پورے اترے تثلیث کے سر ہی تو تاج صداقت کے وہ موتی جن کی آب و تاب انسانیت کی کسوٹی پر دلکی اسلام کا طفیل تھا۔ عشق یونس و سلمونیہ کا نہیں مقابلہ تثلیث و اسلام کا تھا جو سرزمین حسن پر واقع ہوا، شوق و تمکنت کی دونو فوجیں میدان محبت میں اتریں اور وہ وہ جوہر دکھائے کہ دیکھنے والے اس جنگ سے دنگ ہو گئے۔ ہمارا دل اگر مدعی ہی تو ہمارا ایمان شاہد ہیں اس بیان سے گریز اور اس اقرار سے انکار نہیں کہ محبت کی وہ زنجیر جس کی ہر کڑی مصیبت کی گھڑی تھی سلیمونیہ کے قدموں میں تاج شاہی بنکر لوٹی مگر انصاف کا گلدستہ ہاتھ میں لیکر مخالف کو اعتراف کرنا پڑیگا کہ عشق کا بار جو ایک اٹل پہاڑ تھا یونس کے گلے میں ان سدا بہار پھولوں کا ہار بنا جن کی خوشبو صدیاں گزر جانے پر بھی اوراق تاریخ کو مہکا رہی ہی۔

دنیا ہمکو وقعت نہ دے تہذیب ہمکو انسان نہ سمجھے دور موجودہ ہمکو جانوروں سے

بدتر اور وحشیوں سے بڑھ کر نباوے لاریب ہم اُس کے مستوجب اور اس کے سزاوار مگر اس کے ذمہ دار ہم اس کا بار ہماری گردن پر وداع مذہب وہ پہلی کلہاڑی تھی جو ہمنے اپنے پاؤں پر ماری اپنے جوہر زائل اپنی خوبیاں ختم اور اپنی شان ملیامیٹ کی ہمارا ایمان ہے کہ فقدان مذہب جس نے ہمارا مجمع پریشان ہمارا گلشن بیابان اور ہمکو بے ایمان بنادیا ہماری جان کا دشمن اور خون کا پیاسا تھا جس نے در در کی ٹھوکریں کھلوائیں اور گھر گھر کی بھیک منگوائی اور آج ہمارے چکنے چپڑے چہروں پر چاروں طرف سے پھٹکار برس رہی ہے مذہب بربادی کا آغاز اور تباہی کا راز ہے ہی مگر اسلام وہ مذہب ہے جس کو کلیجہ سے لگا کر بدوؤں اور وحشیوں نے تاج شاہی ٹھکرا دیئے اور سلطنتیں مسل دیں۔

اے زمانہ کی رفتار ناہنجار ٹھہر، رک، تھم، ادھر دیکھ سبب بتا اس خیال کا، وجہ سنا اس ملال کی، جواب دے اس سوال کا، یہ سزا کس خطا میں، یہ عتاب کس عذاب میں، تو نے ہمارا دور اولیں دیکھا ہماری بہار تیری آنکھوں میں ہمارا عروج تیری نظروں میں ہمارے کام تیرے سینے پر ہمارے نام تیرے کلیجے میں موجود ہیں، واقعات صدیقی تیرے کان میں گونجے، تیغ فاروقی تیرے سامنے چمکی، ہم وہ ہیں کہ ہمارے قدموں میں تو نے آنکھیں بچھائیں، ہمارے پاؤں تو نے سر آنکھوں پر رکھے، آج تو ہماری بربادی پر کمربستہ اور تباہی پر آمادہ ہے۔ تو نے اپنی سنگین کسوٹی پر مسلمانوں کو پرکھا اور اسلام کو جانچا، ہم نے اپنی جانیں لڑا کر، اپنے خون بہا کر، نعرۂ توحید بلند کیا، صداقت کی حمایت میں، حق کی حفاظت میں ہماری گردنیں کٹیں، ہمارے خون گرے، تو نے اے کج رفتار تو نے، صدیوں ہمارا کلمہ پڑھا اور دیکھ لیا کہ ہم کیا ہیں۔

صدیق کے ایثار میں فاروق کے پیوند میں، خالد کی تلوار میں طرابلس کے کھنڈروں میں، مصر کے کنگوروں میں تو نے ہمکو دیکھا اور پہچانا جانا اور مانا۔

تیرا وجود تعجب، تیری ہستی اچنبھا، تیری شان نرالی تیرے کام انوکھے تو قربان ہوئی اُن پر جن کی ٹانگوں میں تہمت جن کے گلوں میں کمبل جن کے ہونٹ نیم پھپھڑیال

جن کے پیٹ پر پتھر، اور اکڑتی ہیں اُن سے جنکے ہاتوں میں گھڑیاں جن کے گلوں میں کالر جن کی آستینوں میں رومال جن کے چہروں پر لیونڈر۔

غارت ہو جا او بدتہذیب غارت لیجا یہ نعرۂ مذہب اپنے ساتھ، اگر جو تجھکو کرنا ہی اور دیکھہ کہ ہم کیا کرتے ہیں ۔

ہم تیری قوت سے واقف تیری حالت سے باخبر اور تیری عادت سے آشنا ہیں ہمکو معلوم ہی کہ تو بڑی بڑی زبردست طاقتیں مٹا چکی تیرے ظالم ہاتھوں نے قصر کسریٰ اور کاخ ہرمز کی اینٹ سے اینٹ بجادی مگر تیری وہ حالت اور تھی یہ صورت اور جب وحانیت کی ضرورت تھی اب نفسانیت کی حاجت بہرحال بھگتیں گے جو گزرے گی اور دیکھیں گے جو آئے گی مگر لکھہ لے اور یاد رکھہ جس طرح ہماری بہار پائدار نہیں جوش ملت ہم اسیطرح ہماری خزاں مستقل نہیں وہ بس عبرت ہوگی

خدارا یہ رحم کیجیو اور للہ اتنا کرم کہ خاک میں ملا کر اور مٹی میں لٹا کر جب تیری آرزو پوری اور دل ٹھنڈا ہو جائے اور تیری آنکھیں اس قوم کو جو یگانہ روزگار تھی ذلیل وخوار دیکھہ لیں، تو بدنصیبوں کو یہ پیام پہنچادیجیو!

مٹنے والو! ! نگاہیں اونچی اور نظریں بلند کرو! جاتے ہو مگر اتنا سنتے جاؤ! جامع امیہ اور برابر کا گرجا تمہارے سامنے ہی شجاع اسلام کا مزار اور سکینہ دمشق کی قبر تمہارے روبرو کینہ صداقت اسلام کے گیت گا رہا ہی اور مٹی کے دونو ڈھیر باواز بلند پکار رہے ہیں کہ

مسلمانوں کو معراج کمال پر پہنچانے والا صرف مذہب تھا اور اسی کی منافرت انکو اس وقت تحت الثریٰ میں لیجا رہی ہی۔

(۱)

جب سیاح ہسپانیہ پھرتا پھراتا قرطبہ میں داخل ہوتا اور دیکھتا ہی کہ ہوا جس خاک کو چہار طرف اُڑائے پھررہی ہی یہ کبھی بوسہ گاہ سلاطین تھی اور قصر زہرا جامع زہرا مدینۃ الزہرا جن کی بابت کانڈ ہی کا خیال ہی کہ صفحۂ دنیا کی بےمثیل عمارتیں اور سلطنت اسلامی کے لاجواب نمونے

اسی خاک کی آغوش میں اس محبت کا پتہ دے رہی تھے جو عبدالرحمٰن الناصر الدین الیہ کو اپنی محبوبہ زہرا سے تھی تو کلیجہ پکڑ کر بیٹھ جاتا ہی حسرت کے آنسو آنکھ سے گر کر انقلاب زمانہ کی تصویر سامنے کھڑی کر دیتے ہیں، دفعتہً قمری کا نالہ کان میں پہنچتا ہی جو مسلمانوں کے گزشتہ جاہ و جلال کے ساتھ یہ بھی کہتا ہی کہ

"ہمیشہ رہے نام اللہ کا"

مگر جس وقت تقدیر اسی سیاح کو سرزمین دمشق میں لیجاتی ہی جامع امیہ کے خوشنما کنگورے جو توحید کا ڈنکا بجا رہے ہیں اور کلیسا کی طلائی برجیں جو صداقت اسلام کے گیت گا رہی ہیں نظر آتے ہیں تو بیساختہ چیخ اُٹھتا ہی کہ لاریب یہی تھے وہ مسلمان!

"سکہ بٹھا گئے جو محمدؐ کے نام کا"

سلطنتوں کا ادلنا بدلنا قوموں کا بننا بگڑنا دنیا کے معمولی کرشمے ہیں انسانی ہستی ہمیشہ سے یہ سوانگ دیکھتی رہی اور دیکھے گی سرزمین شام فراعنہ مصر کے قبضہ میں جا کر بظاہر ایسی زبردست قوت تھی کہ اس کی کمزوری باسانی ممکن نہ تھی دفعتہً فارسی فتح کے نعرے لگاتے داخل ہوئے اور ایک چند ہی ہفتہ میں تمام سرزمین شام پر فارسیوں کا جھنڈا لہرا رہا تھا مگر وہاں خدا نے ہیئت انسانی میں ظہور کیا تھا تو یہاں آگ کی چنگاریوں میں جب جی چاہا مسل دی اور جب ضرورت ہوئی بجھا دی قانون لاکھ سخت تھا مگر بیباکی اور بیحکمی کا حال یہ تھا کہ دن رات بازاروں میں قتل ہوتے تھے خانہ جنگیوں نے حکومت کی بنیاد کمزور کی اور دور سکندری میں یونانیوں کے پہلے ہی حملہ نے سلطنت اُن کے حوالے کی یہ عہد چند روز تک خوشگوار رہا مگر رعیت میں کثرت رومیوں کی تھی جنہوں نے اندر ہی اندر جڑ کھوکلی کی اور بالاخر رومیوں نے ایک جری لشکر سے چڑھائی کی اس حملہ نے باگ سلطنت رومیوں کے سپرد کی اور حکومت کی ہرتی پھرتی چھاؤں قیصر ہرقل شاہ قسطنطنیہ تک پہنچی، تاج شاہی کا اس سر پر آنا تھا کہ رومیوں نے جی کھول کر مدت کے ارمان پورے اور دل کی ہوس نکالنی شروع کی یونانی

ہی نہ تھا۔ کلیوپیٹرا بھی عیسائی تھی مگر اُس کی قریب قریب تمام زندگی ایسی پریشان گزری کہ اس کو مذہب کی طرف توجہ کرنے کی فرصت ہی نہ مل رہی فلورا اس کا مذہب عجیب تھا تھی وہ درحقیقت یونانی مگر گرجا میں وہ جاتی آگ کو وہ پوجتی عید بہرام وہ مناتی سانپوں کی پرستش وہ کرتی وہی اثر سلمونیہ میں تھا کسی مذہب کی پوری نہ عقیدہ کی پابند ہاں ماں اور باپ ونو کی صحبت کا اتنا اثر ضرور تھا کہ وہ نسبتۃً تثلیث کی طرف زیادہ مائل تھی اسی واسطے ہم اس کو عیسائی مان لیتے ہیں۔

(۲)

سلمونیہ کا شباب ایک عذاب تھا جس نے گھر کے گھر خراب کر دیئے اس کی جوانی ایک غضب تھا جس نے سرزمین شام پر ایک آفت ڈھا دی حسن یونان اس وقت شام کے چپہ چپہ پر موجود تھا اور حق یہ ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جس کو تاریخ زمانہ حسن سے تعبیر کرسکتی ہے در و دیوار سے حجر و اشجار سے حسن ٹپک رہا تھا مگر سلمونیہ کا جوان ہونا ایک اعلان تھا جس نے حسن کی ہر دکان پھیکی کردی اور مجسم حسن اسکے آگے پانی بھرنے لگا رومیوں کی قدیم رسم کہ کواری لڑکیاں سر کے بال کھلے رکھتی تھیں سلمونیہ کے سرخ و سپید چہرہ پر صبح و شام کا وہ یکجائی منظر تھا جس نے ہزاروں دل چور کر دیئے شام کے وقت جب اُس کی سواری دریائے گراہی[۱] شور واہی کو جاتی تو لوگ گھنٹوں پہلے دو رویہ سڑک پر کھڑے ہو جاتے کھوے سے کھوا چھلتا آدمی پر آدمی گرتا اور اس طرح یہ گروہ قدرت کی اس تصویر کو دیکھکر آنکھیں ٹھنڈی کرتا جس کے سامنے قمر چہاردہم بھی خجل تھا۔ رفتہ رفتہ اس کے حسن کا شہرہ یہانتک ہوا کہ دور دور سے لوگ حسن کی اس شمع کو جس نے کیلوس کے محل کو جگمگا رکھا تھا دیکھنے آتے۔ فلورا جواب سلمونیہ کی ماتھی بچی کے حسن روز افزوں سے ہر وقت خائف

---

[۱] یہ وہ دریا ہے جو سونے کا دریا مشہور تھا ۱۲

اور ہر لمحہ پریشان تھی، ڈرتی تھی اور سوچتی تھی کہ دیکھئے یہ بجلی کہاں گرتی ہے اور اس کے شعلے کیا رنگ لاتے ہیں بلکہ ایک موقع پر تو اس نے کیلوس سے صاف صاف کہدیا کہ سلمونیہ کلیجہ کا ٹکڑا ہو یا آنکھوں کا تارا مگر یہ شرارہ خالی جانیوالا نہیں یہ عالمگیر آگ ہو گی جو اسی نواح کو نہیں روے زمین کو خاک سیاہ کر دے گی ۔ کیلوس لاکہ فسلورا کے عشق میں دین و دنیا سے بیخبر تھا اور محبت کے پردے ایسے آنکھوں پر پڑے تھے کہ اسکو اس محبوب کے سوا کچھہ نہ دکھائی دیتا تھا مگر سلمونیہ کا اُٹھان باپ کو اس طوفان کی خبر دے رہا تھا جو عنقریب سرزمین شام پر امنڈنے والا تھا ہفتہ کا روز یوم الفرصت تھا کہ شہر کے تمام کاروبار بند ہو جاتے اور خلقت دامن کوہ پر ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشموں پر بیٹھکر شرابیں پیتی اور لطف اُٹھاتی رات کو دربار شاہی آراستہ ہوتا پری جمال عورتیں حسن کے کرشمے ادا کے کرتب اور ناز و انداز کے نمونے دکہاتیں گاتیں ناچتیں اور مجلس کو سنسان بنا دیتیں، یہ سلسلہ مدتوں جاری رہا اور گو میدان صاف اور اجازت معاف تھی مگر امرا اور رؤسا کے سوا کیلوس کے دربار میں عام آدمی بہت ہی کم آتے لیکن سلمونیہ کی شرکت سنگ مقناطیس تھا کہ تثلیث کے شیدا کوسوں سے کھنچکر آتے، موچھوں پہ تاؤ دیتے آتے اور کلیجے پر ہاتھ مارتے جاتے شب ماہ میں جس وقت سلمونیہ قصر کیلوس سے جواہر نگار کرسی کو چھوڑکر چاندنی کو جھلتی اور چاند کی مشتاق نظروں کو مسلتی کہڑی ہوتی تو درخت اس کے سایہ کو بوسے دیتے ہوا رخ نازک پہ فدا ہوتی سبزہ اُس کے قدموں میں لوٹتا اور پھول اس کے استقبال میں جھومتے خوشبو کی لپٹیں مشتاقان دید کو آمد کا مژدہ پہنچا دیتیں تو اس دربار میں جہاں تل دہرنے کو جگہ نہ ہوتی تھی ایک سناٹا چھا جاتا کس کا قیام کیسی گفتگو کدہر کا سلام سلمونیہ ایک نظر ڈالتی ہوئی ادہر سے اُدہر نکل جاتی ایک بجلی تھی کہ چمک جاتی ایک چاند تھا کہ جھلک جاتا ایک پھول تھا کہ مہک جاتا آنکھیں بند ہو جاتیں دل تڑپ اُٹھتے قیامت تھی وہ رفتار جادو تھا

وہ مکھڑا اور آفت تھی وہ صورت کہ ہر زبان خاموش اور ہر دل مضطرب ہوجاتا۔

(۴)

قیصر کا بھتیجا وردان عیسائی افواج کا سپہ سالار جس نے بیس ہزار رومیوں سے ایک لاکھ یونانیوں کو خون میں نہلا دیا جس کی شجاعت کا سکہ تمام ملک میں بیٹھا ہوا ہی ننگی تلوار ہاتھ میں لیے دیوانہ وار قصر شاہی میں ٹہل رہا ہی چہرہ غصے سے سرخ ہی آنکھوں سے شرارے نکل رہے ہیں۔ سامنے شہنشاہ ہرقل خاموش ہی کہ وردان نے ایک نعرہ مارا اور کہا۔

ان ہاتھوں میں اتنی طاقت ان پاؤوں میں اتنی سکت اس دل میں اتنی ہمت اور اس طبیعت میں اتنی جرات موجود ہی کہ دمشق ایک لمحہ میں انطاکیہ ایک دم میں شام ایک آن میں جلادوں پھونک دوں خاک کردوں میں پہلے حملے میں یونان کو یونانیوں کو دمشق کو دمشق والوں کو شام کو شامیوں کو، تباہ اور دکھا چکا ہوں کہ میں کیا ہوں یہ وہ ہاتھ ہیں جنہوں نے بڑی بڑی سرکش گردنیں خاک میں رگڑ دیں یہ وہ تیغ ہی جس نے اچھے اچھے بہادر موت کے گھاٹ اُتار دیے میں کیلوث کو ایک پشہ ایک مچھر ایک پسو سمجھتا ہوں۔ ایک اکیلے دم سے جاتا ہوں اور چشم زدن میں اس کی گردن لاکر ان قدموں میں ڈال دیتا ہوں یہ وقت ہی کہ اس کی عمر بھر کی شرارتوں اور ہمیشہ کی چالاکیوں کی کافی سزا اس کو ملنی چاہیئے میں کہے دیتا ہوں کہ اگر کیلوس سیدھی طرح رضامند ہوا اور سلمونیہ میرے حوالے نہ کی تو آپ لکھ لیجئے کہ یہ تلوار دمشق کی گلی کوچوں میں خون کے پرنالے بہادیگی۔ کیونکہ اب کیلوث انطاکیہ سے دمشق چلا گیا ہی۔

ہرقل مجھے تمہاری شجاعت پر اعتماد تمہارے قول پر یقین تمہاری جرات پر کافی بھروسہ ہی میں جانتا ہوں کہ لڑائی تمہارے نام سے اور دشمن تمہارے خیال سے

تھرّاتا ہی اور اس وقت تمہاری طاقت اور شباب وہ زمین پر اپنا جواب نہیں رکھتا مگر اس کے صرف کرنیکا موقع اس سے کام لینے کا وقت یہ نہیں کیلوث دشمن اور سلونیہ غیر نہیں جوش کو روکو غصہ کو بیٹھو طیش کو ضبط کرو ابھی مخالفت کا سبب عداوت کی وجہ دشمنی کا باعث کوئی نہیں۔ کیلوث نے اس وقت تک انکار نہیں کیا اسے علم نہیں کہ تجویز کیا ہی اسے خبر نہیں کہ صورت کیسی ہی۔ صبر کرو خاموش ہو اور منتظر ہو تیسجے کے میں آج ہی اب ہی اس کو لکھتا ہوں اس کا جواب آنے دو اور اس وقت فیصلہ کرنا کہ کیا کرنا اور کیا کہنا۔

وردان شہنشاہ کا ارشاد درست رائے صائب اور خیال سچا مگر عم بزرگوار ایک بیقرار دل ایک سوگوار جگر کی حالت زار میدان محبت میں انتظار کی تاب نہیں لا سکتی مجھے ہر لمحہ ایک صدی ہی جب تک پیام شاہی وہاں تک پہنچے جس وقت تک اس کا جواب یہاں تک آئے مجھے یقین ہی کہ میں اس دنیا کو چھوڑ چکا ہوں گا۔ میری حالت خراب مجھے جینا عذاب مجھے ہر نا مصیبت میری زندگی آفت تاہم مجھے تعمیل فرمان میں عذر نہیں۔ لیکن اس مبارک پیام کا اس نیک کام کا مجھسے بہتر قاصد کون ہوگا نامہ شاہی مجھے عطا ہو اور اجازت دی جائے تاکہ اسی بہانہ سے میری مشتاق آنکھیں اس چاند سے چہرہ کو ان پھول سے رخساروں کو ایک دفعہ اور دیکھ لیں شہنشاہ میں یہ بھی درخواست کرتا ہوں کہ اگر کیلوث کو میری التجا منظور نہیں تو وہ مجھکو یہ فخر عطا کریں کہ میں حسن کی اس تصویر پر قربان ہو جاؤں۔

ہرقل مجھے اجازت دینے میں عذر نہیں مگر مرحلہ ٹیڑھا اور معاملہ نازک ہی تاہم اگر تم مجھسے وعدہ کرو اور یقین دلاؤ کہ سلونیہ کی صورت تمہارے غصہ کو بھڑکا نہ دیگی تو تم شوق سے جاؤ اور یہ نامہ اپنے ہاتھ سے دو۔

وردان شہنشاہ مجھپر ظلم نہ کریں اس نام پر فدا ہونے والا ان قدموں پر قربان ہونیوالا کوچہ یار میں یہ غضب نہ ڈھاؤنگا دمشق کی خاک میرے واسطے سرمہ ہی میں دمشق کی مشق

کی رعیت کی دمشق کی حکومت کی پرستش کرونگا۔ کیلوث کا غصہ سر آنکھوں پر رکھونگا اور مملکت عشق میں شجاعت کو جو میرا جوہر ذاتی ہے خیرباد کہہ کر عجز کی پیشانی سرزمین دمشق کے روبرو جھکا دوں گا۔

(۱۱)

خلافت اسلامیہ کا تاج اس وقت اس سر پر ہے جس کے قدموں پر صداقت قربان ہوئی اور جو خلوص کے معنی دنیائے حیات کو اس طرح بتا گیا کہ آج تک اسلام اس مقدس ہستی پر نازاں اور دنیا اُس کے کارناموں پر دنگ ہے عاشق معشوقوں پر قربان ہونگے شیدائے ناکام یاد دلدار میں تڑپیں گے مگر آنکھیں وہ منظر نہ دیکھیں گی اور کان وہ کیفیت نہیں سن سکتے جو صدیق اکبر غار ثور میں دکھا گیا۔ آفتاب ڈوبے گا چاند چمکے گا اندھیرا چھائیگا مگر وہ وقت اب نہ آئیگا جس پر فاروق اعظم اپنی تمام عمر فدا کرنے کو تیار تھا۔ جو پہلے اسلام کی جان کے دشمن اور خون کے پیاسے تھے آج وہ بھی کلمہ توحید کے حقیقی جاں نثار اور سچے عاشق ہیں جہاں شب و روز شرک و کفر کی گھٹائیں جھومتی تھیں وہاں صدائے حق کی بارش ہو رہی ہے اور مسلمانوں کے دل مخبر صادق کے اس ارشاد پر سینوں میں جوش سے ابل اور خوشی سے اچھل رہے ہیں کہ وہ زمانہ قریب ہے جب شام اور مصر کے در و دیوار اسلام کی روشنی سے منور ہوں گے۔ صبح صادق کا سہانا وقت تھا۔ مسلمانوں نے فریضہ نماز سے فراغت پائی اور عجز کی پیشانیاں لازوال طاقت کے روبرو جھکا کر خاموش ہو بیٹھے تو خلیفہ وقت نے فرمایا!

مسلمانو! تمنے جو قربیاں چڑھا کر اسلام کا بول بالا کیا ہے اُن پر دنیائے اسلام ہمیشہ فخر کریگی تمنے اپنی جرات و ہمت سے دشمنوں کی گردنیں کچل دیں اور دنیا کو دکھا دیا اور زمانہ کو منوا دیا کہ حق کس طرح کذب پر غالب آتا ہے۔ تمہارے خونخوار دشمن کیفر کردار کو پہونچے اور جن دلوں میں حقانیت کی ادنیٰ جھلک بھی موجود تھی وہ خدا کی وحدانیت پر ایمان لاکر

اسلام میں داخل ہوئے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ وہ خدا کا سچا بندہ رسول ہاشمی ہم میں موجود نہیں اس کا جسد پاک خاک میں اور روح مبارک جنت الفردوس میں آرام کر رہی ہے لیکن خدا کا سایہ ہمارے سر پر اور رسول کی آنکھ ہمارے کاموں پر ہر تمکو اپنے سچے مذہب کی صداقت ابھی روئے زمین کو دکہانی ہر اور بتانا ہر کہ رسول عرب کا مذہب دین فطرۃ تھا۔ گو وہ مقدس زندگی چشم ظاہر سے فنا ہو چکی لیکن اس زندگی کا ہر واقعہ ان دنوں کی ہر گہڑی اور ان راتوں کا ہر لمحہ ہمارے واسطے ایک سبق تھا وہ انسان کامل وہ رسول اکرم وہ شخصیت لاثانی ہمکو تمکو دنیا کو دنیا والوں کو زندگی کے معنی بتا گئی اور ہم نے دیکھہ لیا کہ کس طرح انسان دنیا سے دین کماتا ہے۔ ہمارا بادشاہ اس کشتی کا ناخدا اس امت کا والی اس گروہ کا وارث صبر پیٹ پر پتھر باندہ کر شکر۔ سر سے خون بہا کر ایثار فاقوں میں خیرات دیکر قناعت نان جوین پر خوش رہ کر اور اسلام پاؤں پر ورم چڑہا کر ہمکو دکہا گیا اور بتا یا گیا۔

آس پاس کے لوگ یہاں ہاں کے آدمی ادہر ادہر کی خلقت صراط مستقیم پر آگئی مگر ابھی خدا کا ملک وسیع اور دنیا کی آبادی بڑی ہر اور تمہارا فرض ہر کہ تم اس نعمت کو جو ہادی برحق نے تمکو دی مخلوق خدا میں تقسیم کرو یہ درست کہ خدا کا پیارا اور مسلمانوں کا دلدار ہماری آنکھہ سے اوجھل ہو گیا مگر اس کی وصیت ہمارے کانوں میں اس کا ارشاد ہمارے سینوں میں اور اس کی امانت ہمارے ہاتھوں میں موجود ہر کتاب اللہ ہمارے سامنے ہر اس سے بہتر رفیق اس سے اچھا صلاح کار اس سے افضل رفیق کون ہو گا کیا تم اپنے سرتاج کے یہ الفاظ فراموش کر گئے کہ شام عنقریب اسلام سے مزین ہو گی۔ اب وقت ہر کہ بسم اللہ کرو جانیں لڑاؤ گلے کٹاؤ جوہر دکہاؤ اور اغیار کی سرزمین کو کلمہ حق سے جگمگا دو۔

خلیفہ اول کی صدا صحن مسجد میں زور شور سے گونجی اور مسلمانوں نے کلمہ توحید

اس زور شور سے بلند کیا کہ آس پاس کے گلی کوچے تھرا اُٹھے عمر فاروق نے سامنے آکر عرض کیا۔

امیرالمومنین کا ارشاد لفظ بہ لفظ درست اور حرف بہ حرف صحیح مسلمانوں کا یہ گروہ دین حق کے پھیلانے میں دریغ نہ کریگا یہ خدا کے رستے میں جان و مال قربان کریں گے اور مخبر صادق کی خبر کو جو یقیناً صحیح اور بلاشبہ درست ہے پورا کر دکھائیں گے شام کا ہر ذرہ شرک و کفر سے لبریز ہے اور ضرورت ہے کہ نور اسلام کی روشنی وہاں تک پہنچائی جائے مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے ہرقل کو دعوت اسلام دی جائے اور اگر وہ ہمارے پیام پر توجہ نہ کرے تو شام کی دیواریں تلواروں میں حق و باطل کا فیصلہ کریں گی

(۵)

عید بہرام کی خوشی کی رات رات کا ابتدائی حصہ ہفتہ کا روز عید دوہری عید تھی کہ شام کے در و دیوار تک خوشی میں مگن تھے دمشق روشنی سے جگمگا رہا تھا اور قصر کیلوث دلہن کی طرح آراستہ و پیراستہ کھڑا تھا انواع و اقسام کے فرش بلورین رنگ برنگ کے پھول محل کے احاطہ اور چاند کی روشنی میں جھلل جھلل کر رہے تھے سرخ و سبز حریر کے خوشنما شامیانوں کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا وسط چمن میں آب زلال کے چشمے جاری تھے اور رنگ برنگ کی مچھلیاں شب ماہ میں سطح آب پر اپنے صنعت کے نمونے دکھا رہی تھیں شامیانہ خاص جس میں شاہی جشن عید منا رہی تھی سونے چاندی کے فرش بہار سے مزین تھا برابر میں کرسی زرنگار پر سلونیہ سر سے پاؤں تک جواہرات میں غرق بھاری لباس میں جلوہ گر تھی لعل و یاقوت کے دو مور جن کی گردنوں میں رشاہوار کے مرصع ہار پڑے تھے اپنے پروں کا سایہ کیے ہوئے تھے صف اوّل کی خاص کرسی پر کیلوث اور اس کے گرد تمام عہدہ دار تھے جواہرات کی یہ کثرت تھی کہ شامیانے کا

ہر گونہ زمرد و پکھراج سے چمک رہا تھا اس وقت شہزادی سلمونیہ کی ایک عجیب کیفیت تھی اس کے داہنے ہاتھ میں گلاب کا پھول تھا رسیلی سیاہ آنکھیں جو سے ارغوانی سے لبریز معلوم ہوتی تھیں ہر چہار طرف ایک غضب ڈہا رہی تھیں مرصع چادر موتیوں سے پٹی ہوئی تھی اور زلف برہنہ کے ساتھ سانپ اور کس کی ناگن بجلی تھی کہ کلیجہ میں گھس کر متاع صبر و خرد کو خاک سیاہ کر رہی تھی۔ گنگا جمنی کڑہاؤ دودہ سے لبالب حاضر ہوئے فلورا اور سلمونیہ کے پاؤں دہوئے گئے پرستش کی توپ چہوٹی اور راہب نے اٹھکر تصویر کا پردہ اٹھایا حاضرین ہاتھ باندہ کر کہڑے ہو گئے گردنیں نیچی ننگے سر دعائیں مانگتے رہے اس کے بعد راہب نے پھولوں کا ایک ہار فلورا کے اور کلیوں کا گجرا سلمونیہ کے گلے میں ڈالا نذریں گذریں انعام و اکرام تقسیم ہوئے آدہی رات ان ہی رنگ رلیوں میں بسر ہوئی یہ سال بھر میں ایک موقع تھا جو ہر سال ہوتا تھا کہ رات بھر انسانی آنکھہ اس پھول کی بہار دیکھتی تھی جو شام کا مایہ ناز تھا کٹورا آنکھیں اس وقت تک کے جاگنے سے خماری انکھیاں بن گئی تھیں وداع شب کا نقارہ بجا زمرد کی چوکی پر سلمونیہ آکر بیٹھی صندل کا ٹیکا پیشانی پر لگایا گیا ٹیکا کیا ایک چہری تھی جس نے دلوں کو زخمی اور کلیجوں کو برباد کیا کیلوث قدرت کی اس نعمت اور اپنی حکومت پر باغ باغ ہو رہا تھا کہ ایک قوی ہیکل انسان جس کے پریشان بال اور مضمحل چہرہ اس کی سرگردانی کا نشان تھے اندر داخل ہوا ننگی تلوار اس کے ہاتھ میں تھی اس کی نظر سب سے پہلے دربار کے اس چاند پر پڑی جو سیاہ گہٹا میں چمک رہا تھا۔ چکر آیا مگر سنبہلا ایک آہ کی اور آگے بڑہا۔ لڑکہڑایا مگر ٹہٹکا کچھہ سوچا اور چلا زمین نے پاؤں پکڑ لیے اور دل نے صدا دی کہ یہ صورت موجود رہتی مگر یہ حالت باقی نہ رہیگی آنکھہ ہٹے نہیں نظر ٹھٹکے نہیں وہیں کہڑا ہو گیا ایک پتھر تھا یا گم سم انسان ایک تصویر تھی قطعاً ہیجان ٹکٹکی بندہی تھی کہ سلمونیہ چوکی سے اٹھی وہ رفتار ایک قیامت تھی کہ سینکڑوں دل پیستی اور کلیجے مسلتی تھی تخت شاہی پر آکر بیٹھی

سرخ و سپید چہرہ ارد گرد سیاہ بال بیچ میں گلابی قشقہ اب تکمیل حسن اور بربادی دل کی واسطے آسمانی آفت تو نازل ہونے سے رہی نووارد کی نظر شہزادی کے چہرہ پر تھی کہ ایک چوبدار اس کے قریب آیا اور کہا اس طرح بیبا کانہ کھڑے ہونا اور بیبا کانہ نظریں دوڑانا آئین دربار اور آداب شاہی کے خلاف ہی۔ تم کون ہو کیا چاہتے ہو ایک طرف بیٹھ جاؤ اور چلے جاؤ۔

نووارد کی آنکھیں غصہ سے لال ہو گئیں اس نے چوبدار پر تلوار اُٹھائی اور طیش میں آکر کہا سامنے سے ہٹ جا اور گستاخانہ گفتگو نہ کر میں شہنشاہ ہرقل کا پیامبر ہوں اور کیلوث کے نام خط لایا ہوں

اتنا کہکر نووارد نے وہ خط کیلوث کے آگے پھینکدیا اور نگاہیں سلمونیہ کے چہرہ پر جمالیں، کیلوث نے خط پڑھا اور فلورا کو دیا دونو غصہ سے تھر تھر کانپنے لگے۔

(کیلوث) کیا تیرا نام وردان ہی۔

نووارد ہاں وردان اور وہی وردان جو اس سرزمین پر جہاں آج تم بیٹھے جشن منا رہی ہو اپنی شجاعت کے جوہر دکھا چکا ہی وہی وردان جس کے روبرو یونان نے اسی سرزمین پر سر خم کیا وردان وہی وردان جس نے شام میں تثلیث کا ڈنکا بجوادیا۔ کیلوث تم میرے بزرگ ہو معاملہ پر غور کرو بات کو سوچو اور اصلیت کو سمجھو اگر طبیعت میں انصاف ہی تو سلطنت کو وسعت دو اور میری درخواست مسترد نہ کرو۔

کیلوث میرا خیال ہی کہ تم کلیوپٹرا کے بھانجے ہو۔

وردان ۔ ہاں تمہارا خیال درست ہی اور مجھے افسوس ہی کہ میں اس بدنصیب عورت کا بھانجا ہوں جو ایک روز خوش نہ رہ سکی۔ شہزادی سلمونیہ اس اعتبار سے میری جائز ملکیت ہی اور میری خواہش درست ہی کہئے آپ کیا کہتے ہیں۔

کیلوث میں اس کا جواب شہنشاہ کو بھیجدوں گا۔

وردان مجھے بھی معلوم ہونا چاہئے کہ آپ کا منشا کیا ہی۔

کیلوث اس معاملہ میں ملکہ فلورا مختار و مجاز ہی اور میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

وردان یہ آپ کے پاس موجود ہیں آپ ان کی مرضی دریافت کر سکتے ہیں۔

فلورا تم کو کوئی حق نہیں کہ تم ہمکو مجبور کرو اور تمکو کوئی ضرورت نہ تھی کہ ایک فضول خیال کے واسطے تم ہمارے جشن کو درہم برہم کرتے۔

خطرہ کی گھنٹی تخت شاہی سے بجی ایک چوبدار نے آگے بڑھ کر وردان کے ہاتھ سے تلوار چھین لی اور آناً فاناً وہ ایک مسلح دستہ میں موجود تھا۔

وردان کیا تم لوگ میری ہمت و شجاعت سے واقف نہیں کیا تم میں سے کوئی اسوقت موجود نہ تھا جب میں نے یہاں اپنی جرات کا تماشا دکھایا یہ خفیف گروہ یہ چند سپاہی تنکے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے تلوار پر ہماری جنگ کا انحصار نہیں ہم ہاتھ کے دھنی اور دل کے غنی ہیں میں اکیلا اور تنہا تم سب کو کافی ہوں مگر آہ اس صورت نے مجکو تباہ کر دیا۔

وردان کا ہاتھ سلمونیہ کی طرف تھا کہ چوبدار آکر زمیں بوس ہوا اور عرض کیا کوئی شخص اندر داخل ہونا چاہتا ہی۔

کیلوث فوراً حاضر کرو۔

چوبدار ایک ایسے شخص کو لیکر حاضر ہوا جس کے جسم پر چیتھڑے کی گدڑی پھٹے موزے اور ٹوٹی جوتی تھی لوگوں نے اس کی ہیئت تعجب سے دیکھی، فلورا ہنسی۔ سلمونیہ مسکرائی اور کیلوث کھلکھلایا۔

اس شخص نے ادہر ادہر دیکھا اور خاموش ہوا تو کیلوث نے کہا اے عجیب الخلقت انسان کہاں سے آیا ہی کیا کام ہی کیا نام ہی آج ہمارے ہاں عید ہی اور دربار عام ہر شخص کو آنے کی اجازت ہی دریافت کی ضرورت نہ تھی۔

شخص میں مسلمان ہوں مدینہ منورہ سے آیا خلیفۃ المسلمین کا قاصد ہوں اور تم کو دعوت اسلام دیتا ہوں، امیر المومنین کا یہ پیام تمہارے نام ہے

کیلوث تم اس کو خود ہی پڑھ کر سنا دو۔

قاصد سنیئے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ عبد اللہ عتیق ابن ابو قحافہ کی طرف سے کیلوث کو معلوم ہو۔ تمہارے مظالم کی فریاد تمہاری شرارتوں کا غل تمہاری لامذہبی کا شور دن رات یہانتک پہنچ رہا ہے گو ہمارا سچا ہادی ہم سے جدا ہو گیا مگر ہمارا فرض ہے کہ ہم دین حق کی اشاعت تمام دنیا میں کریں کفر و شرک کے جو منظر سرزمین شام دیکھ رہی ہے وہ حد سے زیادہ تکلیف دہ ہیں۔ اس لیے ہم تمکو اس راستہ پر بلاتے ہیں جو صراط مستقیم ہے ان اطوار کو چھوڑو اور دین فطرت میں داخل ہو۔

اول تو وردان کی درخواست ہی نے کیلوث اور فلورا دونو کو خاک سیاہ کر دیا تھا اور انکی بوٹی بوٹی غصہ سے کانپ ہی رہی تھی اس پر یہ پیام ایک ایسا چرکا تھا جس نے زخم میں مرچیں بھر دیں۔ کیلوث فوراً کھڑا ہو گیا اور اس کے کھڑے ہوتی ہی اراکین دربار نے تلواریں نکال لیں کہ قاصد کی تکا بوٹی کر دیں۔ کیلوث نے دانت پیسے اور قاصد سے کہا۔

تم مکار جفا کار چور لٹیرے لوگ ہو مذہب تمہاری صورت سے اور طاقت تمہاری حالت سے ظاہر ہے جس طرح تمنے دہوکے اور فریب سے عرب کے چند وحشیوں کو اپنے پھندے میں پھنسا لیا اسی طرح تم ہمپر بھی اپنا رعب بٹھانا چاہتے ہو تمہیں پیٹ بھرنے کو روٹی اور تن ڈہانکنے کو چیتھڑا نصیب نہیں تم کس برتے پر مقابلہ اور کس بھروسے پر جنگ کر سکتے ہو قیصر ہرقل کی فوج کا ایک کونہ تمہاری تمام جمعیت کو خاک میں ملا سکتا ہے۔ کیا تم لوگ لڑنا بھی جانتے ہو۔

قاصد اس کا جواب مستقبل دیگا۔

کیلوث کیا تم اس جری فوج سے مقابلہ کروگے جس نے یونان کے چھکے چھوڑا دئے
قاصد اس کا فیصلہ تلوار کرے گی۔
کیلوث کیا تمہارے حملہ کی غرض دین حق کی اشاعت ہے۔
قاصد اس کا شاہد خدا ہے۔
کیلوث کیا تم راہ خدا میں جان کی پروا نہیں کرتے۔
قاصد اس کا جواب میں خود ہوں۔

کیلوث نے غضب ناک تمسخر سے یہ سوال کیے اور جواب جب وہ خاموش ہوا تو قاصد نے اپنی تلوار میان سے باہر نکالی۔ کیلوث پیچھے ہٹا تو قاصد نے کہا۔

تم ہٹو مت ہم خلاف معاہدہ بلا وجہ اور بلا اطلاع دشمن پروار نہیں کرتے کچھہ شک نہیں ہم وحشی چور قزاق سب کچھہ تھے ہماری حالت جانوروں سے بدتر اور ہماری زندگی قزاقوں سے بھی ردی تھی مگر جب خدا کو ہماری بہتری منظور ہوئی تو اس نے اپنے فضل و کرم سے ہم میں ایک رسول برحق بھیجا جو ہم حیوانوں کو انسان بنا گیا ہم اس کی پاک زبان سے سن چکے ہیں کہ سرزمین شام کی آنکھیں ہمارے قدموں کا استقبال کریں گی۔ اور ان در و دیوار پر اسلام کا جھنڈا بلند ہوگا یہ ہمارا عقیدہ اور یقین ہے اور اگر تو زندہ رہا تو ہم دکھادیں گے کہ کس طرح ہم مخبر صادق کا ارشاد سچ کر دکھاتے ہیں۔ ہمارا ایک قاصد ہرقل کے پاس بھی گیا ہے اور تو عنقریب دیکھ لیگا کہ ہم کیا ہیں اور کیا کرتے ہیں۔

کیلوث کچھہ جواب نہ دینے پایا تھا کہ وردان نے تیوری پر بل ڈالکر کہا۔

میری موجودگی میں ایک بد معاش قوم کا قاصد ایسی گستاخانہ گفتگو کے بعد زندہ بچکر نکل جائے یہ تمہارے واسطے نہیں میرے واسطے شرم کا مقام ہے تمنے میرے ہاتھ سے تلوار لیلی ورنہ میں اس گستاخ کو دین حق بتا کر اس رستے پر ڈالدیتا

جو سیدھا اس کے خدا کے ہاں پہنچتا ہی۔

قاصد نے وردان کی طرف رخ کیا اور کہا۔

جس قوم کو تو بد معاش سمجھتا ہی اس کا ہر متنفس اس موت کو جو خدا کی راہ میں آئے زندگی پر ترجیح دیتا ہی اگر موت اس وقت مقرر ہی تو اس کو کوئی روک نہیں سکتا لے یہ تلوار لے اور اپنا حوصلہ نکال۔

قاصد نے یہ کہکر اپنی تلوار وردان کے آگے پھینکدی۔

فلورا خاموش اور کیلوث ساکت تھا اور ارکین دربار مسلح کھڑے تھے کہ سلمیٰ نے اٹھی تلوار ہاتھ میں لی اور محلسرا کا رستہ لیا۔

(۶)

دن کے دس بجے کے قریب قیصر ہرقل نے قسطنطنیہ میں ایک دربار عام منعقد کیا بڑے بڑے امرا، اور قابل نار شہسوار و جری حاضر تھے کہ وزیر جنگ نے باواز بلند کہا۔

مسلمانوں کی تو ہستی کیا ہی ہمنے یونانیوں کو دکہادیا کہ ہماری تلوار دشمن کے خون کی پیاسی ہی خداوند کی مدد ہمارے ساتھ ہی اور اس وقت ہم میں ایسے ایسے شجاع اور دلاور موجود ہیں جن میں سے ایک ایک شخص سیکڑوں مسلمانوں پر بھاری ہی اسلام کوئی با اصول مذہب اور مسلمان کوئی باضابطہ قوم نہیں ایسے لوگ اسی قسم کے خواب دیکہا کرتے ہیں اول تو کیلوث خود ہی مسلمانوں کو مقابلہ کا مزا چکھادیگا اور جو فوج وہاں مقیم ہی وہی دشمن کو ناک چنے چبوا دے گی اور اگر ایسی ہی احتیاط کی ضرورت ہی تو شجاعان قوم میں سے صرف ایک شخص کا وہاں جانا کافی ہی لیکن میں اتنا ضرور عرض کرونگا کہ یہ وقت باہمی نزاع کا نہیں وردان اور کیلوث کے جھگڑے اس وقت ہمکو نقصان پہنچائیں گے معاملہ کیسا ہی ضعیف ہو مگر دشمن کو حقیر سمجھنا دانشمندی

نہیں ہی سب سے پہلے شہنشاہ کا کام یہ ہی کہ ان دونوں میں صلح کرادی جائے۔ اس وقت کیلوث اور وردان دونو حاضر ہیں دشمن سر پر جنگ سامنے معاملہ ٹیڑھا اور بات نازک یہ بعد کے جھگڑے ہیں اور آپس کے ٹنٹے ہوتے رہیں گے لیکن یہ وقت ان قضیوں کا نہیں ہی۔

ہرقل بیشک وزیر جنگ کی رائے نہایت درست ہی اور کیلوث وردان دونو دوراندیش آدمی ہیں مجھے امید ہی کہ یہ اپنی لڑائی کے مقابلہ میں اس لڑائی کو فراموش نہ کریں گے جو ملک کو برباد مذہب کو تاراج اور قوم کو غارت کرنے والی ہی۔

کیلوث میں شہنشاہ اعظم اور وزیر جنگ دونو کو یقین دلاتا ہوں کہ میرا اور وردان سے کوئی تنازعہ کوئی جھگڑا کوئی قضیہ نہیں وہ میرا چھوٹا اور کلوپٹیرا کا بھتیجا ہی میں اس کا قصور معاف کرنے کو تیار ہوں اس نے اس درخواست سے مجھکو اور مجھ سے زیادہ ملکہ فلورا کو اور اگر ہماری رائے غلط نہو تو ہم دونوں سے زیادہ پیاری سلونیہ کو اذیت دی وہ اگر وعدہ کرے کہ آیندہ وہ اگر اقرار کرے کہ اب کبھی ایسی بات زبان سے نہ نکالیگا تو میں اس کا قصور معاف کردونگا اور جو اذیت ملکہ اور شہزادی کو اس کے ہاتھوں پہنچی وہ بھی بھلا دونگا۔

وردان بحر لغو پوچ جو درخواست ابتک التجا کی صورت میں تھی وہ اب حکم کا لباس پہنتی ہی جس کی تعمیل ہرقل پر فرض ہی اس کا مقدم کام یہ ہی کہ وہ سلونیہ کو میرے محل میں حاضر کرے ورنہ میں مسلمانوں سے پہلے شام اور دمشق کی اینٹ سے اینٹ بجادونگا اور اس تلوار کے زور سے اپنی محبوبہ کو قسطنطنیہ میں داخل کرونگا۔

وردان اور کیلوث دونو کے تیور بگڑ گئے اور اُن کے ساتھ ہی دونو کے دو فریق لڑائی پر تیار ہوئے اگر اس وقت وزیر جنگ فراست سے کام نہ لیتا تو یقیناً سیکڑوں بندگان خدا کی جانیں خواہ مخواہ ضائع ہو جاتیں۔ اس نے کیلوث کا ہاتھ پکڑا اور کمرۂ خاص میں

لیجا کر ہرقل کے سامنے یہ معاہدہ کیا کہ اگر تم اس وقت وردان کو تھپک دو تو لڑائی کے بعد اس کو قتل کرا دینا میرا کام ہے۔

وزیر کا معاہدہ بادشاہ کی شہادت اب اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ کیلوث خاموش ہوگیا اور وردان کو کامیابی کا یقین دلاکر فوج مسلمانوں کے واسطے تیار ہوئی۔

(۷)

آدہی رات کا سنسان وقت تھا قصر فلورا کے پائیں باغ میں ایک نہر کے کنارے شہزادی سلمونیہ خاموش بیٹھی تھی سایہ ماہ سطح آب کے بوسے لے رہا تھا اور ہوا پانی کو جھکولے دے دیکر لہریں بنا رہی تھی۔ پھول جھک جھک کر پانی کی گود میں گرتے تھے اور اٹھتے تھے انجیر کا ایک تناور درخت سر پر تھا جس کے پتے آب رواں کی اور جس کا سایہ رخ روشن کی بلائیں لے رہا تھا یہ سب کچھہ تھا مگر وہ اپنے خیال میں منہمک تھی اور اس درجہ کہ مطلق کسی چیز کا ہوش نہ تھا ہوا اس کے چہرہ پر جھومی پھول اس کی گود میں لوٹے لیکن اس کے تخیل میں فرق نہ آیا رات کا بڑا حصہ اسی طرح بسر ہوا اور وہ دفعتہً گھبرا کر اٹھی آسمان کی طرف دیکھا چاند چمک رہا تھا تارے کھل رہے تھے ہوا چل رہی تھی درخت جھوم رہے تھے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور کہنے لگی۔

کس قیامت کی رات ہے کہ کسی طرح ختم نہیں ہوتی۔

میں کس مصیبت میں پھنسی یہ میری کیفیت کیا ہوگئی ایک آگ ہے جو سر سے پاؤں تک جھلسا رہی ہے ایک نشتر ہے جو کلیجہ میں چبھہ رہا ہے بھوک ختم ہوئی پیاس جاتی رہی نیند اڑ گئی ظالم ڈاکو تھا کہ ایک نگاہ میں برما گیا چور تھا کہ چپ چپاتے دل لیکر چلتا ہوا کیا کروں کدھر جاؤں کہاں بیٹھوں کس سے کہوں اور کیا کہوں میری حالت سے میری صورت سے میری کیفیت سے سب کچھہ ظاہر ہے ہو رہا ہے ہوگا کب تک چھپاؤں

اور کس کس سے یہ عشق ہو اس کی خوشبو مشک سے محبت ہو اس کا جال آفت سے تیز اور زیادہ۔ ہائے صبح نہیں ہوتی۔

چاند چمک چمک کر سطح آسمان پر اور چاندنی تڑپ تڑپ کر سلمونیہ کے قدموں میں لوٹ رہی تھی۔ درخت کے پتے گنے پانی کی لہریں دیکھیں آسمان کے تارے گھورے زمین کی گھاس دیکھی ادہر دیکھا ادہر دیکھا نیچے دیکھا اوپر دیکھا چلی پھری ٹہلی۔ ٹہلی مگر رات کی عمر طویل کسی طرح پوری نہ ہوئی خاموش ہو کر اندر گئی کرسی پر بیٹھی مسہری میں لیٹی پھر اٹھی اندہیرے میں پہنچی اجالے میں آئی اور پھر پائیں باغ میں۔

ہاں صبح قریب ہو مگر کون کہتا ہو نہیں میں کہتی ہوں صبح قریب ہو۔ چاند مجھکو ترسائے تارے مجھکو تڑپائیں مگر صبح قریب ہو ہوا کے جھوکے خبر دے رہی ہیں کہ ملکہ آفتاب صبح صادق قریب ہو۔ ہو ضرور ہے تارے کیسے ہی گنجان ہوں مگر یقیناً جھلملا رہی ہیں۔

درخت سے کسی پرندنے وداع شب کا پیام پہنچایا بیتاب ہوگئی دروازہ کھولا باہر آئی سڑک صاف تھی " اسی وقت کا وعدہ تھا " کیا ابھی صبح نہیں ہوئی ظالم دغاباز مکار فریبی۔ گھوڑے کی ٹاپ کی آواز کان میں آئی۔ آ آ جلدی آ۔

اب وہ اضطراب اور بیتابی کچھہ نہ تھا دروازہ کھلا رکھا روش پر آئی اور پھولوں کی بہار میں مصروف ہوگئی پیچھے سے قدموں کی آواز آئی۔ کون؟

میں اس صورت کا دیوانہ ان نگاہوں کا گھائل۔

سلمونیہ ہاں۔ ....

شہزادی نہ معلوم یہ کہکر کس خیال میں غرق ہوگئی سوار اس کے قریب آیا اور کہا مجھے تقدیر نے اپنی عنایت سے یہ چند لمحے ایسے دیدیے کہ میں اس صورت کی زیارت کرسکوں یہ وقت خاموشی کا نہیں ہو پو پھٹ گئی اجالا ہوگیا آفتاب میرے

اوّل کے وقت میں خدا کی راہ پر اتنے آدمی جانیں قربان کرنے کو موجود ہیں یہ چمکتے ہتیار کثیر تعداد اور باقاعدہ فوج حق یہ ہے کہ خدا ہی نے اپنے دین کو مدد دی جس علم کے نیچے کسی وقت دو چار صورتوں سے زیادہ نہ دکھائی دیتی تھیں اس وقت اسکے فدائی ہزاروں ہیں اس خیال کے آتے ہی حضرت صدیق فوراً سجدہ میں گرے روئے گڑگڑائے اور عرض کیا کہ الہ العالمین یہ فدائیوں کا لشکر محض تیرے سچے دین کی اشاعت کو گھر سے باہر نکلتا ہے یہ تیرے اس پاک بندے اور نیک محبوب کے نام لیوا ہیں جس کی مقدس روح تیرے حضور میں موجود ہے دشمن سخت فوج کثیر ملک وسیع فتح کے آثار صرف تیری محبت اور تیرے رسول کا ارشاد ہے معبود حقیقی ہمارے ارادوں میں برکت ہمارے بازوؤں میں طاقت اور ہمارے دلوں میں ہمت دے کہ کامیاب ہوں اور تیرے نام کی روشنی شام میں پھیلائیں شام ان غریبوں کا پردیس ہے یہ رستوں سے ناواقف منزل سے ناآشنا اور جالاکیوں سے کوسوں دور ہیں اپنی قدرت سے اپنی عنایت سے ان کے حال پر رحم کر اور ہماری التجا سُن الہ العالمین سفر کی زحمت ان کے واسطے جنت اور لڑائی کی مصیبت ان کے لیے رحمت ہو ان کو توفیق دے کہ یہ تیرے رسول کا نام روشن کریں اور تیرے پاک نام سے وہ در و دیوار جو شرک میں اٹ رہی ہیں جگمگا دیں۔

دعا کے بعد امیر المومنین نے سر اُٹھایا تو ڈاڑہی اور چہرہ آنسوؤں سے تر تھا مسلمانوں نے دیکھا اور ایک پرجوش نعرہ مار کر کہا "نصر من اللہ فتح قریب"۔ اب لوگ آگے بڑھے اور پھر عرض کیا امیر المومنین دل بیتاب ہیں اب کس چیز کا انتظار ہے رخصت کیجیے اس وقت صدیق اکبر نے یزید بن ابوصفیان کو ان کا سردار مقرر کیا اور کہا اچھا بھائیوں بسم اللہ کرو اونٹوں پر اسباب لدنے شروع ہوئے

اور الا اللہ کہکر لشکر اسلام نے کوچ کیا۔
آج اسلام کا وہ منظر تعجب اور اچنبہا معلوم ہوتا ہے۔ ریگستان عرب کے تودے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں لو کے جھکڑ اور باد سموم کے جھوکے قیامت خیز ہیں جسم آگ میں بہلس رہے ہیں ہر متنفس سر سے پاؤں تک پسینے میں شرابور ہے زمین تانبے کی طرح تپ اور ریت لوہے کی مانند دہک رہا ہے زمین سے آگ کے شعلے اُٹھے اور آسمان سے آگ کے انگارے برس رہے ہیں اور مسلمانوں کا لشکر صدائے تکبیر بلند کرتا یہ قیامت خیز میدان طے کر رہا ہے ادنیٰ ادنیٰ مسلمان گھوڑے پر سوار ہے اور مسلمانوں کا بادشاہ خلیفۂ وقت امیر المومنین ابو بکر صدیق پا پیادہ لشکر کے ساتھ ہے لوگ عجز سے منت سے خوشامد سے عرض کرتے ہیں کہ گھوڑے پر سوار ہو جائیے۔ ہمارے آنسو فراق رسول میں خشک نہیں ہوئے ہماری ضرورتیں ابھی پوری نہیں ہوئیں۔ ہماری گتھیاں ابھی سلجھی نہیں ایسا نہ ہو طبیعت ناساز ہو جائے مگر امیر المومنین کی زبان سے اس کا یہ جواب ملتا ہے۔
تم میری پروانہ کرو خدا کی راہ میں جاتے ہو اس کی رحمت کے مستحق ہو میں تمہارے ساتھ ہوں اور قدم قدم پر مجکو اجر مل رہا ہے ایک رات اور ایک دن حضرت صدیق نے اسی طرح لشکر کے ساتھ سفر طے کیا اور اس کے بعد مسلمانوں کو خدا کے سپرد کر کے واپس آئے وہ بھی عجیب سماں تھا جب مسلمان اپنے خلیفہ سے وداع ہو رہے تھے اور خلیفۃ المسلمین اُن کی کامیابی اور فتح کی دعا میں مصروف تھے۔ جدائی کے وقت جو تقریر ابو بکر صدیق نے کی وہ یہ تھی فتح اور شکست میرے اور تمہارے بس کی بات نہیں اس زبردست طاقت کے ہاتھ ہے جس کے اقبال کو کبھی زوال نہیں مگر اس کا وعدہ ہے کہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ مسلمان کا شیوہ نقصان پر صبر اور فائدہ پر شکر ہے اگر تمہاری نیت میں خلوص ارادہ ولہ

ارادوں میں ستقلال اور دلوں میں صداقت ہی تو حبیب خدا کا ارشاد پورا ہونا یقینی ہی نقصان پر پست ہمتی اور ناکامی میں مایوسی مسلمان کا کام نہیں ارادے مضبوط اور ہمتیں بڑہی رکھنا اور ہر حالت میں خدا کے فضل کے امیدوار رہنا اگر وہ اپنی رحمت اور عنائت سے تمکو غالب کرے تو ماتحتوں پر شفقت کرنا منصف رہنا اور مشورہ سے ہر کام انجام دینا بڈھوں پر کرم عورتوں پر رحم بچوں پر عنایت زخمیوں پر محبت لازمی اور ضروری ہی یاد رکھنا اور عمل کرنا کہ ہرے بھرے درخت سرسبز و شاداب باغ پامال و برباد نہوں، عبادت خانے محفوظ اور رعیت اطمینان سے رہی جانور جو اپنی غذا نہوں اگر موذی نہیں تو ان کو ایذا نہ دینا تحمل کو ہاتھ سے نہ دینا مکانکو نہ ڈہانا اور ہر حال میں صابر و شاکر رہنا۔ اچھا فی امان اللہ۔

نعرۂ تکبیر بلند ہوا حضرت صدیق مدینہ کی طرف چلے اور مسلمانوں کا لشکر حق حق کی صدائیں دیتا ہوا آگے بڑہا مسلمان پھر پھر کر اپنے خلیفہ کو دیکھتے جاتے تھے اور حضرت صدیق بھی، یہاں تک کہ دونوں اوجہل ہوگئے۔

(۹)

شب سیاہ اٹھلا اٹھلا کر اپنا رستہ طے کر رہی تھی۔ ہوا خاموش درخت ساکت اور زندان انطاکیہ چپ چاپ کہڑا تھا۔ مسلح پہرہ دار ٹہل ٹہل کر اپنے فرائض ادا کر رہا تھا کہ قدموں کی آہٹ اُس کے کان میں پہنچی ٹھٹکا اور پوچھا کون ہی۔ متواتر تین آوازوں کے بعد گولی سر کردی مگر اس کے جواب میں بھی گولی تھی جس کی آواز کے ساتھ ہی پہرہ والے کی آواز صرف اتنی سنائی دی "ہائے"، یہ کہتا ہوا گرا اور گرگر ٹھنڈا ہوا۔

قیدی چاہ انطاکیہ میں گرفتار ہی چاہ انطاکیہ کوئی کنواں نہیں فصیل کے اوپر ایک مختصر سا قلعہ ہی جہاں سکندر اعظم کا مشہور قیدی ہرمز مقید رہا

اور آج کیلوٹ کا قیدی یا سلمونیہ کا دلدار گرفتار ہے اندھیرا گھپ تھا کہ کمند فصیل کے کنگورے سے ٹکرائی سٹ پٹایا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا مگر کچھ نظر نہ آیا البتہ تھوڑی دیر کے بعد کمند کی آواز کان میں آجاتی تھی پوچھا کیا ہے کون ہے کیوں ہے؛

جواب رحم ہے رحیم ہے رہائی ہے۔

قیدی آواز کے تصدق آواز والے کے قربان کوشش پر نثار، رحم سر آنکھوں پر رحیم دل اور جان میں مگر رہائی ناممکن۔

جواب باتیں فضول اظہار محبت لغو فریفتگی بیکار وقت تھوڑا کام بہت کمند پکڑو باندھو اور اترو۔

قیدی یہ خیال غلط ہے یہ کوشش بے سود ہے یہ قصد ناجائز ہے کمند کا آنا پکڑنا نکالنا سب ناممکن فصیل دور قلعہ بلند کمند پہنچ نہیں سکتی جنگل بیابان میں عالم سنسان میں یہ پاؤں اس قابل یہ قدم اس لائق یہ صورت اس واسطے یہ چہرہ اسلیے نہ تھا کہ لہولہان ہو کر خاک میں اٹ کر حیران ہوتی اور پریشان رہتا اے ملکہ میں زخمی ہوں قیدی ہوں تیری محبت کا مارا تیری عنایت کا زخمی تیری آنکھوں کا گھائل تیری صورت کا مائل اس زخم پر نمک اس پھوڑے میں نشتر اور اس کلیجہ میں برما نہ لگا آسمان پر بجلی نہیں زمین پر روشنی نہیں کہ ایک دفعہ اس چہرہ کو دیکھ لیتا جس کی یاد میں ترس اور خیال میں تڑپ رہا ہوں، جا ملکہ چلی جا پہرے والے سخت اور محافظ ظالم ہیں ایسا نہ ہو میری وجہ سے گزند پہنچ جائے۔

ملکہ پہرہ والا قتل ہوا محافظ قتل ہونگے رات تھوڑی اور صبح قریب ہے اس کمند سے کام لو اور نیچے آؤ۔

قیدی کمند یہاں تک نہیں آسکتی مجھ سے بہت دور ہے۔

ملکہ اچھا! اپنے جسم کا کوئی کپڑا اگر نہیں اپنے پاس کی کوئی چیز ہاں اپنے ہاتھ

سے کوئی پتھر نیچے پھینکدو۔

قیدی ملکہ ایک التجا ہی قبول کرا ایک عرض ہی سن لے ایک درخواست ہی منظور فرما ان دو پتھروں کو رگڑ کر ایک لمحہ کے واسطے آگ کی روشنی میں اپنی صورت دکھا دے کہ چند روز اور زندہ رہ جاؤں۔

فاصلہ دور تھا اور جگہ اونچی رات اندھیری تھی اور ملکہ خاموش کہ قیدی نے دو پتھر پھینکے اور کہا میری التجا سن لے اے ملکہ رحم کا وقت ہی۔

چند لمحہ جواب نہ تھا اس کے بعد آگ کا ایک شعلہ بھڑکا اور قیدی اتنا دیکھہ سکا کہ میرے پتھر پیشانی پر جا کر لگے اور خون کا فوارہ چھوٹ رہا ہی۔

(۱۰)

مسلمانوں کا لشکر گھوڑے اُڑاتا جلا رہا ہی طبیعتیں شوق جنگ میں اور دل اشاعت اسلام میں بیتاب ہیں کوچ کی پروا ہی نہ مقام کی اور صبح کا خیال ہی نہ شام کا ابھی شام کی حدود اچھی طرح نظر نہ آئی تھیں کہ شامیوں کا ایک لشکر جو ہرقل نے احتیاطاً سرحد پر مقرر کر دیا تھا مسلمانوں کی جمعیت دیکھکر بیچین ہو مقابلہ کے واسطے آگے بڑھا یزید بن ابو سفیان نے دلیری سے مقابلہ کیا مگر یہ معرکہ بہت مختصر اور برائے نام تھا۔ مسلمانوں کے ارمان دل کے دل ہی میں رہے اور شامیوں نے اطاعت قبول کر لی۔ یزید نے اب مقابلہ بے سود سمجھا اور بارہ سو آدمی جو گرفتار کیے تھے مع مال غنیمت کے امیر المومنین کی خدمت میں بھیجدیے مگر ان لوگوں میں سے بعض کی زبانی جب یہ معلوم ہوا کہ قیصر پچاس ہزار جرار لشکر سے مقابلہ کے واسطے تیار ہی تو یزید نے امیر المومنین سے کہلا بھیجا کہ موجودہ لشکر اتنے زبردست حملہ کے واسطے کافی نہیں جب یہ خبر مدینہ منورہ میں پہنچی تو حضرت صدیق نے اسی وقت ایک اور لشکر تیار کیا اور سعید بن خالد کی ماتحتی میں مسلمانوں کی اعانت کو روانہ کیا۔

سعید ناتجربہ کار تھے اس لیے حضرت عمر کو یہ انتخاب پسند نہ ہوا فاروق اعظم کی یہ رائے جب ام المومنین عائشہ صدیقہ کو معلوم ہوئی تو انہوں نے فوراً اپنے والد یعنی خلیفہ اول کی خدمت میں عرض کیا کہ سعید کی بجائے فوج کا انتظام کسی دوسرے کے سپرد کیجئے حضرت صدیق فوراً مسجد نبوی میں تشریف لائے اور مسلمانوں کو جمع کیا اس مجمع میں حضرت عمر بھی تھے چنانچہ سب کی رائے سے عمرو بن العاص اس فوج کے افسر تجویز ہوئے خدا کی شان اور اسلام کی کرامت ہے کہ وہ شخص جس نے حضور اکرم کی ہجو نویسی اپنی زندگی کا عین مقصد سمجھا زیور اسلام سے مزین ہونے کے بعد ایسا مخلص نکلا کہ مسلمانوں کا لشکر اس کی ماتحتی میں دشمن کا مقابلہ کرے عمرو بن العاص روانہ ہوئے اور رستہ ہی میں سعید بن خالد سے جا ملے کیا جوش تھا اور کیا خلوص کہ ہر شخص صرف انجام کی بہتری کا خواہشمند تھا مسلمانوں نے یہ رنگ بھی میدان جنگ میں دکھا دیا ہے کہ سپہ سالار بہ حیثیت ایک سپاہی کے میدان میں لڑا۔ امیرالمومنین کا حکم دیکھتے ہی فوراً لشکر کی سرداری سعید نے عمرو کے سپرد کر دی اور مسلمان حدود شام میں داخل ہو گئے۔ اسلامی فوج رومیوں کے مقابلہ میں تعداد کے اعتبار سے بہت کم تھی مگر منتشر دستے مختلف سرداروں کی نگرانی میں بھیجے گئے تھے اس لیے امیرالمومنین نے علیحدہ علیحدہ حصے تقسیم کر دیے اور یہ احکام صادر فرمائے۔

عمرو بن العاص فلسطین علاقہ بیت المقدس کی طرف روانہ ہوں ابوعبیدہ حمص (شام) میں رہیں یزید بن صفیان دمشق جائیں اور شرحبیل ابن حسنہ بیت المقدس کے مشرق میں دریائے جاردن پر قیام کریں۔

یہ سردار علیحدہ علیحدہ اپنی فوج کے افسر تھے مگر ان کو یہ حکم تھا کہ ضرورت کے وقت سب متفق ہو جائیں اور ایسے موقع پر ابوعبیدہ افواج اسلامیہ کے سپہ سالار ہوں گے۔

مسلمانوں کی تمام فوج بہ مشکل سات ہزار ہو گی اور غنیم کا لشکر بہت زیادہ تھا اس وقت حضرت صدیق کو سخت اضطراب پیدا ہوا اور چاہا کہ کسی طرح خالد کو موقعہ پر بھیجوں۔ خالد سرورِ کائنات کی زبان مبارک سے سیف اللہ کا خطاب حاصل کر چکے تھے اور اُن کی شجاعت وجرات پر خلیفہ اول کو بہت بڑا بھروسہ تھا مگر خرابی یہ تھی کہ وہ جنوبی عرب کے باغیوں کی سرکوبی میں مصروف تھے اس لیے صدیق اکبر نے انکو لکھا کہ یہ مسلمانوں کے واسطے بہت ہی نازک وقت ہے اور خدا کے سوا کوئی اُن کا مددگار نہیں تم اب عراق عرب کا رخ کرو کوفہ اور ہنزا تمہارے سپرد ہیں اس سے فارغ ہو کر جس قدر جلد ممکن ہو ایلا کی طرف بڑھو۔

سیف اللہ امیر المومنین کا حکم ملتے ہی بجلی کی طرح آسمان عرب پر چمکے اور سواد اور ہنزا کو خاک سیاہ کرتے ہوئے ایلا پر گرے یہاں جو لوگ گرفتار ہوئے کون کہہ سکتا تھا کہ ان سنگریزوں میں کیسے کیسے جواہر ریزے پنہاں ہیں اور قیدیوں میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کی اولاد میں حسن بصری جیسے مسلمان پیدا ہوں گے۔

اس طرح خالد کی تلوار شرک و بدعت کو چھلتی ہوئی فراط کے کنارے پہنچی اور اسلام کا جھنڈا بلند ہوا۔ ان فتوحات کا اثر تھا کہ صدیق اکبر حالت جوش میں کہہ اُٹھے کہ "اور ایسی ماں کون سی ہے جو خالد جیسا لڑکا جن سکے"۔ مسلمانوں کا لشکر فراط کے کنارے تھا کہ شام سے خبر آئی کہ وہاں مسلمانوں کی حالت قابل اطمینان نہیں اور قیصر نے لڑائی کی تیاریاں اعلیٰ پیمانہ پر کی ہیں مجبوراً امیر المومنین نے خالد کو لکھا کہ تمام فوج مثنیٰ کے سپرد کرو اور شام کی طرف روانہ ہو جاؤ یہاں خالد کی تیاریاں بہت کچھ ترقی کر چکی تھیں اور وہ کسریٰ پر حملہ کے واسطے بالکل آمادہ تھے کہ یہ حکم پہنچا فوج مثنیٰ کے سپرد کی اور پندرہ سو سپاہی ساتھ لیکر شام کی طرف روانہ ہوئے۔

(۱۱)

میں ایک یونانی بڑھیا ہوں مجھکو تمہارے قیدی سے تمہارے قلعہ سے تمہارے کاردبار سے کیا واسطہ برمز ہمارا بادشاہ تھا اور ہم اسکو دیوتا سمجھتے تھے جس جگہ اسکو پھانسی ملی جس درخت سے وہ لٹکایا گیا جس زمین پر اس کا دم نکلا وہ سب ہمارے واسطے پرستش کی چیزیں ہیں میں اب دنیا میں چند روز کی مہمان ہوں چلا پھرا مجھسے نہیں جاتا اُٹھو بیٹھ میں نہیں سکتی ہاں یہ چاہتی ہوں کہ یہ آخری عمر اس عبادت میں گزر جائے میں یہاں ایک جھونپڑی بنا اور اسی میں اپنا وقت پورا کرلوں گی۔

سپاہی ہم چاروں آدمی تجھکو خوشی سے اجازت دیدیتے مگر جب سے ہمارا ایک پہرہ دار مارا گیا اور ابتک قاتل کا پتہ نہ چلا اس روز سے یہ خاص اہتمام ہوگیا ہی کہ چار آدمی یہاں موجود رہیں اور کسی غیر شخص کو قلعہ کے پاس نہ آنے دیں تو اگر پرستش کرنا چاہتی ہی تو شوق سے چلی جا مگر تیری یہ خواہش کہ مستقل طور پر یہاں قیام کروں پوری نہیں ہوسکتی۔

عورت ایک بڑھیا عورت جس کا ہاتھ بھی مشکل سے اُٹھ سکتا ہی کسی طرح خطرناک نہیں ہوسکتی تم میری تلاشی لے سکتے ہو مجھکو روزانہ بلکہ ہر وقت دیکھہ کر اپنا اطمینان کرسکتے ہو میں عمر بھر تمہاری دعاگو رہوں گی تم میری اولاد کے برابر ہو میری التجا قبول کرو اور مجھے جانے دو۔

پہرہ داروں میں کچھہ اختلاف ہوا مگر بالآخر یہی رائے قرار پائی کہ بڑھیا کسی حال میں خطرناک نہیں ہوسکتی اجازت دیدی گئی اور بڑھیا ایک جھونپڑی میں رہنے سہنے لگی، رات کو دن کو صبح کو شام کو جب ضرورت ہوتی اِدھر اُدھر پھرتی جنگل کے پھل پھول لاتی، دریا کا پانی بھرتی اور اپنے دن پورے کرتی۔

چاہ انطاکیہ کا قیدی اس شیر کی طرح جو پنجرے میں سر پھوڑتا ہی چاروں طرف

ٹکڑیں مارتا اور ہلا نہیں جاتا فصیل پر سے دیکھتا بعض دفعہ قصد کرتا کہ سر پھوڑوں اور مر جاؤں مگر یہہ قصد ہی پورا نہ ہوتا تین مہینے سے زیادہ اسی طرح بسر ہوگئے اب وہ رہ رہ کر اور تھم تھم کر وہ اس مصیبت کا خیال کرتا اس ستم کو یاد کرتا اس ظلم کا دہیان کرتا جو اسکے ہاتھوں ایک محسن پر ایک محبوب پر ٹوٹا دیوانوں کی طرح چیختا روتا اور چلاتا مگر رہائی کی کوئی صورت نظر نہ آتی رات کا آخری وقت تھا کہ قلعہ کی مشرقی دیوار کے نیچے کھٹ کھٹ کی آواز آئی حیران ہوا قریب گیا آواز کا سلسلہ برابر جاری تھا مگر سوال کا جواب نہ تھا عقدہ کا حل نہ تھا۔ الجھن کی سلجھن نہ تھی کان لگا کر سنا چیخ کر پوچھا زور سے چلایا مگر ہر کوشش بیکار تھی رات کا سلسلہ اسی اندھیرے میں صبح کے اُجالے سے بدلا اور آفتاب کے طلوع نے اس آواز کو ختم اور اس معاملہ کو درہم برہم کر دیا قیدی کا دن کس مصیبت کیسے فکر اور کسقدر کشمکش و پیچ میں گزرا یہ کہنا مشکل ہے۔ دیوار کے ایک ایک پتھر کو صحن کی ایک ایک سل کو ادہر سے اُدہر سے آس سے پاس سے یہاں سے وہاں سے ہر جگہ سے اور ہر طرف سے دیکھا مگر وہ گرہ نہ کھلی آفتاب اپنے فرائض پورے کر چکا اور رخصت ہوا دنیا اپنے کاروبار سے فارغ ہوئی اور لیٹی لوگ اپنے کام دہندوں سے نبڑ گئے اور سو گئے رات کا پہلا پہر ختم ہو چکا تھا اور قیدی صحن میں لیٹا کہہ رہا تھا۔

پرستش کے قابل وہی ایک ذات ہے جو ازلی و ابدی مگر محبت کے قابل وہی ایک صورت جو بے مثل و بے نظیر انسان مگر کیسی، انسانیت کی کسوٹی پر ادہوری نہیں پوری محسن لیکن کس قسم کی سودائے کرم میں سائل نہیں کامل حسینہ مگر کس صورت کی نازاز حسن کا انتخاب نہیں لاجواب عورت نہیں شہزادی شہزادی نہیں محبوب ایک دنیا جس کے قدموں میں آنکھیں بچھانیکو طیار ایک جہان جس کی صورت پر قربان ہونے کو آمادہ دمشق اس کا کلمہ گو شام اس کا حلقہ بگوش مجھہ فقیر پر مجھہ غریب پر اتنی قربان اس قدر کرم الہی عنایت عورت نہیں حور انسان نہیں فرشتہ!

تباہ کر دے ہائے دنیا مار ڈال اے زندگی ظلم ہے ستم ہے غضب ہے مجھ قیدی کے دروازہ پر رات کے اندھیرے میں وہ پھول کانٹوں میں گھستی آئے اور میرے ظالم ہاتھ پیروں سے اس کی تواضع کریں آ آ اے موت آ وہ صورت ایک دفعہ دکھا کر ان ہاتھوں کو بیجان کر

تلے نکل رہی ہیں ہوا چل رہی ہے پتے سرسرا رہے ہیں دنیا کے ہر کام قدرت انجام دے رہی ہے دن رات سے کلیاں پھول سے پتے اور بدلے مگر میرا اضطراب و بے چینی میرا دکھ اور پریشانی بدستور تو قدرت والا ہے تجھ میں طاقت ہے دکھا دکھا دے وہ صورت ایک بار وہ صورت ایک دفعہ۔

مجھے پہرہ والوں کا خوف نہیں چار کیا ہزار ہوں کسی طرح ایک مرتبہ یہاں سے باہر نکل جاؤں دیکھ لوں گا جو ہوگی اور بھگت لوں گا جو گذرے گی اندھا ہوں میری آنکھیں اسکے دیدار سے روشن ہوں گی بہرا ہوں میرے کان اس کی گفتار سے درست ہونگے نکل جاؤں اڑ جاؤں پہنچ جاؤں مگر..............

اٹھا کچھ سوچا اور پڑ گیا پیچھے آیا شب سیاہ سر پر تھی اور تاروں کی محفل آسمان سے جمی ہوئی دیکھا غور سے اور کہنے لگا آسمان دن بھر کے چھوٹے ہوئے تاروں کو گود میں لے ہوا اٹکھیلیاں کرتی ہوئی پھولوں کا منہ چومے اور میں بدنصیب اس قید خانہ میں سر ٹکراؤں قیدی کا یہ فقرہ ختم نہ ہوا تھا کہ کھٹ کھٹ کی آواز سنائی دی یہ ایک طلسم تھا جس نے بدنصیب کو اور حیرانی میں ڈالدیا۔ زمین کے جس حصہ سے یہ آواز نکل رہی تھی وہیں آکر بیٹھ گیا مگر وہی روز اول کی کیفیت تھی کہ ہر چند کوشش کی مگر خاک پتہ نہ چلا کہ معمہ کیا ہے اور راز کیا۔

قیدی کی حیرانی اور ساعی کی سرگردانی پر صبح صادق کھلا کر ہنسی اور آفتاب کی پہلی نگاہ چاہ انطاکیہ پر تھی کہ صحن کا ایک پتھر جگہ سے سرکا اور شہزادی میلمونیہ ایک ضعیفہ کے لباس میں نمودار ہوئی قیدی آگے بڑھا صورت دیکھی اور یہ کہہ کر قدموں

ہیں گر پڑا مشکل کو آسان ناممکن کو ممکن رات کو دن اور سیاہ کو سفید کردینے والی ہستی بس اجازت دے کہ ان ہاتھوں پر فدا اور ان قدموں پر قربان ہوں قیاس حیران اور عقل خاموش ہو کہ جہاں کاغذ کے پرزے اور رسی کے ٹکڑے کی رسائی نہیں وہاں ایک انسان ایک عورت محلوں کی رہنے والی پھولوں کی سونے والی کیونکر پہنچی اور کسطرح آئی۔

سلمونیہ یہ سرنگ ہو جو فصیل سے یہانتک برابر چلی آئی ہو یہ لباس لو اور رات کے وقت یہاں سے چلے جاؤ۔

قیدی شہزادی یہ کس طرح ممکن ہو کہ میں تجھکو یہاں چھوڑ کر چلا جاؤں نہیں نہیں نہیں ہرگز

سلمونیہ مصلحت کا تقاضا اور وقت کی ضرورت یہی ہو اصرار فضول اور بحث بے سود میں اب جاتی ہوں اور اپنی جھونپڑی میں بیٹھتی ہوں غروب آفتاب کے بعد آؤں گی۔

قیدی میں کیا جواب دوں اے شہزادی مجھکو وقت کیا دکھا رہا ہو اس رخ روشن پر یہ گرد اور ان ہاتھوں میں یہ زخم۔

زخموں پر نثار ہوتا رہا کبھی ہاتھوں کو آنکھوں سے کبھی سر کو سینہ سے لگاتا اور اس بلبل کی طرح جو پھول پر اس چکور کی مانند جو چاند پر نثار ہو وہ بیٹھا تھا پاس آتا تھا گرد پھرتا تھا اور ہائے کرتا گر پڑتا تھا۔

دن اس طرح ختم کے قریب پہنچا کہ ملکہ کبھی جھونپڑی میں تھی کبھی قلعہ میں شام ہونے کو تھی کہ قیدی کی نگاہ اس زخم پر پہنچی جو پتھروں سے پہنچا تھا بیتاب ہوگیا اور کہنے لگا کیا کروں اس محبت نے کیا کیا دکھا دیا جو سر تاج شاہی سے مزین تھا میرے ہاتھ سے زخمی ہوا۔

سلمونیہ آفتاب غروب ہو رہا ہو تم اب یہ لباس پہن لو اور چپکے سے نکل جانا۔

قیدی مجھے تعمیل حکم میں عذر نہیں اچھا۔

سلمونیہ میرے پاس ہتیار کافی ہیں یہ تم نیچے لگا لو معلوم کیا اتفاق ہو۔

قیدی نے ہتیار لگائے لباس تبدیل کیا اور شہزادی کی ہدایت کے بموجب بڑہیا بنکر نکل گیا جب آدہی رات کے قریب رات گزری تو شہزادی چلی مگر دروازہ تک پہنچی تہی کہ پہرہ والے نے کہا کون ہو۔

سلمونیہ نے اس کا جواب کچہہ نہ دیا اور خنجر کا وار کیا محافظ نے خنجر پکڑ کر چہیننا کہ قریب سے ایک دوسرے خنجر نے پہرہ والے کا کام تمام کر دیا۔

(۱۲)

آج پورے پندرہ روز ہو گئے تمام ملک کی خاک چہان لی مگر سلمونیہ کا پتہ کہیں نہیں چلتا اب میری سمجہہ میں نہیں آتا کہ کیا کروں نہ معلوم آسمان کہا گیا یا زمین سپاہی تہک ہار بیٹھ گئے جاسوس ڈہونڈہ ڈہانڈ چلے آئے کونہ کونہ دیکہہ لیا اور چپہ چپہ چہان مارا لیکن سراغ ہی نہیں چلتا۔

فلورا میری آنکہوں میں دنیا اندہیر ہو میرا کہانا پینا سب چہوٹ گیا نیند مجہے نہیں آتی بہوک مجہے نہیں لگتی آج کپڑے بدلے اتنے روز ہو گئے حیران ہوں کہ کیا کروں یقیناً اس کی وجہ ظالم وردان ہو جس کی درخوہست ہمکو اتنی ناگوار ہوئی کہ اس ملک ہی پر لات ماری۔

کیلوش میری پریشانی ہر طرف سے بڑہ رہی ہو گو فوج کم نہیں مگر پہر بہی دشمن کا مقابلہ ہو اور دشمن بہی مہذب اور خداترس نہیں وحشی اور ڈاکو ایک دل کس کس مصیبت میں پہنس گیا۔

فلورا دشمن آج شام پر قابض ہو جائے تمہاری سلطنت اس وقت غارت ہو جائے اور برباد مجہے تمہارے ملک کی تمہاری حکومت کی تمہاری قوم کی مطلق پروا نہیں میری بچی کسی طرح مجہے ملجائے میں یونان چلی جاؤں اور پہر عمر بہر شام کی صورت نہ دیکہوں۔

کیلوث سلونیہ کے صدمے میں میں تم سے کم متاثر نہیں تمہاری محبت پرورش کی ہے اور میرے کلیجے کا ٹکڑا۔ تمہارا رنج کبھی کی چوٹ ہے اور میرے کلیجے میں زخم تم اس زخم پر نمک نہ چھڑکو شام پر دشمن کا قبضہ آسان نہیں جب تک میرے دم میں دم ہے کس کی مجال ہے کہ دمشق کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ لے

دونو میاں بیوی اس گفتگو کے بعد خاموش تھے موسم بہار کا تھا مگر قصر کیلوث پر ہر طرف سے خاک اُڑ رہی تھی پھول کھلتے تھے مگر اُنکی مہکار میں اداسی تھی بلبل چہکتی تھی مگر نغمہ درد میں ڈوبا جن سڑکوں پر شام کے وقت تل دھرنے کو جگہ نہ ملتی تھی اب وہاں چہل پہل تو کیا عالم سنسان تھا جس محل میں ہر وقت راگ رنگ اور باجے گاجے تھے وہاں اب ہر طرف سے رونے کی آوازیں آتی تھیں۔

کیلوث اُٹھا اِدہر اُدہر ٹہلا اور پھر آکر بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا کہ چوبدار حاضر ہوا اور عرض کیا چاہ انطاکیہ کا قیدی فرار ہو گیا اور پہرہ دار ایک اور قتل ہوا۔

غصہ میں لال پیلا ہو گیا ہاتھ میز پر مارا لات زمین پر دانت پیستا اُٹھا اور کہا غضب ستم آج قصد تھا کہ دریافت کروں کون ہے ابھی تک اصلیت نہ معلوم ہوئی یونانی تھا مسلمان تھا۔ مجرم تھا۔ جاسوس تھا ایک شخص چار آدمیوں کی آنکھوں میں خاک جھونک گیا تعجب ہے سخت تعجب قیصر کو اطلاع ہو چکی مصیبت پر مصیبت آفت پر آفت گھوڑا حاضر کرو۔

(۱۳)

سرحد شام پر سب سے پہلے مسلمانوں کے سامنے بصرہ تھا جس کے بارہ ہزار آدمی فوج کے علاوہ ہر وقت لڑنے مرنے کو تیار تھے اور جس کے معنی شامی زبان میں محفوظ برج کے ہیں مسلمانوں نے آگے بڑھنے کا قصد کیا تو رومنس والی بصرہ نے اپنی فوج مقابلہ کے واسطے تیار کی اور رات کے وقت بھیس بدلکر لشکر اسلام میں پہنچا مسلمان نماز عشا سے فراغت

پا چکے تو نعرہ اللہ اکبر اس زور سے گونجا کہ آسمان و زمین دہل گئے اور اس کے بعد ابو عبیدہ نے کہا
اب وہ وقت سر پر آ گیا کہ صدق و کذب کفر و اسلام شرک و توحید کا فیصلہ ہو تاکہ موجود
دنیا دیکھ لے اور آنے والی دنیا سن لے کہ کس طرح خدا کے نیک بندے اپنی جانیں صداقت
پر قربان کرتے ہیں توحید کا غالب نا یقینی ہر گز مبارک ہیں وہ لوگ جو اس کوشش میں اپنی ناپائدار
زندگی کو کام میں لائیں موت برحق ہے لیکن تمہاری موت وہ موت ہو گی جس پر ہزاروں
زندگیاں اور تم مردہ ایسے مردہ ہو گے جس پر لاکھوں زندہ قربان تم وہی ہو کہ اپنے
خون گرا کر خدا کا نام بلند کیا اور جہاں بت پجتے تھے اور دن رات شرک ہوتا تھا وہاں پانچ
وقت خدائے واحد کا نام پکارا جاتا ہے۔ تمہید اسلام گڑیوں کا کھیل نہیں مسلمانوں نے کلیجے
کے ٹکڑے خاک میں لٹا کر اور برابر کے بھائی گور میں سلا کر توحید کا اظہار کیا ہے کیا تم وہ وقت
بھول گئے کہ قریش چاروں طرف سے اسلام کی دشمنی پر کمربستہ ہیں اور ایک ذات بتیس دانتوں
میں زبان کی طرح کلمۂ حق کا اعلان کرتی ہے کون سی مصیبت ہے جو نہ آئی اور کیا اذیت تھی
جو نہ پہنچائی مگر خدا ہماری اور ہمارے ماں باپ کی جانیں اس نام پر جو خدا کا حبیب تھا
بدن میں زخم لگے پیشانی سے خون نکلا گلے میں اوجھڑیاں پڑیں لیکن استقامت میں فرق
نہ آیا خوش نصیب تھے خدا کے وہ نیک بندے جو ہادی برحق کے ساتھ راہ خدا میں
کام آئے اور آج اُن کی متقدس روحیں جنت الفردوس میں آرام کر رہی ہیں تم اسی رسول
کی امت اور ان ہی شہیدوں کی اولاد ہو اور اب تم کو بصرے میں دکھا دینا ہے کہ کس طرح
مسلمان اپنی قربانیاں چڑھا کر اسلام کی لاج رکھتے ہیں۔

ابو عبیدہ کی تقریر ختم ہوتے ہی مسلمانوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ اگر اُن کا بس
چلتا تو صبح کا بھی انتظار نہ کرتے اور اسی وقت حملہ کر بیٹھتے روبس نے یہ تقریر سنی اور
یہ جوش دیکھا اور ایسا ہراساں ہوا کہ اس نے اپنی فوج سے آ کر کہا کہ مسلمانوں کا مقابلہ
ہنسی کھیل نہیں نتیجہ جنگ یقیناً تمہاری شکست ہو گی مصلحت یہی ہے کہ جس طرح ہو صلح کرو

اوران کے مقابلہ سے چھٹکارا پاؤ۔

بصرہ والے مسلمانوں پر دانت پیس رہے تھے روہنس کی یہ گری ہوئی گفتگو سنکر ہنسے اور کہا اگر تجھہ میں ہمت نہیں تو اوڑھنی اوڑھ چوڑیاں پہن اور گہر میں گھسکر بیٹھ جا لیکن ہم سے یہ نہو گا کہ سرزمین وطن جس میں ہماری پشتوں کے نال گڑے ہوئے ہیں جہاں ہمارے باپ دادا کی ہڈیاں دفن ہیں آسانی سے دشمن کے حوالے کردیں جب تک ہم میں سے ایک شخص بھی زندہ ہے یہ نہو گا کہ دشمن اس شہر میں داخل ہو جائیں ہماری آنکھیں اس وقت سے پہلے پھوٹ جائیں ہمارے دم اس وقت سے پہلے فنا ہو جائیں جب ہم ظالم اور دغاباز مسلمانوں کے قدم اپنے ملک میں دیکھیں مسلمانوں نے عرب میں عراق میں عجم میں ایران میں اپنی ہشیاریاں اور عیاریاں چلائیں دہوکے سے فریب سے لڑکر جھگڑ کر ان بیچاروں کو پھندے میں پھنسا لیا مگر یہ شام ہر جوان کو اجل کا پیام دیگا اور بصرہ کسر اکی طرح انکے چہرے بگاڑ دیگا ہم اپنے وطن پر قربان ہونگے اور ہماری خوش نصیبی اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ جس زمین پر ماؤں نے ہمکو جنا اسی زمین کے پیوند ہو جائیں۔

روہنس کی ہمت چھوٹ چکی اور دل ٹوٹ چکا تھا لیکن رعیت اور فوج کسی طرح اس کی رستہ پر نہ آئی اور اُس نے دیکھا کہ بغیر لڑے چارہ نہیں۔

حضرت ابو عبیدہ نے سرحیل بن حسنہ کو حملہ کا حکم دیا اور دس ہزار فوج لیکر سرحیل آگے بڑھے مسلمانوں میں جوش اور شجاعت کی کمی نہ تھی مگر رومی بھی اُن سے کم نہ تھے نعرے لگاتے ہوئے شہر سے باہر نکلے اور باہر آئے اور دس بجے سے قبل پندرہ ہزار آدمی میدان میں موجود تھے مقابلہ شروع ہوا سرحیل نے ایک پرجوش تقریر سے مسلمانوں کے دل بڑھائے اور حملہ کیا یہ حملہ اس زور کا تھا کہ اگر بصرہ پہاڑ بھی ہوتا تو جگہ سے سرک جاتا مگر رومیوں نے جانیں لڑادیں گاجر مولی کی طرح کٹے مگر استقلال میں فرق نہ آنے دیا اور شام تک اس طرح لڑے کہ مسلمانوں کے بھی چھکے چھوٹ گئے صبح کے وقت پھر معرکہ

شروع ہوا مگر کل کی سرتوڑ کوشش کے ناکام ہونے سے مسلمانوں کو فتح کا جو یقین تھا آج وہ معجزہ نظر آتا تھا جرات وہی تھی جوش وہی لڑائی طرح رہی تھے اور اسی طرح لیکن رومیوں نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ بصرہ کا داخلہ منہ کا نوالہ نہیں دوسرے روز دوپہر کے وقت جب میدان کا بازار گرم تھا اور فریقین جوش مذہب پر جانیں قربان کر رہے تھے بصرے سے رسالے نکلتے نظر آئے اور آنا فاناً مسلمانوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا اس وقت مسلمانوں کو فتح تو درکنار شکست کھا کر بھی زندگیوں سے نا امیدی تھی اور وہ دیکھ رہے تھے کہ دشمن کے پنجہ میں پہنس گئے سرجیل نے اس نازک موقعہ پر واپسی کا حکم دیا مسلمانوں نے پیچھے ہٹنے کا قصد کیا ہی تھا کہ سامنے سے ایک دوسرا لشکر آتا دکھائی دیا اور اب سرجیل اور تمام فوج کو شکست کا یقین کامل ہو گیا لیکن خرابی یہ پڑی کہ کسی طرف بھاگنے کا راستہ ہی نہ تھا دونو فریق اس لشکر کی طرف نگاہیں لگائے ہوئے تھے رومی باغ باغ تھے کہ ہماری مدد کو قیصر کی فوج آئی کہ آنے والے لشکر نے تکبیر کا نعرہ بلند کیا یہ حضرت خالد تھے جو امیرالمومنین کا حکم پاتے ہی روانہ ہوئے تھے خالد نے جس وقت مسلمانوں کا یہ رنگ دیکھا تو بغیر کسی توقف کے وہیں حملہ کر دیا اور اس زور شور سے کیا کہ بصرہ والوں کو پیچھے ہٹنا پڑا اور مسلمان دشمن کے پنجہ سے علیحدہ ہوئے اب آفتاب غروب ہو رہا تھا خالد نے سرجیل سے کہا کہ اس قلیل جمعیت سے اس طرح جم غفیر کا مقابلہ کرنا ہرگز جائز نہ تھا مگر جب سرجیل نے یہ جواب دیا کہ میں حضرت ابوعبیدہ کے حکم سے مجبور تھا تو خاموش ہو گئے۔

تھکا ہارا لشکر پڑ کر سو گیا مگر حضرت خالد اس خیال سے کہ کہیں دشمن شبخون نہ مارے اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر رات بھر پہرہ دیتے رہے۔ نماز کے وقت فوج کو ہشیار کیا اذان دی نماز پڑھائی اور میدان میں آموجود ہوئے۔ رومنس کا دل پہلے تو بہت بڑھ گیا تھا اور وہ سمجھ رہا تھا کہ مسلمان عنقریب میدان سے بھاگے مگر خالد کی جرات کا حال پہلے سن چکا تھا اور اب جو اُن کی ہمت دیکھی کہ سفر کی زحمت اور رستہ کی تکان اُنکے آگے گرد تھی

اور انہوں نے آتے ہی حملہ شروع کر دیا تو ہمت پھر پست ہوئی لیکن بصرے والوں نے اس کی ہمت بڑھائی اور کہا کہ آج ہم ضرور دشمن کو بھگادیں گے اس لیے اپنی بہادری کے کارنامے پڑھتا ہوا میدان میں آیا اور کہا پہلے شخصی لڑائی مناسب ہے مسلمانوں میں سے ایک شخص میرے مقابلہ کو آجائے اور میری قوۃ کا امتحان کرے سیف اللہ کو ان الفاظ کی کہاں تاب تھی گھوڑا اُڑا سامنے آئے اور کہا اسلام کا زور دیکھے روہنس قریب آیا اور بجائے لڑنے کے کہا میں تو اسلام قبول کر چکا ہوں مجھکو اپنے دامن میں پناہ دیجئے۔ اور بھائی سمجھئے میری غرض جنگ نہیں اس بہانہ سے عرض حقیقت کر رہا ہوں میں ان لوگوں کو خراج اور اسلام پر آمادہ کرتا ہوں مہلت دیجئے کہ اپنی کوشش میں کامیاب ہوں۔

اسوقت خالد کی تجربہ کاری سامنے آئی اور انہوں نے کہا ہلکے ہلکے زخم جسم پر لگالو تاکہ تمہاری فوج کو ملنے کا شبہ نہو روہنس راضی ہوگیا اور اپنے جسم پر نشان لگائے مگر خالد نے خنجر لیکر اپنے ہاتھ سے اس کے جسم پر اس زور سے نشان لگایا کہ اگر دھار کی طرف سے ہوتا تو ہاتھ کے دو ہو جاتے۔

روہنس گرتا پڑتا اپنے لشکر میں گیا اور کہا خالد آدمی نہیں جن ہے ہم میں اسکے مقابلہ کی ہمت نہ طاقت بہتر یہی ہے کہ صلح کرو اور اسکے ہاتھ سے چھٹکارا پاؤ روہنس نے ہرچند زور لگایا مگر بصرے والے اپنے وطن پر فدا ہونے کی قسمیں کہا چکے تھے چاروں طرف سے اس کی بزدلی پر لعنت ملامت شروع ہوگئی بلکہ وہ لوگ یہاں تک اس کی اس حرکت سے بیزار ہوئے کہ اسکو قید کر گھر میں ڈالدیا اور اس افسر کو جو قیصر ہرقل کی فوج کے ساتھ آیا تھا اپنا سپہ سالار بنا کر مسلمانوں کے مقابلہ میں آگئے

یہ رومی افسر قسطنطنیہ کا مشہور جری تھا اس نے تمام فوج کو اپنے قواعد پر مرتب کیا اور آگے بڑھ کر کہا کیا مسلمانوں میں کوئی اس قابل ہے کہ رومی شجاع کی طاقت کا

نمونہ دیکھے اور مقابلہ کو آئے حضرت صدیق کے لخت جگر عبدالرحمن اس معرکہ میں شریک تھے
اور انکی شرکت بتا رہی تھی کہ مسلمان اپنے حملوں میں نفسانیت سے کتنے دور ہیں اور خدا
کی راہ میں کیسی کیسی زبردست قربانیاں چڑھا کر اسلام کی شرم رکھتے ہیں عبدالرحمٰن یہ سنکر
بیتاب ہوگئے اور خالد سے کہا اجازت دیجئے کہ اس رومی پہلوان کا مقابلہ میں کروں
حضرت خالد نے اجازت دی اور وہ میدان میں آئے رومی انکی کم سنی پر ہنسا اور
کہا کیا مسلمانوں کی فوج کا انحصار تم ہی جیسی بچوں کی شجاعت پر ہے جن کے ابھی دودھ کے
دانت بھی نہیں ٹوٹے عبدالرحمٰن ابن ابوبکر نے اس کے جواب میں ایک تلوار کا ہاتھ مارا
مگر وار خالی گیا اور رومی نے پیترا کاٹ اس زور سے ہاتھ دیا کہ اگر عبدالرحمٰن کا وار کاٹ
جائیں تو گھوڑے تک کے ٹکڑے اُڑ جائیں رومی اب حیران تھا کہ جوان مسلمان نے ایک
اور ہاتھ دیا مگر یہ بھی اوچھا پڑا لیکن رومی کی ہمت پست ہوگئی اور وہ سمجھا کہ موت سر پر
آپہنچی زخمی ہوکر بھاگا مگر عبدالرحمٰن نے پیچھا نہ چھوڑا اور گھوڑا دوڑا دیا رومی اپنے لشکر میں
گھسا اور اس کے پیچھے جگر گوشۂ صدیق فوج کو کاٹتا ہوا اندر پہنچ گیا خالد یہ رنگ دیکھ
رہے تھے اور عبدالرحمٰن کے اندر پہنچ جانے سے انکو یقین ہوگیا کہ ایک تن واحد کا اس
نرغہ سے واپس آنا اور بچنا محال ہے فوراً عام حملہ کا حکم دیا اور مسلمان دشمن پر ٹوٹ پڑے
بھیڑ بکری کی طرح گاجر مولی کی طرح کھیرے لکڑی کی طرح آدمی کٹ رہے تھے مگر ہمتوں کا حال
یہ تھا کہ کسی کے قدم پیچھے نہ ہٹتے تھے دو گھنٹے سے زیادہ تلوار چلی اور میدان جنگ گھوڑے
اور آدمیوں کی لاشوں سے پٹ گیا خالد نے اس وقت فوج سے خطاب کیا اور کہا
ہاں بہادرو اسلام کی آزمایش کا وقت یہی ہے آگے بڑھو اور قدم پیچھے نہ ہٹاؤ بہشت کے
دروازے تمہارے سامنے کھلے ہیں اور وہ روح پاک جو شب معراج میں فردوس کا
دولہا تھی تمہارے استقلال کو موجود ہے تم کلمۂ توحید کے جھنڈے میں ہو اور اسی پر
فدا ہوتے ہو بڑھو آگے بڑھو اتنا کہکر خالد نے اپنا گھوڑا بڑھایا اور مسلمان نعرہ اللہ اکبر

بلند کرتے آگے بڑھی فصیل پر سے بصرے کی رعیت اس منظر کو دیکھتے ہی تھی مسلمانوں کی
ہمت دیکھکر خوف طاری ہو گیا اور چیخنے چلانے کی آوازیں شروع ہوئیں گرجاؤں
میں گھنٹے بجے نمازیں ہوئیں خالد نے باواز بلند فصیل والوں سے کہدیا تم مطمئن ہو اسلام
میں ظلم نہیں ہر یہ حملہ اس شدت کا تھا کہ گو رومی بہت لڑے مگر مسلمانوں کے آگے نہ ٹھہر سکے
بھاگے اور گرتے پڑتے بصرے کی شہر پناہ تک پہنچ شہر میں گھس دروازہ بند کر لیا۔

شام ہو چکی تھی اور شہر کا دروازہ بند تھا اس لیے کوئی اور کارروائی نہو سکی تمام رات
عورتوں کی گریہ وزاری کی آواز بصرے کی گلی کوچوں سے بلند ہوئی شہر پناہ کے پاس
عبدالرحمن نے اپنا ڈیرہ ڈالا اور رات بھر جوشیلے مسلمانوں کا پہرہ دیتے رہے صبح قریب تھی
کہ انہوں نے ایک شخص کو نہایت عمدہ پوشاک پہنے آتے دیکھا مسلح تھے فوراً تیار ہو گئے
آواز دی کون ہر مگر بجائے جواب کے اس شخص نے اپنا ہاتھ بلند کر دیا خاموش ہو رہے
تلوار باہر نکالی اور منتظر رہے جب وہ شخص قریب آیا تو کہا میرا نام روہنس ہر اور میں آپکے
سپہ سالار حضرت خالد کی خدمت میں پہنچنا چاہتا ہوں عبدالرحمن نے کچھہ دیر تامل کیا
اور اس کے بعد یہ اطمینان کر کے کہ اس کے پیچھے اور لوگ نہ ہوں اسکو اپنی حفاظت
میں حضرت خالد کے خیمے تک لے گئے۔

روہنس حضرت خالد کے پاس پہنچکر رونے لگا اور کہا میرے ساتھ بصرے والوں نے
بہت زیادتی کی مجھے مارا اور زخمی کر ایک مکان میں قید کر دیا میں بڑی مشکل سے سرنگ
لگا کر یہاں تک پہنچا ہوں اب آپ اپنے معتبر آدمیوں کو میرے ساتھ کیجئے کہ وہ اس رستہ سے
داخل ہو کر شہر پر قابض ہو جائیں۔

بہ ظاہر دشمن کی یہ التجا بہت کچھہ خطرناک تھی مگر حضرت خالد نے منظور کیا اور
عبدالرحمن اس کام کے واسطے مقرر ہوئے سو سواروں کا منتخب گروہ انکے ساتھ ہوا اور اسی
نقب کے ذریعہ سے یہ لوگ شہر میں پہنچے اس وقت معاملہ بہت نازک تھا اور عبدالرحمن اور

اُن کے ہمراہیوں کی جان خطرہ میں تھی مگر خدا کی عنایت پر بھروسہ تھا نیت صاف تھی مطلق ہراس نہوا اور عبدالرحمٰن نے پچیس پچیس آدمیوں کے چار گروہ تقسیم کر ایک اپنے ہمراہ لیا اور باقی تین سے کہا جس وقت تکبیر کی آواز سُنو تو ٹوٹ پڑنا چنانچہ عبدالرحمٰن اپنا گروہ لیکر روہنس سپہ سالار رومی کے قلعے پر پہنچے روہنس نے آواز دیکر دروازہ کھلوایا مسلمان اندر داخل ہوئے رومی سردار صورت دیکھتے ہی بھاگا مگر عبدالرحمٰن نے آگے بڑھ کر ایک ایسا ہاتھ دیا کہ سر علیحدہ ہوا۔ باہر نکلکر تکبیر بلند کی اور تمام دستوں نے جو علیحدہ علیحدہ متفق تھے صدا دی شہر اس آواز سے گونج اُٹھا اور دروازہ کھولدیا گیا اور کل مسلمان اندر داخل ہوگئے رومی فوج نے اس وقت بھی خفیف سا مقابلہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے قتل عام شروع کر دیا مگر یہ حالت چند ہی لمحہ رہی تھی کہ خالد نے روکا اور للکار کر کہا بھائیوں! دعویٰ اسلام کا اور عمل اسلام کے خلاف یہ کارروائی قانون اسلام کے مطابق نہیں سزا کے مستوجب ظالم ہیں مظلوم پر ہاتھ نہ اُٹھاؤ اب مسلمان خاموش تھے آفتاب نے اپنی صورت دکھانے کا قصد کیا مسلمانوں کی نماز جماعت ادا ہوئی اور بصرہ کے تمام سردار جمع ہوکر روہنس سے اس دغا کی شکایت کرنے لگے روہنس نے کہا یہ تمہارے اعمال کی سزا ہے رات ختم ہوئی صبح کا سہانا وقت ہے اور میں تمکو گواہ کرتا ہوں اور اس کی خدائی سے انکار کرتا ہوں جو صلیب پر چڑھا گیا اور پرستش کے قابل اسی ایک خدا کو سمجھتا ہوں جو وحدہ لاشریک ہے میں مسلمانوں کو اپنا بھائی اور اس کو جو خاک عرب سے اُٹھکر توحید کی منادی کر گیا رسول برحق سمجھتا ہوں اس کے بعد روہنس نے باواز بلند کلمہ طیبہ پڑھا اور مسلمان ہوا۔

اب روہنس حضرت خالد کے قدموں میں تھا اور اس کا دل چاہتا تھا کہ کسی طرح امیرالمومنین کے چہرہ کی زیارت کرے مگر حضرت خالد نے اس کی خدمات کا پورا پورا صلہ دیا اور اس کو مال غنیمت کا محافظ قرار دیکر دمشق کا قصد کیا۔

چاندنی رات میں ملک کے اس خوشنما اور سرسبز قطعہ پر جس کے دونو طرف بحیرۂ روم اور دریائے فراط لہریں لے رہے تھے شہزادی سلمونیہ پانی میں پاؤں ڈالے خاموش بیٹھی تھی اس کا لباس ظاہری معمولی تھا پاؤں لہولہان تھے اور چہرہ فکر و رنج میں ڈوبا ہوا پانی کو دیکھتی تھی آسمان پر نظر ڈالتی تھی کھڑی ہو جاتی تھی اور ٹہلنے لگتی تھی دل پر افسوس خیال پر ملامت اور محبت پر نفرت کی، جگر خراش صدائیں اس کے لب سے نکلتی تھیں اور پھر کچھ سوچ سمجھکر خاموش ہو جاتی تھی دفعتہً اس نے پشت پر یہ آواز سُنی آخر یہ کون ہے؟ سنبھلی اور دو گھوڑوں پر دو سوار دیکھے ایک جکڑا ہوا اور ایک بپھرا ہوا۔ مسلح تھی آگے بڑھی اور کہا تم لوگ اِدھر کیوں آئے اس آواز کا دونو کے کانوں میں پہنچنا ایک قیامت تھا جس نے دونو دلوں میں مختلف حالتیں پیدا کر دیں۔ یہ دونو سوار وردان اور فلورا تھے وردان خوشی کے مارے اُچھل پڑا اور فلورا سے کہا تجھ جیسی ناہنجار عورت جس نے کلیوپیٹرا کی سوکن بنکر ہمارے تن بدن میں آگ لگائی ہرگز رحم کی مستحق نہ تھی اور میرا مصمم قصد تھا کہ پھوپھی کے سامنے تیری گردن اُڑا کر ان کا کلیجہ اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کروں مگر تو خوش نصیب ہے کہ اس وقت یہ غیبی فرشتہ تیری مدد کو پہنچا اور میرے دل و جان کی مالک وہ سلمونیہ جس کو آنکھیں چاروں طرف ڈھونڈھ رہی تھیں نظر آگئی اتنا کہکر وردان سلمونیہ کی طرف جھکا اور کہا ملکہ میرے قریب آ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے کہ میں اس کو سر آنکھوں سے لگاؤں اور اس آگ کو جس نے میری جان پر بنا دی ٹھنڈا کروں۔

سلمونیہ اپنا ناپاک ہاتھ الگ رکھ اور خبردار میری طرف ہاتھ نہ بڑھائیو

وردان کیا تو اقلیم محبت میں میرا دامن ایک نوکھے جرم سے آلودہ کرنا چاہتی ہے۔

سلمونیہ غارت ہو تو اور تیری محبت یاد رکھ اس قسم کی باتیں تجھے بہت پریشان کریں گی۔

وردان کیا تیری عقل پر پتھر ہیں کہ تو اپنا محل چھوڑ چھاڑ اس جنگل میں خاک چھان رہی ہی اور تیری آنکھوں میں خاک ہی کہ میرے سامنے ایسی گستاخانہ گفتگو کرتی ہی۔

سلمونیہ میری عقل پر پتھر میری آنکھوں میں خاک سب کچھہ ہی مگر اپنے لغو خیال کو دل سے نکال اور اس نظر سے مجھکو نہ دیکھہ۔

وردان تو میرے غصہ سے واقف میری طاقت سے باخبر اور میری حالت سے آشنا ہی میں وہ ہوں جس نے شام بھر میں تہلکہ مچا رکھا ہی تیری ماں کی رہائی صرف اسی شرط پر منحصر ہو کہ تو میری درخواست کو منظور کرے۔

سلمونیہ میں تیری طاقت سے تیری حالت سے تیری اصلیت سے اچھی طرح واقف ہوں اور تجھکو جوتی کے برابر بھی نہیں سمجھتی تو کیا کر سکتا ہی۔

اتنا کہکر سلمونیہ نے خنجر نکالا اور وردان پر جھپٹی مگر فرق عورت اور مرد کا تھا وردان سنبھلا اور بچکر پیچھے آیا اور سلمونیہ کا ہاتھ پکڑ خنجر چھین کہنے لگا۔

میں تو پہلے ہی قتل ہو چکا ہوں مجھہ میں اب کیا رکھا ہی اور اگر اب بھی کچھہ ضرورت ہی تو یہ سر حاضر ہی شوق سے اڑا دے یہ دل جب تیرا ہو چکا تو یہ جان بھی تیری ہی۔

سلمونیہ اب اور زیادہ پریشان تھی گو اس کے پاس اب بھی ہتیار موجود تھے مگر دونو ہاتھ وردان نے ایک ہاتھ سے پکڑ رکھے تھے غصہ سے کانپ رہی تھی اور خاموشی کے ساتھ اس کی صورت دیکھہ رہی تھی کہ اس فقرے نے اور بھی آگ لگا دی "کیا ابھی دیر ہی کہ یہ شوخ آنکھیں غصہ کو رحم سے بدلیں"۔

سلمونیہ میں تیرے بس میں ضرور ہوں مگر تو بیوقوف ہی۔ میرا جسم میرے قبضہ میں ہی میرا دل تجھپر لعنت بھیج رہا ہی اور تیری مکروہ صورت جسپر پھٹکار برس رہی ہی اب بھی میرے واسطے قتل سے کم نہیں۔

اس فقرہ پر وردان تیز ہو گیا اور اسکو خیال آیا کہ میں جس سے زیادہ خوبصورت

جوان اس وقت شہر اور ملک میں نہیں۔ اگر مکروہ صورت ہی تو خوبصورت کون ہوگا
دانت پیسکر کہا۔
میری خواہش اس وقت تک یہ تھی کہ گھی سیدہی انگلیوں نکلے تو بہتر مگر تیری تقدیر
تجھکو تیرے اعمال کی سزا دیتی ہی یہ تو تو خاطر جمع رکھہ کہ تو اب میرے قبضہ میں آئی اور
کوئی طاقت تجھکو مجھسے جدا نہیں کر سکتی مگر تجھکو میں ایک مرتبہ اور سوچنے کا موقع دیتا ہوں
اگر اب بھی تیری ہٹ بدستور رہی تو فلورا کو مارکر اس دریا میں پھینکدیتا ہوں اور اس
گھوڑے پر بجائے فلورا کے تجھکو بٹھا کر اپنا راستہ لیتا ہوں۔ بتا کیا کہتی ہی۔
سلمونیہ تجھکو مجھہ سے اس قسم کے سوال کرنے کا کوئی حق نہیں ہی۔ مجھسے بات نہ کر
وردان مجھکو اگر حق نہیں ہی تو نہ سہی لیکن اس بدنصیب عورت کا جو تیری ما نہیں ما
سے بھی بہتر ہی جس نے تجھکو پال پوس کر جوان کیا اس کا بھی تجھپر حق نہیں ہی۔
سلمونیہ میں تیرے کسی سوال کا جواب دیتا تو کیا تجھہ سے بات کرنا تیری طرف آنکھ
اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتی۔
وردان نے طیش میں آکر سلمونیہ کے دونوں ہاتھ جھٹک کر چھوڑے اور جب تک و
تلوار نکالے اس نے رسی لا کر دونو ہاتھ باندہ ایک درخت میں جکڑ دیا مسکین کسی ہو ؟
فلورا کو زمین میں بٹھا دیا ننگی تلوار لیکر سر پر کھڑا ہوا اور سلمونیہ سے کہا۔
تیری آنکھیں میری مکروہ صورت نہ دیکھیں مگر اس مکار بڑہیا کو خون میں تڑ
دیکھیں گی۔ یہ کہکر وردان نے تلوار کھینچی سلمونیہ خاموش تھی اور دونو ماں بیٹیوں کی نگا
ایک دوسرے کے چہرہ پر تھیں کہ پیچھے سے یہ آواز کان میں آئی۔
"ٹہر او جفا کار"
جب تک وردان مڑ کر دیکھے ایک سوار سر پر موجود تھا گھوڑے سے اُتر کر سامنے آ
مگر ششدر و متحیر تھا کہ وردان نے تلوار کا وہی ہاتھ سوار پر پورا کیا اور کڑک کر کہ

کیا ملک میں کوئی ایسا بھی ہی جو وردان کی تلوار سے بچ سکے۔

سوار سنبھلا وار خالی دیا اور یہہ کہکر تلوار ماری کہ ملک میں نہ ہو مگر دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جو ظالم کی ہڈیاں چبا جائیں۔

وردان پیچھے ہٹا تلوار کاری نہ پڑی مگر خفیف زخم آیا۔ اور مجروح شیر کی طرح جھپٹا مگر سوار نے پیترا کاٹ کر ہاتھ پکڑ لیا اور دیر تک نرد ہوتا رہا تلوار بالاخر وردان کے ہاتھ سے گری اور اس وقت سوار نے کمر میں خنجر کا ایک ایسا زخم پہنچایا کہ وردان چیختا ہوا گر پڑا۔

سوار نے دونو کی مشکیں کہولیں اور ایک نظر سلمونیہ کے چہرہ پر ڈالی مگر جب یہ دیکھا کہ شہزادی اس نظر کے جواب میں منہ پہیر کر دریا پر چلی گئی تو کچھہ سوچا اور گھوڑے پر بیٹھکر نظروں سے غائب ہو گیا۔

(۱۵)

آدہی رات کے سنسان وقت میں جب خلق خدا میٹھے مزوں میں بیخبر ہی اور پردہ دنیا پر سناٹا چھا گیا ہی، پرند آشیانوں میں بچے ماں کی گود میں، امرا بچھونوں پر اور فقرا زمین پر نیم مردہ ہیں مدینہ منورہ کی اس چار دیواری میں جو بوسہ گاہ سلاطین ہی اور جو اپنے آغوش میں آمنہ کے لال کو لیے آج فردوس کو شرما رہی ہی ایک سر خدا کے حضور میں پڑا ہوا ہی۔ ڈاڑہی آنسوؤں سے تر ہی ہچکی بندہی ہوئی ہی اور یہ التجا کر رہا ہی۔

شہنشاہ حقیقی فتح شکست موت زیست سب تیرے ہاتھ میں ہی۔ مسلمانوں کا مختصر دستہ تیرے پیارے کا نام لیوا ہی مقابلہ سخت ہی اور معرکہ خونریز دشمن قوی اور ملک غیر تیرے سوا اس وقت کوئی یار و مددگار نہیں اپنی قدرت کا تماشہ دکہا اور اس نام کی لاج رکہہ جو مسلمان جیتے ہوئے دشمن تک پہنچے ہیں۔

یہ اس شخص کی التجا تہی جو خلیفۃ المسلمین تھا اور جو متواتر تین رات سے اسطرح

گڑگڑا کر اپنے مالک سے دعائیں مانگ رہا تھا رات سجدہ میں ختم ہوئی نماز فجر پڑھائی اور بڑی ہی خاموشی کے ساتھ آسمان پر نگاہ اور دل میں وہی التجا تھی کہ قاصد سامنے نمودار ہوا اور سلام علیک یا امیر المومنین کہکر خالد کا نامہ ہاتھ میں دیا اضطراب کے ہاتھوں سے کہولا اشتیاق کی آنکھوں سے پڑھا آنسو جاری ہوگئے باآواز بلند کہا الحمدللہ آج بصرے پر مسلمانوں کا جھنڈا لہرا رہا ہے سجدے میں گرے شکر ادا کیا اور یہ جواب لکھا۔

خالد ابن ولید سیف اللہ کو معلوم ہو کہ جو فتح خدا نے تمکو عطا فرمائی وہ تمہارے واسطے امتحان کا وقت ہے یہی ہیں وہ مواقع جن میں معبود حقیقی اپنے بندوں کو توحید کی کسوٹی پر کستا اور اُنکی آزمائش کرتا ہے۔ تمول۔ حکومت۔ اعزاز۔ فتح کامیابی یہ سب چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے حصول پر بندہ خدا کو فراموش کردے۔ تمول میں افلاس فتح میں شکست طاقت میں کمزوری کو بھول جانا مسلمانوں کا شیوہ نہیں جو ان کا دینے والا ہے وہی لینے کی بھی قدرت رکھتا ہے کون کہہ سکتا تھا کہ یہ مٹھی بھر مسلمان جن کے گھروں ہی میں جان کے دشمن بیٹھے ہیں ایک روز بصرے پر اپنا جھنڈا اُڑا دیں گے یہ خدا نے اپنی قدرت دکھائی اور اپنا وعدہ پورا کیا کہ قلت کثرت پر غالب آسکتی ہے ایسا نہ ہو کہ فاتح ہاتھوں سے مفتوح لاچاروں کو اذیت پہنچے اسلام پیش کرو مگر ہمیشہ یاد رکھو کہ لا اکراہ فی الدین جو قبول نہ کریں اُن سے جزیہ لو اور کہدو کہ وہ اب تیغ اسلام کی حفاظت میں ہیں شہدا کی تعداد قابل شکر یہ اور لائق اطمینان ہے خوش نصیب تھے یہ پاک نفوس کہ خدا کی راہ میں خدا کے پاس پہنچے اور ان کی روحیں ہادی برحق کے حضور میں حاضر ہیں خدا کی رحمت نازل ہو تمپر کہ اس کے کام کو انجام دیا اور مشرکوں میں توحید کا ڈنکا بجایا۔ رعیت کو امان دو عورتوں کو پناہ اور بڈھوں کو تسلی حالات کیسے ہی ہوں مگر نفسانیت نہ آنے پائے اور جس صداقت سے مہم کی ابتدا کی ہے اسی سے تکمیل کردو۔

اب دمشق کے سرسبز مقامات اور خوشگوار قطعات تمہارے سامنے ہیں یہ خدا کا ملک ہی اور دنیوی حکومت محض عارضی اور قطعی فانی خدا کی نعمتوں سے لطف اُٹھاؤ اور ان مسلمانوں کو جو تمہارے ساتھ عراق عرب میں دو دو دن کے پیاسے دشمن سے لڑے ہیں اجازت دو کہ اس انعام سے مالا مال ہو کر خدائے برحق کا شکریہ ادا کریں فراط بحیرۂ روم اور سونے کا دریا جس وقت تمہارے سامنے لہریں لے تو یاد رکھنا کہ ان میں سے ہر لہر اس طاقت کا نشان ہی جسکو کبھی زوال نہیں۔

ہرقل اس معرکہ میں جان لڑا دیگا اور تمہارے مقابلہ میں ایک ٹڈی دل لشکر جمع ہو گا مگر تمہارے دل اگر صداقت سے خالی نہیں تو یہ واقعہ ہی کہ فرشتے تمہاری مدد کو آئیں گے۔ اور فتح تمہارے قدموں کو بوسے دیگی پس آگے بڑھو اور خدا کا نام لیکر دمشق پر حملہ کرو نصرٌ من اللہ فتح قریب۔

(۱۵)

اس سنگین فوج اس سخت پہرے اور اس نازک وقت سے جو آنے والا ہی بچانیوالا یقیناً اب کوئی نہیں میں نے جو کچھ کیا وہ ہرگز ہرگز اس توقع پر نہیں کہ تم میرے احسانات کا شکریہ ادا کرو، رومی اگر اُن کا ایمان سچا ہی تو ان کو ایک روز اس کا جواب دینا پڑے گا کہ وہ ایک بیگناہ عورت پر اس قدر سخت الزام قائم کرتے ہیں اگر قدرت کسی انسان کے دل کا حال معلوم کر سکتی ہی تو وہ سب سے بہتر شاہد ہو گی کہ میں ہر الزام سے پاک اور ہر گناہ سے صاف ہوں میں نے تمپر کوئی احسان نہیں کیا ایک انسان کو جو کرنا چاہئے تھا وہ کیا اور ایک مرد جو توقعات عورت سے رکھتا تھا وہ پوری ہوئیں جمعہ کی صبح پرسوں ہی جب میں قتل کی جاؤں گی اور اب مجھے یقین کامل ہی کہ یہ حکم اٹل اور یہ تجویز قطعی ہی۔ وردان میری جان کا دشمن تھا اس نے اس بہانہ اپنا بدلہ لیا اور دل کی بھڑاس نکالی میں اس وقت کہ صبح صادق کا سہانا وقت ہی اور چڑیاں اس سورج کا استقبال کر رہی ہیں

جو چند گھنٹے بعد فنا ہوگا خلوص کے ساتھ تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ تمنے اپنی جان پر کھیل کر میری اور میری ماکی جان بچائی اور مجھے امید ہی کہ تم مجھے کبھی فراموش نہ کروگے میں بدنصیب تھی کہ میری کوئی آرزو پوری نہ ہوئی اب آفتاب طلوع ہو رہا ہی تم چلے جاؤ ایسا نہ ہو میری وجہ سے تمپر کوئی مصیبت نازل ہوجائے۔

یہ باتیں آفت ناک یہ ارشاد قیامت خیز اور یہ گفتگو جگر خراش ہی میری جان بچانیوالی قید سے چھٹانے والی اپنی جان پھنسانے والی سرنگ لگانے والی اے سلمونیہ رحم کر میری دنیا تجھسے میری زندگی تجھہ سے میں تجھسے میری جان تجھہ سے میرا ارمان تجھہ سے قتل کا حکم صحیح فتویٰ درست فیصلہ ٹھیک ہرقل کی طاقت بجا قیصر کی قوۃ معقول مگر شہزادی ان فیصلوں سے اور ان طاقتوں سے زیادہ ایک اور طاقت بھی ہی جس کا ادنی کرشمہ یہ دنیا ہی یہ میرے جانے کا وقت نہیں ہیں اس درخت کے پیچھے اس زمین کے اوپر بیٹھونگا اور دیکھوں گا ٹھرونگا اور گرفتار ہوں گا۔

دمشق کی اس پہاڑ کی چوٹی پر جس کے دامن میں ایک خوشنما چشمہ سلمونیہ کے انقلاب پر نالہ کر رہا ہی۔ شہزادی قید ہی صبح کا وقت ہی اور ہوا دو زندہ روحوں کی اس گفتگو کو خاموشی کے ساتھ سن رہی ہی دفعتہً توپ چلی اور محافظ فوج اپنے ہتیاروں سے آراستہ ہوکر سامنے آکھڑی ہوئی وردان خلعت خسروانہ زیب تن کیے داخل ہوا۔ اور سلمونیہ کے پاس جاکر کہا۔

تونے میری طاقت کا مزا چکھا اور قوۃ کا نتیجہ دیکھا مگر تجھکو میرے پاؤں میں گر پڑنا چاہیے یہ سنکر کہ اب بھی میں اپنے رحم و کرم سے تیرے قصور کی معافی پر تیار ہوں اگر تو التجا کرے تیرے قتل میں صرف ایک رات بیچ میں ہی اور پرسوں کی صبح تیری لاش خون میں نہلادے گی۔

سلمونیہ قتل ایک نعمت ہوگی جو مجھکو صلیب کا منظر دکھادے گی اور میری بیگناہ موت گنہ گار بہنوں کے جرائم کا کفارہ ہوگی کیا تو سمجھتا ہو کہ میں موت سے ڈرتی ہوں ہرگز نہیں میں نہایت خوشی سے اس وقت کے واسطے تیار ہوں جو آرہا ہی مگر تو خاطر جمع رکھہ کہ تجھہ جیسے کمینے اور ذلیل کی حسرت پوری نہوگی۔

وردان تو ابتک اپنی ضد کو نہیں چھوڑتی میں اب جاکر سب سے پہلے تیرے باپ اور ماکا سر جو دونو قید میں تیرے پاس بہیجتا ہوں تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ وردان کی ناخوشی دنیا میں کیا کر سکتی ہی۔

وردان کا یہ فقرہ ختم ہوا تھا کہ بندوق کی آواز کان میں آئی اور وردان کے برابر کا سپاہی فوراً گرا اور گرتے ہی مرگیا۔

چاروںطرف ڈہنڈیا پڑگئی کونہ کونہ اور چپہ چپہ چہان ڈالا مگر کسی شخص کا پتہ نہ چلا آفتاب نصف النہار پر تہا کہ درخت کا ٹہنہ ٹوٹ کر گرا اور اس کے ساتہ ہی ایک آدمی جو فوراً گرفتار کیا گیا۔

وردان اس کی صورت دیکھتے ہی اچہل پڑا اور کہا ایک حسرت پوری ہوئی ابھی قید کرو اور پرسوں سلمونیہ کے ساتھ ہی اس کا سر تن سے جدا کرو۔ اتنا کہکر وردان نے قیدی سے کہا۔

تو وہی شخص ہی کہ جس وقت میرا پاؤں پہسل گیا تھا مجھکو زخمی کیا مگر تو نے اسوقت میری طاقت دیکھہ لی اور اب تجھے معلوم ہوگیا کہ وردان کیا ہی۔ اور اس کی قدرت کتنی ہی۔

سلمونیہ دمشق کا بچہ بچہ اور شام کی چیونٹی چیونٹی تیری شجاعت کے گیت گارہی ہی تجھہ سے زیادہ شجاع کون ہوگا کہ گرفتاری کے بعد دشمن سے اپنی بہادری کی داد طلب کرتا ہی

وردان۔ تجھکو دخل دینے کی کیا ضرورت ہی خیر پرسوں صبح کو اسکا نتیجہ دیکھہ لیجو۔

(۱۷)

امیر المومنین کا خط خالد نے بصرے میں حرف بہ حرف تمام فوج کو سنایا اور آگے بڑہنے کا قصد کیا اس وقت شام قریب تھی اس لیے رات شام کے اشتیاق میں بسر ہوئی اور علی الصباح مسلمان کلمۂ توحید کے نعرے لگاتے دمشق کی طرف روانہ ہوئے بصرے کی شکست آناً فاناً ملک میں مشہور ہوگئی قیصر ہرقل یہ خبر سنکر سانپ کی طرح سر دہننے لگا اپنے مشہور جری طلب کیے اور اُن سے کہا کہ اگر یہ سیلاب روکا گیا تو وہ وقت بھی سر پر سمجھو کہ مسلمان قسطنطنیہ میں براج رہے ہوں گے یہ وقت سوچ بچار کا نہیں کام کا ہی جس طرح تمنے اپنے خون گرا کر یونانیوں کے دلوں پر شجاعت کا سکہ بٹہایا تھا اس سے زیادہ اس وقت ہمت کی ضرورت ہی میں اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ مسلمان باقاعدہ فوج نہیں رکھتے ایک لٹیرا گروہ ہی اور پیشہ ور قزاق اگر قصد کرو تو چٹکی بجاتے میں ان ناپاکوں سے اپنی زمین پاک کر سکتے ہو اور اگر اس وقت بھی ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہی تو سر پر ہاتھ رکھکر رونا اور غلاموں کی زندگی بسر کرنا۔

سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہی کہ کیلوشا اور وردان کی رنجش دور ہو گئی اور کیلوشا نے صرف وردان کی خاطر سلمونیہ کو قید کر دیا اور یہانتک کہدیا ہی کہ اگر وہ وردان سے شادی نہیں کرتی تو قتل کر دیجائے گی۔

اُٹھو بہادرو اور لٹیروں کو دکھا دو کہ ہم کتنی طاقت رکھتے ہیں چلو سب سے پہلے انطاکیہ میں مقام کرو اور دیکھو کہ دشمن کدہر ہی اور کیا کر رہا ہی۔

ادہر مسلمان آگے بڑہی تو شام کی زرخیز زمین اور شاداب قطعات دیکھکر خوشی سے اچھل پڑے۔ بھلا جن لوگوں نے ریگستان عرب کے تودوں میں جانیں لڑائی ہوں اُن کے واسطے یہ شادابی نعمت غیر مترقبہ تھی خدا کا شکر کرتے بڑہے چلے جا رہے تھے ادہر قیصر ہرقل نے انطاکیہ میں آکر قیام کیا تو چار و نطراف سے عورتوں کا ہجوم ہوا

اور فریادیں بلند ہوئیں ان میں زیادہ تر وہ تھیں جن کے شوہر بصرے میں کام آئے تھے انہوں نے اپنی چادریں قیصر کے قدموں میں ڈالدیں اور گریہ وزاری اس طرح کی کہ ہرقل نے قسم کھائی کہ جب تک وہ مدینہ منورہ تک نہ پہنچ جائیگا اطمینان سے نہ بیٹھے گا۔

ان عورتوں سے قیصر نے دریافت کیا کہ خالد کے پاس فوج کتنی ہی اور جب یہ معلوم ہوا کہ صرف پندرہ سو سوار تو نفرت سے منہ پھیر لیا اور کہا ہی برتے پر یہ شوں شاں تھی صرف ایک معمولی افسر خالد کا سر کاٹ لائیگا۔

پانچہزار فوج ہرقل نے دمشق روانہ کی اور حکم دیا کہ کیلوث فی الفور دشمنوں کو خاک میں ملاکر فتح کا انعام حاصل کرے اس کے ساتھ ہی ایک تجربہ کار افسر عزرائیل بھی مقابلہ کے واسطے منتخب ہوا مگر اتفاق یہ ہوا کہ باوجود اس افراتفری کے کہ دشمن سر پر موجود تھا کیلوث اور عزرائیل میں خانہ جنگی شروع ہوگئی کیلوث کی خواہش تھی کہ عزرائیل میرا ماتحت ہوکر کام کرے اور عزرائیل چاہتا تھا کہ کیلوث میری ماتحتی قبول کرے دونو کے دو فریق ہوگئے کچھہ فوج ادہر اور کچھہ ادہر۔

ادہر مسلمانوں کا لشکر نعرۂ تکبیر بلند کرتا اور حق حق کی صدائیں لگاتا سمندر کی طرح امنڈ رہا تھا حضرت خالد کے علاوہ ان فوج کے جو ان کے ساتھ تھی اس تمام فوج میں سے جس کی سپہ سالاری ابوعبیدہ کے ہاتھ میں تھی صرف دو ہزار فوج بصرے میں چھوڑ کر سب اپنے ساتھ لی اور اس طرح مسلمانوں کا یہ چالیس ہزار لشکر بعلبک کے قریب پہنچا اس جمعیت کو دیکھکر اور اس کثرت کو سنکر کیلوث اور عزرائیل دونوا اپنے جھگڑے بھول گئے اور جانوں کے لالے پڑے اور مشورہ یہ قرار پایا کہ یہاں مقابلہ ٹھیک نہیں ہماری جمعیت ناکافی ہی بہتر ہوگا کہ دمشق پہنچکر پوری تیاری کے ساتھ دشمن سے جنگ کریں رات کے وقت جب مسلمانوں کے لشکر سے پانچ کوس کا فاصلہ تھا

دونو رومی افسر سر پر پاؤں رکھکر بھاگے اور دمشق میں جا کردم لیا۔

رستے میں جو مشہور مقامات آرہے تھے وہاں مسلمان اپنا جھنڈا گاڑتے جاتے تھے اور رعیت کو پناہ میں لیکر آگے بڑہتے تھے عراقہ۔ سکتہ۔ قدمر یہ تمام زمینیں کلمہ اسلام سے گونج رہی تہیں اور مسلمان یہاں سے آگے بڑھ کر دمشق پہنچے۔

رومی مقابلہ کے واسطے باہر نکلے اور مسلمان بھی صف آرا ہوئے حضرت خالد سب سے آگے تھے اور ضرار بن الازور اُن کے پہلو میں ایک عمدہ عربی گھوڑے پر سوار مسلح شجاعت اُن کی آواز سے ٹپک رہی تھی مگر آج پہلا موقع تھا کہ وہ مسلمانوں کو اپنی بہادری دکہائیں خالد نے حکم دیا کہ پچیس سوار اپنے ساتھ لیکر جاؤ اور دشمن کی قوۃ معلوم کرو ضرار فوراً تیار ہوئے چلتے وقت خالد نے اُن کو نصیحت کی کہ حق میں سبقت اور دشمن کی بربادی میں کمی نہ کرنا اور یہ یقین کرنا کہ خدا کی مدد تمہارے ساتھ ہی۔

ضرار الااللہ کہکر بڑہے اور برچھا لیے دشمن کی صف میں گہس گئے۔ دو آدمی مقابل ہوئے اور دونو مارے گئے۔ رومی چاہتے تھے کہ اس بہادر کو گہیرے میں لیں اُنکے یہ تیور دیکھکر باقاعدہ پیچھے لوٹے اور اپنے لشکر میں آئے اور کہا کہ گو دشمن کی تعداد زیادہ نہیں مگر دلوں میں جوش موجود ہی تاہم خدا ہمارے ساتھ ہی اور فتح انشاءاللہ ہماری ہوگی۔

اب حضرت خالد میدان میں پہنچے اور کہا تم میں سے جس کو اپنی طاقت کا پورا اعتبار ہو وہ آئے اور تیغ اسلام کے جوہر دیکھے عزرائیل اور کیلوث دونو ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے بالآخر کیلوث نے عزرائیل سے کہا یہ وقت روپوشی کا نہیں ہی۔ تم سامنے جاؤ۔ عزرائیل نے جواب دیا کہ میں تم سے زیادہ بہادر نہیں ہوں اس کے ساتھ ہی فوج نے بھی کیلوث پر زور ڈالا تو مجبور وہ بد دلی سے میدان میں آیا مگر تہوڑی دیر ٹہر کر قصد کیا کہ بھاگ جائے اس کا یہ قصد خالد نے فوراً پہچان لیا اور

جلدی سے لشکر کے اندر گھس تلوار چلانی شروع کر دی کئی قتل اور بہت سے زخمی ہوئے
کیلوث پھر ادھر آیا اور چاہا کہ خالد پر ایک زبردست حملہ کرے لیکن خالد نے اس کا
یہ رنگ دیکھکر سمجھہ لیا کہ یہ حملہ مجبوری کا ہے لشکر کو چیرتے ہوئے باہر آئے اور بائیں ہاتھ
سے کیلوث کا نیزہ چھین دائیں ہاتھ سے اُس کی دونوں ٹانگیں پکڑ نیچے گھسیٹ لیا اس
وقت خالد کا گھوڑا ابھی زخمی ہو گیا تھا اس لیے وہ گھوڑا تبدیل کرنے کی غرض سے
اپنے لشکر میں آئے کیلوث اس فرصت کو غنیمت سمجھکر دم دباکر بھاگا اور پلٹ کر نہ دیکھا
خالد نے گھوڑا تبدیل کیا اور چلے اس وقت ضرار نے کہا کہ بھائی تھوڑی دیر تو دم لیلو
اس کے بعد چلے جانا خالد مسکرائے اور کہا وہاں جنت کی نہریں لہریں لے رہی ہیں
یہاں کیا رکھا ہے یہ کہکر گھوڑے کو ایڑ لگائی اور میدان میں آپہونچے۔

رومی خالد کی یہ کیفیت اور یہ استقلال دیکھکر بہت متحیر ہوئے اور سب سے زیادہ
عزرائیل کا خون خشک ہوا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اب اگر خالد نے شخصی لڑائی کا
اعلان کیا تو سب سے پہلے میرا ہی وار ہے چنانچہ یہی ہوا کہ خالد میدان میں آئے
اور للکار کر کہا کہ عزرائیل مقابلہ کے واسطے باہر نکل اب اس کے سوا چارہ ہی کیا
تھا کہ عزرائیل سامنے آئے۔ ہتیار درست کئے لباس ٹھیک اور باہر نکلا خالد نے
کہا کیا واقعی تمہارا نام عزرائیل ہے اس نے اقرار کیا تو کہنے لگے یقین کر کہ تیرا ہمنام
تیری روح قبض کرنے کو موجود ہے۔

عزرائیل نے اس کا کچھہ جواب نہ دیا اور تلوار سونت کر ایک ایسا ہاتھ سر پر دیا
کہ اگر خالد سنبھل نہ جاتے تو کام تمام ہو ہی گیا تھا۔ لڑائی دیر تک رہی مگر جب کوئی
نتیجہ نہ نکلا تو عزرائیل نے یہ چالاکی کی کہ گھوڑے کی باگ چھوڑ نڈھال ہو گیا اور ایسا
معلوم ہوتا تھا کہ بھاگا چاہتا ہے اس کے بعد دفعتہ جھپٹا اور تلوار ماری مگر خالد بھی
بچہ نہ تھے عزرائیل جیسے بیسوں قتل کر چکے تھے تلوار سپر پر لی اور گھوڑے سے اُتر

ایک ایسا برچھا گھوڑے کے دیا کہ عزرائیل گھوڑے سمیت نیچے آیا اس کا نیچے گرنا تھا کہ خالد نے اس کی مشکیں کس لیں اور گرفتار کر اپنے لشکر میں لے آئے۔

(۱۸)

سلمونیہ اگر تجھکو معلوم ہو جائے کہ ہمپر کیا گزر رہی ہے تو یقیناً دنیا تیری آنکھوں میں اندہیر ہو جائے میں سن رہا ہوں اور لوگ دیکھہ رہے ہیں کہ دشمن سر پر آفت ڈھا رہا ہے یہ کیلوث زخمی موجود ہے یہ تیرا باپ ہے اور دمشق کا حکمران کیا تو نہیں چاہتی کہ میں تیرے باپ کا بدلا دشمنوں سے لوں اور جن ہاتھوں نے اسکو زخمی کیا اُن کو مزہ چکھا دوں میں ایک بیکار ہستی ہوں اور صرف اس صورت نے مجھکو بیکار کر دیا اگر اس وقت ان نازک ہونٹوں سے میں اپنی قسمت کے موافق فیصلہ سُن لوں تو سلمونیہ تو اور کیلوث دونو دیکھہ لیں کہ میں اس میدان میں جو مسلمان کے نام سے کانپ رہا ہے کیا آفت برپا کر دیتا ہوں میں وہی تو ہوں جس نے یونان کے چھکے چھوڑا دیے اگر آج تو شادی پر رضامندی ظاہر کر دے تو شام سے پہلے خالد کا سر ان قدموں میں لا کر ڈالدوں قتل میں تھوڑی دیر باقی ہے رحم کر اپنے اوپر اپنی جوانی پر اپنے حُسن پر اپنے ملک پر اپنے باپ پر بڈہے باپ پر

سلمونیہ زخمی باپ پر۔

یہ سر جس پر ہمیشہ تاج شاہی جگمگایا آج خاک میں اٹ رہا ہے یہ ہاتھ جو ہمیشہ تلوار سے کھیلے اس وقت زخموں سے چکنا چور ہیں یہ جسم جس پر ہر وقت خلعت موجود رہی اب اس سے خون کے فوارے چھوٹ رہے ہیں پیاری بیٹی سلمونیہ یہ رحم کا وقت ہے مجھپر نہیں میرے بڑہاپے پر بڑہاپے پر نہیں دین عیسوی پر رحم کر کرم کر اور اس تشنہ دیدار جوان ورداں کی درخواست قبول کر تا کہ میرا ارمان پورا ہو اور خالد کا سر میں اپنی آنکھہ سے دیکھہ لوں میرے خون کے میرے گوشت کے میرے پوست کے اگر تجھپر کچھہ حقوق ہیں تو ان کو پورا کر اور مجھہ مردہ کو جلا لے۔

انسانیت کی موت حیوانیت کے جینے سے صداقت کا قتل کمینی زندگی سے بہتر باپ کا
خون آلودہ سر گود میں لوں گی سر آنکھوں پر رکھوں گی مگر یہ مشکل ہی کہ ایک ایسے شخص کو جو عاشق
بنکر ایسا موذی اتنا دغاباز اور اسقدر فریبی نکلا اپنے پہلو میں جگہ دوں چونکہ معاملہ ملک اور
قوم کا ہی اپنی حسرتیں مادر وطن پر اپنی خواہشیں ملت تثلیث پر قربان کرتی ہوں اور
کرتی ہوں وہ جو نہ کرتی اور کہتی ہوں جو کہنے کو جی نہیں چاہتا۔

وردان کیلوث اور سلمونیہ کے یہ الفاظ دمشق کے جیلخانہ کی درودیوار نے سنے
سلمونیہ کی گفتگو ختم ہوتے ہی وردان جھکا محبوبہ کے پاؤں کو بوسہ دیا اور اچھل پڑا اس
خوشی کے صلہ میں حکم دیا کہ دوسرا قیدی بھی رہا کردو اور تینوں قصر کیلوث میں پہنچے۔

شہر سے باہر قتل و خون کا بازار گرم تھا اور اندر رنگ رلیاں منارہی تھیں
وردان نے شام کے وقت کیلوث سے کہا۔ جہاں آپنے مجھپر اسقدر احسان اور اتنا
کرم کیا ہی کہ مجھکو موت کے منہ سے چھڑا کر دوبارہ جان دی وہاں اتنی درخواست اور
قبول کیجئے کہ شادی اپنے ہاتھ سے انجام دیدیجئے تاکہ میں ہنسی خوشی میدان جنگ
میں جاؤں اور اس گروہ سے سرزمین دمشق کو پاک کردوں۔

کیلوث میں اس معاملہ میں بغیر ہرقل کے مشورہ کے کوئی رائے قائم نہیں کرسکتا
اس وقت جو مصیبت شہر پر نازل ہورہی ہی وہ پوشیدہ نہیں اور ایسے موقعہ پر کہ
رعیت اس وبال میں گرفتار ہو ہمارا یہ جشن شان شاہی نہیں۔

وردان مجھے بھی اس رائے سے اتفاق ہی مگر جس جرات کی ان ظالموں کے سامنے
ضرورت ہی وہ اس شادی سے دگنی ہوجائے گی اور میں بلا خوف وخطر دشمن کو پامال
کردونگا کسی قسم کے جشن وغیرہ کی ضرورت نہیں صرف گرجا میں چلکر نکاح پڑھوا دیا جائے
کیلوث میں اس معاملہ میں فلورا کی رائے بھی معلوم کرلوں کیونکہ سلمونیہ کی زندگی
کا سب سے بڑا تعلق اسی کی ذات سے ہی۔

وردان ضرور ضرور میں خود ہی عرض کرنیوالا تھا۔
گیلوث میں چل پھر نہیں سکتا تم تھوڑی دیر کے واسطے پائیں باغ میں چلے جاؤ۔
وردان چلا گیا تو گیلوث نے فلورا اور سلونیہ کو بلا کر کہا۔

اس میں کلام نہیں کہ جو مصیبت ہم پر اور ہمیر کیا ملک پر نازل ہوئی ہے اسکو وردان اپنی طاقت سے رفع کر سکتا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ نکاح آج ہی ہو جائے تاکہ وہ اپنی مردانگی کے جوہر اس خوشی کے جوش میں پوری طرح دکھا سکے۔

سلونیہ کی آنکھیں نیچی تھیں فلورا نے کہا شادی اس موقع پر شادی کیا مصیبت ہے اور میرا دل گوارا نہیں کرتا کہ چوٹوں کی طرح چپ چپاتے شادی جا بیٹھوں
گیلوث جشن اور خوشی کا تمکو ہر وقت اختیار ہے جب اطمینان ہو منا لینا مگر اسوقت اول تو وردان کا اصرار یہ ہی ہے اس کے علاوہ میری خواہش بھی۔ کیونکہ میری حالت درست نہیں اور میں چاہتا ہوں کہ میرے سامنے یہ کام انجام پا جائے۔
فلورا اگر تمہاری یہ ہی خوشی ہے تو اچھی بات ہے۔

(۱۹)

کلیسائے دمشق پھولوں سے پٹی ہے جھاڑ فانوسوں کی روشنی سے در و دیوار جگمگا اٹھے مسلح فوج دو رویہ کھڑی ہے ایرانی و کاشانی مخمل کے فرش دیبا کے پردے چاندی سونے کی تصویریں گرجا کی رونق کو اور دوبالا کر رہی ہیں آس پاس کا جنگل پھولوں سے مہک رہا ہے گیلوث آرام کرسی پر بیٹھا ہے اور اس کے برابر فلورا زرق برق پوشاک میں مسکرا رہی ہے باجہ کی آواز نے دلہن کی آمد کا غلغلہ بلند کیا فوج نے سلامی دی اور ایک شاہی گھوڑے سے شہزادی سلونیہ اتر کر نیچے آئی مرصع تاج سر پر جگمگا رہا تھا لعل و یاقوت کے آویزے سرگوشیاں کر رہے تھے موتیوں کی مالا اشتیاق نظروں کی رہبری کر رہی تھی پوشاک سبنتی تھی اور زلف سیاہ سمٹ کر پھولوں کا گچھا بن گئی تھی

ایک مجسم حسن تھا جو ہر عضو سے ٹپکا پڑتا تھا پھولوں نے اس کے قدم آنکھوں سے لگائے ہوانے اُس کی خوشبو دور دور پہنچائی فلورا اُٹھکر باہر آئی بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر اندر لائی۔ خوش نصیب تھے کلیسا کے در و دیوار دمشق کے پھول اور شام کے جھاڑ فانوس کہ اُنکی آنکھوں نے اس صورت کو دیکھا جو شام کے واسطے نہیں دنیائے تثلیث کے واسطے مائہ ناز تھی باجے کی آواز پھر آئی فوج نے دوبارہ سلامی دی اور راہب دولہا کو لیے اندر داخل ہوا شادمانی کے نعرے آسمان تک پہنچے نکاح پڑہایا گیا اور دونو دولہا دلہن ہاتھ میں ہاتھ دیے باہر آئے چارو نطرف سے مبارک سلامت کی صدائیں آنے لگیں۔

کیلوث اور فلورا اپنی گاڑی میں سوار ہوکر روانہ ہوئے اُن کے پیچھے دو گھوڑوں پر سلمونیہ اور وردان۔ رات آدہی سے زیادہ گذر چکی تھی قصر کیلوث میں داخلہ کے وقت ایک شخص کی جو خود بھی گھوڑے پر سوار تھا نظریں سلمونیہ پر پڑیں دونو ساکت تھے وردان نے کڑک کر پوچھا کون مگر کچھہ جواب نہ ملا اور سوار گھوڑا اڑا آگے بڑہا اور تھوڑی دیر میں نظروں سے غائب ہوگیا۔

وردان۔ کیلوث۔ فلورا۔ تینوں متحیر تھے مگر کوئی رائے قائم نہوتی تھی کہ عیسائی قاصد نے آکر اطلاع دی کہ مسلمان شہر پناہ کے دروازہ تک پہنچ گئے اور کوئی دم میں اندر داخل ہوا چاہتے ہیں۔ اس خبر نے کیلوث کے ہوش اُڑا دیے وردان دنیا و مافیہا کو بھولکر سلمونیہ کی صورت پر قربان ہورہا تھا کہ کیلوث نے آن کر کہا اب کہ دشمن کی کامیابی میں کچھہ باقی نرہا اس سے زیادہ نازک وقت اس سے بڑھ کر مصیبت کی گھڑی ہمارے واسطے کونسی ہوگی یہ وہ آکر پڑی ہر جو عزت کو ذلت سے اور حکومت کو آفت سے بدلے گی جو وعدہ کیا تھا وہ پورا اور جو زبان سے نکالا تھا اسے سچا کر دکھاؤ اور کسی طرح اس وبال سے ملک کو بچاؤ۔

وردان۔ اب تو رات ہوگئی جہاں اب تک صبر کیا ہی صبح تک اور کیجئے اور یقین کیجئے کہ صبح نہو گی اور خالد کا سر آپ کے قدموں میں ہوگا۔

کیلوشٹ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور اس نے چیخ کر کہا یہ کہلا ہوا دہوکا اور ظاہر فریب ہی۔ صبح تک تو مسلمان دمشق کو کبھی کا پامال کر چکے ہوں گے کیا تو یہ چاہتا ہی کہ رعیت پر یہ کچھہ مصیبت نازل ہو جائے اور ہم مزے سے پاؤں پھیلا کر سوئیں خیر میں خود میدان جنگ میں جاتا ہوں اور کرتا ہوں جو کر سکتا ہوں۔

وردان۔ آپ خاطر جمع رکھئے۔ صبح سے پہلے میدان میں پہنچ جاؤنگا۔

باپ کے سوار ہوتے ہی سلمونیہ نے اپنا گہوڑا طلب کیا ہتیار لگائے تو وردان نے کہا کیا میں اسکو جائز رکہوں گا کہ میری موجودگی میں تم دشمن کا مقابلہ کرو کیا تم کو اس کا یقین نہیں ہی کہ صبح سے قبل یہ قدم خالد کے سر کو ٹھکرا چکے ہونگے۔

سلمونیہ۔ مجھے آپ کی ہر بات کا یقین ہی لیکن زخمی باپ کو میدان جنگ میں تنہا بھیجدینا طبیعت گوارا نہیں کرتی۔

وردان نے پہلے حقوق شوہری سے کام لیا مگر جب وہ بے سود نکلا تو شجاعت پر جہکا وہ بھی بے سود رہی تو محبت کو بیچ میں لایا یہ بھی ہیچ ہوئی تو خوشامد کا واسطہ تھا مگر کیلوشٹ کے ساتھ پانسو سواروں کا دستہ موجود تھا وردان کہڑا دیکھتا رہا اور کیلوشٹ و سلمونیہ روانہ ہوگئے۔

کیلوشٹ میدان جنگ میں تھا اور سلمونیہ میدان دمشق میں یونانیوں کے مشہور قلعہ کی پوشیدہ دیواریں ٹوٹی فصیل اور محلات شاہی جو اب کہنڈر تھے انقلاب زمانہ اور مدت سلطنت کا پتہ دے رہے تھے معشوقۂ شب سطح دنیا پر خراماں اپنا سفر طے کر رہی تھی اور مہ جبین سلمونیہ سطح زمین پر آہستہ آہستہ ٹہل ٹہل کر اپنے خیالات میں منہمک تھی۔ رات کے حصہ اول کا واقعہ جو نکاح کی صورت میں ظاہر ہوا اس کے کلیجے

پر برچھیاں اس کے سینے پر پتھر اور اس کے دل پر نشتر کا کام کر رہا تھا کبھی وہ سوچتی تھی میں نے عقلمندی کی زخمی باپ کو قتل سے غمگین ماں کو اذیت سے بدنصیب عبت کو غارت سے بچایا اور وہ بلا جو وردان کی صورت میں پوشیدہ اس کی چالوں میں مضمر اسکے فریبوں میں پنہاں تھی دمشق پر نہ آنے دی میں نے یقیناً اچھا کیا خوب کیا بہت خوب کیا کبھی اس کو خیال آتا تھا اب میری ہستی اس قابل اور میرا چہرہ اس لائق نہیں کہ میں دنیائے محبت میں شریک ہو سکوں مجھے اب حق نہیں کہ کسی انسان کو جس کے پہلو میں دل ہو جس کے دل میں محبت ہو جس کی محبت میں صداقت ہو اپنی صورت دکھا سکوں اُس نے آہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ میں دلہن بنی زیور میں لدی پھولوں میں بسی ایک جفاکار نا ہنجار ایک ظالم عیار کے ساتھ جا رہی ہوں اس نے اپنے کانوں سے سن لیا کہ میں ایک نہیں مکار ایک جھوٹے بدکردار کے اظہار محبت پر عنایت سے جواب دے رہی ہوں زندگی کا ماحصل عمر کا انجام حسن کا نتیجہ اتنا متاذی اور جگر خراش توبہ توبہ!

وہ صورت مجھے نظر آتی وہ آنکھ مجھے دکھائی دیتی وہ قدم میرے سامنے ہوتے پاؤں میں گرتی منت کرتی کتھا سناتی اصلیت کہتی اور بتاتی کہ محبت نہیں مصلحت اور نکاح نہیں ضرورت تھی معاف کر بیگناہ ہوں بخشدے بیقصور ہوں مگر ہائے وہ کہاں۔

دیوانگی کا جوش تھا آپ ہی آپ، چاروں طرف چیختی پھرتی تھی کہاں ہو کدھر ڈھونڈھوں میں نفرت کے قابل ضرور ہوں مجھ سے بات نہ کر میں وحشت کے لائق قطعی ہوں میری صورت نہ دیکھ مگر خاموش زبان سے نیچی آنکھ سے ایک دفعہ میری معذرت سُن لے مگر کیوں آئیگا کس لیے سنے گا۔

آسمان پر چاند نظر آیا لیکن او وہاں جا پہنچا آ میری گود میں آ میرے پاس آ سُن

میں کیا کہہ رہی ہوں نیچے آ نہیں یہ خنجر بھونکتی ہوں اپنے کلیجے میں اپنے پیٹ میں نہیں نہ سہی۔

سامنے دریا دیکھا پاس گئی یہاں چمک ہائے مجھسے بیزار ہی بیگناہ ہوں لے یہ خنجر لے اپنے ہاتھ سے سزا دے قتل کر اور اپنے سامنے زمین میں دبا دے

دریا زور شور سے بہ رہا اور قمر چہار دہم کی سلطنت کا ڈنکا سطح آب پر بج رہا تھا۔ سلمونیہ کچھ دیر خاموش کھڑی رہی اس کی پشت پر ایک شخص کھڑا یہ کارروائی دیکھ رہا اور یہ باتیں سن رہا تھا کہ دفعتہً شہزادی نے ایک چیخ ماری اور یہ کہتی ہوئی دریا میں گری۔

"لے میرا سر تیرے قدموں میں ہے"

(۲۰)

دمشق والوں کے دل مسلمانوں کے خوف سے ہوا ہو رہے ہیں دونوں طرف کی فوجیں میدان جنگ میں موجود ہیں اور جانیں لڑا رہی ہیں دوسرے روز صبح کے وقت خالد نے اپنی فوج سے کہا تمکو معلوم ہے یہ وہ مقام ہے جس کی خاک نے سرور عالم کے پائے مبارک کو بوسہ دیا نسطورا راہب نے اسی جگہ مہر نبوت چومی کیا تم اس خاک کو آنکھوں سے نہ لگاؤ گے بڑھو اور سمجھ لو کہ جب تک اس خاک تک نہ پہنچو زندگی خاک ہے۔

بے سری فوج کٹی گو کیلوث میدان میں موجود تھا مگر زخمی تھا اور پوری طرح کام کر سکنے سے مجبور مسلمانوں کے اس حملہ نے دل توڑ دیے اور رومی بھاگ کر شہر میں گھسے اور دروازہ بند کر لیا۔

اس وقت خالد نے بیس ہزار لشکر ساتھ لیکر دمشق کے مشرقی حصّہ کا محاصرہ کیا اور بیس ہزار فوج دیکر ابو عبیدہ سے کہا کہ تم مغربی حصّہ پر جاؤ یہ محاصرہ کئی روز تک رہا شہر والوں نے پیام بھیجا کہ اگر مسلمان اپنا محاصرہ اُٹھالیں تو دس ہزار اشرفیاں

حاضر کر سکتے ہیں خالد کے پاس جب پیام پہنچا تو وہ مسکرائے اور کہا ہم دولت کے بھوکے نہیں ہیں اسلام قبول کرو تمہارا ملک تمکو مبارک ورنہ جزیہ دو اس کے سوا جو خدا دے تمکو نصیب۔

مسلمانوں کا لشکر شہر کا محاصرہ کیے پڑا تھا اور قلعہ کے دروازے کسی طرح نہ کھلتے تھے کہ اندر سے گانے بجانے کی آواز اور خوشی کے نعرے بلند ہونے اور معلوم ہوا کہ دوسرے راستہ سے ایک جرار لشکر رومیوں کی مدد کو آ پہنچا اور یہ ہوا اس طرح کہ رات کے وقت ایک روز ایک شخص فصیل سے نیچے آن پڑا اور جان پر کھیل کر مسلمانوں میں سے ہوتا ہوا قیصر کی خدمت میں پہنچا اور شکست کی پوری کیفیت سنائی قیصر یہ سنتے ہی آگ بگولا ہو گیا اور حکم دیا کہ ایک لاکھ لشکر فوراً روانہ ہو اور مسلمانوں کو دمشق سے باہر نکال کر اس وقت تک اُن کا پیچھا نہ چھوڑے جب تک وہ دین عیسوی قبول نہ کریں اس فوج کی سپہ سالاری وردان کے سپرد ہوئی اور فوج جوش میں بھری موقع پر آ پہنچی۔

ساتھ ہی یہ پتہ بھی لگا کہ فوج بہ مشکل تمام شہر میں پہنچی ہے اور باقی باہر باہر آ رہی ہے اس وقت ابوعبیدہ نے یہ تجویز پیش کی کہ مسلمانوں کی ایک جمعیت آگے بڑھ کر رومیوں کا مقابلہ کرے یہ تجویز پسند کی گئی اور اس کام کے واسطے ضرار منتخب کئے گئے جو دو ہزار فوج کے ساتھ آگے بڑھے اور لشکر کے سامنے آ ٹھیرے۔

دن کے دس بجے ہوں گے کہ میدان کارزار گرم ہوا مسلمان تعداد میں جس قدر کم تھے جوش میں اسی قدر زیادہ شام تک نہایت خوں ریز لڑائی جاری رہی آفتاب غروب نہ ہوا تھا کہ ضرار نے قسم کھا کر باواز بلند کہا کہ دشمن کے وسط... پر حملہ کرتا ہوں اور جب تک کشتوں کے پشتے نہ لگا دونگا قدم پیچھے نہ ہٹاؤں گا یہ کہکر اس جگہ پر ٹوٹ پڑے جہاں صلیب کا نشان لہرا رہا تھا چند منتخب بہادر ضرار کے ساتھ تھے

جن میں رفیع ابن عمیرہ بھی شامل تھے رومیوں نے نشان پر جانیں لڑادیں مگر مسلمانوں نے اس زور سے حملہ کیا تھا کہ رومی نشان کو نہ روک سکے اور عین معرکہ میں ضرار نے اس شخص کے دو ٹکڑے کردیے جس کے ہاتھ میں نشان تھا اور صلیب لیکر اپنے لشکر کی طرف چلے مگر اس کامیابی میں ضرار زخمی ہوئے اور ایک افسر کا وار پورے زور سے اُن پر ہوا مگر حالت زخم میں بھی انہوں نے اس شخص سے بچکر نیزہ مارا وقت کی بات تھی کہ نیزہ کی انی ٹوٹ گئی اور ایک گروہ اُن پر ٹوٹ پڑا اور گرفتار کرلیا مسلمانوں کا لشکر ضرار کی گرفتاری دیکھکر حواس باختہ ہوگیا اور دشمن پر حملہ کیا مگر تعداد کم تھی۔ رومیوں کے آگے پیش نہ چلی اور ضرار کو دشمن لے بھاگے یہ ایسا وقت تھا کہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ جاتے لیکن رفیع نے یہ رنگ دیکھکر للکارا اور کہا یہ مانا کہ ضرار گرفتار ہوگیا مگر تم ضرار کے واسطے نہیں لڑ رہے تھے اگر بھاگتے ہو تو یاد رکھو کہ خدا اور اس کے رسول کے آگے سے بھاگ رہے ہو۔ اس آواز نے گرتی ہوئی دیوار کو اڑوا اڑ لگادی ادہر رفیع نے ایک قاصد خالد کے پاس دوڑا دیا اور خود رومیوں پر دوبارہ حملہ کیا مگر یہ حملہ بھی ناکام رہا اور مسلمان بری طرح سے شکست کھاکر پیچھے ہٹ رہے تھے کہ خالد کا لشکر آپہنچا اور یہ آواز اُن کے کانوں میں آئی کیا کرتے ہو سامنے دیکھو فتح تمہارے قدموں میں لوٹ رہی ہے مسلمان رُکے اور حضرت خالد نے اللہ اللہ کہکر ایسا حملہ کیا کہ رومیوں کو پیچھے ہٹنا پڑا مگر جس طرف ضرار کی تلاش میں خالد جاتے ناکام آتے۔ اسی وقت خبر لگی کہ ضرار حمص بھیجدیے گئے یہ سنتے ہی خالد خود تو ادہر متوجہ رہے اور دشمن کو بھی مصروف رکھا اور رفیع کو سو سوار دیکر حمص روانہ کیا ضرار اور اُنکے محافظ رستہ ہی میں تھے کہ رفیع نے جالیا اور لڑائی شروع ہوگئی رومیوں نے ہرچند بہادری کی اور شجاعت دکھائی مگر رفیع کا جوش بڑھا ہوا تھا محافظ بھاگ گئے اور ضرار کو لیکر رفیع لشکر اسلام میں واپس آئے یہ خبر سنکر خالد کا جوش اور بھی ترقی

کر گیا شام ہو چکی تھی اور رومی جنگ ختم کرنی چاہتے تھے مگر خالد نے بدستور جاری رکھی اور ایک آخری حملہ اس دلیری سے کیا کہ وردان نہ ٹھہر سکا اور زخمیوں کے علاوہ جو فوج بچی تھی اس کو لیکر بھاگا۔

اس لڑائی میں صرف پچیس ہزار مسلمانوں نے ایک لاکھ رومیوں کو شکست دی بیشمار خزانہ گھوڑے ہتیار اور دولت مسلمانوں کے ہاتھ آئی اس فتح کی خبر اور مال غنیمت کا حصہ امیرالمومنین کی خدمت میں بھیجکر خالد پھر دمشق کے محاصرہ میں آشریک ہوئے۔

(۲۱)

برسات کا موسم ہو دریائے فراط کی لہریں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں ہوا پانی کو جھکولے دے دیکر اُڑا اور گرا رہی ہو اور اس قیامت خیز منظر میں کہ کسی طرف پانی کے سوا کوئی دوسری چیز نظر نہیں آتی ایک شخص اپنی کشتی بہاؤ پر لیے جا رہا ہے۔ شہزادی سلمونیہ اُس کے پاس بیٹھی ہو نگاہیں اور زبانیں دونو کی خاموش ہیں مگر دل کچھ کہہ رہے ہیں اور حالتیں کچھ بتا رہی ہیں ملاح کے تبسم نے نگاہ کی خاموشی کا سلسلہ توڑا مگر اس تبسم کا جواب مہ جبیں کا چیں بجبیں تھا اس پر ایک افسردگی طاری ہوئی اور اس نے کہا یہ انتہائے مصیبت ہو کہ میں نے تمکو موت کے منہ میں ڈالدیا۔ دریا سے نجات بھنور سے رہائی موجوں سے پناہ معلوم جس شخص کو دنیا میں بہت سے کام کرنے تھے جس زندگی کو بہت سی گتھیاں سلجھانی اور بہت سے مرحلے طے کرنے تھے وہ میری وجہ سے برباد ہوتی ہو وحشت کا زور تھا دیوانگی کا شور تھا عقل سے دور تھی قیاس سے الگ تھی کود پڑی تمکو کیا ضرورت تھی کہ اوسان کھوکر عقل ڈبوکر میرے پیچھے کود پڑے یہ بھی اتفاق تھا اور وقت کی بات کہ رات کے اندھیرے میں یہ کشتی ہمکو میسر آگئی اور ہمکو بچا لیا مگر اب جو ہونا ہو وہ ظاہر اور جو پیش آنی وہ روشن اب ایک آخری خوشی جو یہ دنیا جو یہ زندگی جو یہ دریا مجھے دے سکتا ہو وہ صرف یہ کہ میں اس دنیا کو رخصت

اور زندگی کو اس طرح وداع کروں کہ تم کو زندہ چھوڑ دوں اور وہ وقت نہ دیکھوں کہ یہ کشتی ڈوب کر مجھکو اور تم کو دونو کو ایک ساتھ پانی کی تہ میں پہنچا دے۔

اتنا کہکر سلمونیہ پانی میں ڈوبنے کا قصد کر رہی تھی اور چاہتی تھی کہ کود پڑے کہ ملاح نے اس کو پکڑ لیا اور کہا۔ جس طاقت نے اس وقت تک کے واقعات میں اندھیرے میں اور اُجالے میں دن میں اور رات میں اپنا کام انجام دیا موت سے بچایا مصیبت سے چھٹایا وہی اس وقت بھی اپنے تماشے دکھائے گی کوشش اپنی اور بھروسا اس کا ہمت ہمارے ساتھ اور تکمیل اس کے ہاتھ۔ شہزادی دریا میں کودنا غلطی نہیں میرا فرض تھا محبت کا جو رنگ عنایت کا جو نقشہ اور کرم کا جو نمونہ اس چاند سے چہرے نے ان پھول سے ہاتھوں نے دکھایا وہ دنیائے محبت میں بے مثیل ہے سلمونیہ کیسی محبت غلط فہمی ہوئی میں نے جو کچھہ کیا وہ انسانیت کو ملحوظ رکھکر مجھے اور محبت سے واسطہ اور محبت بھی کس سے تم سے۔

ملاح غلط فہمی نہیں غلطی خطا قصور شہزادی ناخوش نہو۔

دن کا وقت تھا اور دونو ایک دوسرے کی دور سے صورت دیکھہ دیکھکر باغ باغ ہو رہے تھے کہ آسمان پر ابر سیاہ اور پانی پر ہوائے سرد نمودار ہوئی اور آناً فاناً گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔ بارش شروع ہوئی اور اس غضب ناک طوفان نے کشتی کو تھپیڑے دے دیکر کہیں سے کہیں پہنچا دیا ملاح نے کھینا چھوڑ دیا اور سلمونیہ کا ہاتھ پکڑ ایک کونہ میں بیٹھ گیا بارش اور ہوا لحظہ بہ لحظہ تیز ہو رہے تھے آسمان اور زمین دونو کا پانی شہزادی کے جسم کو بوسے دے دیکر جا رہا تھا ہوا کا فراٹا بدستور تھا کنار دریا کے تناور درخت جڑ سے اکھڑ گئے مگر شہزادی کی کشتی ڈوبتی ڈابتی کنارے تک پہنچی۔ ہوا کم اور بارش تھم چکی تھی ملاح سلمونیہ کو لیکر اترا چاروں طرف دونو نے نظریں دوڑائیں مگر جنگل بیابان تھا شام سر پر آئی اور دونو جدھر منہ اُٹھا چل کھڑے ہوئے

آفتاب پردۂ زمین کے لاتعداد مناظر دیکھکر غروب ہوا اور ہوتا ہی مگر جو منظر آج دمشق کی سرزمین پر یہ آفتاب دیکھکر غروب ہوگا ہکا جوٹ نیائے انسان نہ دیکھے گی اور نہ دیکھ سکے گی۔ صبح صادق کا وقت نماز پڑھ سلام پھیر خالد ابن ولید نے مسلمانوں سے کہا

دمشق کا محاصرہ ایک مہینے زیادہ ہوگیا تمنے جو شجاعت اور صداقت اس معرکہ میں دکہائی وہ بے نظیر ہی مگر اب ایک اشد ضرورت ہی اور جب تک ایک قربانی نہ چڑہا دیجائے مسلمان اس معرکہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے شہر پناہ کی یہ خندق اس قدر گہری ہی کہ اس میں پہنچ کر واپس آنا آسان نہیں اور ضرورت ہی کہ شہر پناہ کی یہ کہڑکی جو خندق میں ہی توڑدی جائے اگر پہنچنے والا انسان کو دکر زندہ نہ رہ سکے تو مسلمانوں کو دکہانا پڑے گا کہ کس طرح ہم حق کی حمایت میں اپنی جانیں قربان کرتے ہیں لاشوں کے ڈہیر لگا دو اور ان فانی جسموں کو ان مسلمانوں کا رستہ بناؤ جو دمشق میں داخل ہوکر اذان کی آواز بلند کریں۔

ہمارے کان آج ادنٰے ادنٰے باتوں پر داد شجاعت دے رہے ہیں ہماری گردنیں معمولی کارناموں پر جہوم جاتی ہیں ہماری زبانیں سرسری جرات پر واہ واہ کہہ اٹہتی ہیں مگر ذرا وہ وقت بھی آنکہہ کے سامنے رکہو کہ سپہ سالار فوج اسلامیہ کی تقریر ختم نہوئی اور یونس ابن سلیمان نے بسم اللہ کہکر اپنا گہوڑا اڑایا اور آناً فاناً سوار اور سواری خندق میں تہے گہوڑا بیہوش ہوکر گرا اور سوار نے جاکر کہڑکی دیکہی مگر آہنی کواڑ مقفل تہے کمندیں ڈالدی گئیں اور مسلمانوں کی فوج اس طرح خندق میں داخل ہوئی لیکن افسوس یہ محنت کارگر نہوئی اور معلوم ہوا کہ کہڑکی کا راستہ شہر میں نہیں اندر ہی اندر ایک تہ خانہ ہی۔

اس وقت موقع پاکر رومیوں نے دروازہ کہولا اور مقابلہ کے واسطے باہر آئے

خالد یہ رنگ دیکھکر پھر خندق سے باہر نکلے اور معرکہ شروع ہوا لیکن خالد کی صورت دیکھتے ہی رومی پھر دبک رہ گئے اور دروازہ بند کر لیا۔

دم دم کی خبریں قیصر ہرقل تک پہنچ رہی تھیں شکست کی خبر نے اس کو بے اوسان کر دیا اور اس نے ستر ہزار لشکر منتخب کیا اس میں ایسے ایسے جری موجود تھے جن کی شجاعت کا لوہا تمام ملک میں مشہور تھا اور جنہوں نے قسمیں کھائیں کہ میدان سے صرف موت قدم پیچھے ہٹا سکتی ہے یہ تمام لشکر اجنادین کی طرف سے دمشق کی گلوخلاصی کو روانہ ہوا اس انتظام کی خبر خالد کو بھی پہنچی اور انہوں نے سب کو جمع کر مشورہ کیا کہ مقابلہ سخت فوج کثیر اور معاملہ ٹیڑھا ہے رائے یہ ہوئی کہ دمشق کا محاصرہ ختم کرنا چاہیے اور آگے بڑھ کر اجنادین میں اس بلا کا مقابلہ مناسب ہوگا۔ اور اس سبقت سے ہیبت طاری ہوگی رائے مناسب تھی مگر اب جو خالد نے اپنی فوج پر نظر ڈالی تو تعداد میں بہت کم تھی اس لیے اس قلیل جماعت سے آگے بڑھنا موت کے منہ میں جانا تھا اور منہ پھیرنا بزدلی اور نامردی تھی اس وقت کی مصلحت یہی تھی اور یہ کیا گیا کہ تمام ماتحت افسروں کے نام یہ پیام روانہ کر دیئے۔

ہم مسلمان ایک کثیر لشکر کے مقابلہ کو اجنادین روانہ ہوتے ہیں یہ ستر ہزار یونانی اور رومی فوج ہے۔ تم لوگ جس قدر جلد ممکن ہو ہماری مدد کو آؤ اور جو نہ آسکے وہ ہمارے واسطے دعائے فتح کرے۔

یہ خط روانہ کیے اور سب سے پہلے حضرت خالد نے اپنا خیمہ دمشق کے پاس سے اُکھاڑا اور ابو عبیدہ سے کہا کہ اب آپ آگے چلئے کیونکہ سپہ سالار آپ ہیں لیکن انہوں نے عذر کیا اور کہا آپ کی موجودگی میں یہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ خالد آگے بڑھے اور ابو عبیدہ اسباب اور عورتوں کے ساتھ پیچھے رہے۔

دمشق والے بہ ظاہر اطمینان سے دروازے بند کیے خاموش تھے مگر درحقیقت

وہ ایک ایک حرکت پر مسلمانوں کی نگاہ لگائے ہوئے تھے۔ اس لشکر کا آگے بڑھنا تھا کہ پیٹر اور پال دونو بھائی دس ہزار سوار اور چھ ہزار پیدل لیکر باہر نکلے مسلمان اطمینان سے بھاگم بھاگ چلے جا رہے تھے کہ پیٹر پچھلے حصہ پر دس ہزار فوج لیکر گرا اور جب تک مسلمان مقابلہ کا رخ کریں پال اپنی پیدل فوج سے اندر گھس گیا خونریز لڑائی ہوئی مگر اسلامی فوج کا یہ حصہ کمزور تھا عورتیں قید ہوئیں اسباب لوٹا گیا آدمی شہید ہوئے اور دونو بھائی مال غنیمت اور عورتوں کو لیکر دمشق واپس آگئے۔

جس وقت خالد کو یہ خبر پہنچی آگ بگولا ہو گئے ضرار، رفیع، اور عبدالرحمٰن کو دو سو سوار دیکر واپس بھیجا اور یونس اسامہ زند ابو عبیدہ کو اپنے ساتھ لیکر آگے چلے۔

پیٹر بہت آگے نکل گیا تھا پال کے لشکر سے پہلے مقابلہ ہوا عورتوں کی گرفتاری نے مسلمانوں کے بدن میں آگ لگا دی تھی دو گھنٹے کے اندر اندر رومیوں کا صفایا کر دیا پال گھوڑے سے گر بھاگنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ گرفتار کر لیا گیا مگر عورتیں یہاں نہ تھیں اس لیے مسلمان ابتک بےچین تھے۔ وہ نہ ٹھیرے اور آگے بڑھے۔

پیٹر مع اپنے فاتح لشکر کے اڑا چلا جا رہا تھا مگر دھوپ سخت تھی اور آفتاب گرم ایک باغ میں آرام لینے کو ٹھیرا پہلے مال غنیمت دیکھا پھر عورتوں کی طرف گیا اور مال غنیمت کے ساتھ عورتوں کی بھی تقسیم ہو گئی۔

گرفتار عورتوں میں ضرار کی بہن قائلہ بھی تھیں اور یہ وہی ہیں جن کے سر پر تاریخ صداقت کا جگمگاتا تاج رکھکر آج صدیاں گزر جانے پر بھی قربان ہو رہی ہے جب قائلہ نے اپنے تئیں اس حالت میں دیکھا تو بجائے رونے پیٹنے اور شور و غوغا کرنے کے اپنی ہمراہی عورتوں سے کہا۔

حمیار اور حمضر قوم کی بہادر عورتوں گھبراؤ مت تم ان بہادروں کی اولاد ہو جن کے نام ابھی دنیا نے فراموش نہیں کیے ہم شجاعان عرب کی اولاد ہیں اور

ان وحشیوں کو دکہا دیں گے کہ شجاعت ہمارے مردوں ہی کا حصہ نہیں ہمارے گہروں کی لونڈی ہے ہم محمد (صلعم) کی امت ہیں اور ان مشرکوں کو ابھی بتا دینگے کہ اسلام مردوں پر ہی نہیں ختم ہوا عورتوں اور بچوں کے سینے بھی اس سے روشن ہیں ہم میں وہی خون دوڑ رہا ہی جس نے عراق عرب اور ایران تک اسلام کی منادی کر دی تم وہی کلمہ پڑہ رہی ہو جس میں فراط کی لہریں اور بصرے کے در و دیوار تمہارے شریک ہیں مجھے معلوم ہی کہ تمہارے پاس ہتیار نہیں مگر خلوص خیموں کی بلیاں نیزے اور صداقت اسباب کے بانس گرز بنا دیگی یہ ہاتہ میں لو اور اس وقت تک کسی غیر مرد کو پاس نہ آنے دو جب تک اس کو جہنم میں پہنچا دو یا خود عصمت پر قربان ہو جاؤ۔

میں کہہ دیتی ہوں کہ صرف ہمت کی دیر ہی خدا ہماری اعانت کرے گا آسمانی فرشتے ہماری عصمت کی حفاظت کریں گے اور دنیا وہ وقت نہ دیکھے گی کہ رومی سفاک اسلامی ناموس برباد کریں ایسا نہ ہو کہ ہم اپنے ملک اور اپنی قوم پر کوئی دہبہ چہوڑ جائیں اور وہ وقت نہ آئے کہ ہماری وجہ سے شجاعان عرب کی گردنیں مشرکوں کے آگے نیچی ہوں سب آپس میں گلے مل لو اور خدا کے حضور میں سر جہکا کر عرض کرو کہ تیرے محبوب کا کلمہ پڑہنے والیاں ناموس اسلامی پر قربانیاں چڑہاتی ہیں واسطہ اپنے حبیب کا ہماری مدد کر۔

حمیاز اور جہر قوم کی عورتیں نیزہ بازی میں مردوں سے کم نہ تہیں جوش میں بیتاب ہوئیں اور دائرہ کی شکل میں کہڑے ہو کر باواز بلند کلمہ توحید پڑہا۔

ایک یونانی سپاہی جو پہرہ پر تہا تماشہ دیکھنے قریب آیا مگر قائلہ نے اس زور سے سر پر بانس مارا کہ بہیجا نکل پڑا اور بیہوش ہو کر گرا اس کے شور سے سب موقعہ پر آ موجود ہی اور عورتوں کو گہیر لیا اب پیٹر انے قائلہ کو جو اس کے حصہ میں آئی تہیں سمجہانا شروع کیا اور کہا تم خاطر جمع رکہو میرے حصہ میں

آئی ہوا ور یہ تمہاری خوش نصیبی ہے کہ عمر بھر راج کرو گی اتنا سنتے ہی قافلہ آپے سے باہر ہوگئیں اور آگے بڑھ کر ایک ہی زور سے اسکے سر پر دی ہیبڑ کو سخت غصہ آیا اور حکم دیا کہ سب کی گردنیں اُڑا دو فوج تلواریں نکالکر آگے بڑھی کہ سامنے سے مسلمانوں کا گروہ آمادہ کھائی دیا جو آناً فاناً سر پر تھا یہ رنگ دیکھکر ہیبڑ نے فوج کو روکا اور کہا بیبیو ہم تمہاری بہادری کی عزت کرتے ہیں جاؤ اپنے لشکر میں واپس جاؤ۔

یہ کہکر ہیبڑ نے منہ موڑا چاہتا تھا کہ آگے بڑھے مگر قافلہ نے ایک بانس اس زور سے گھوڑے کے پاؤں پر مارا کہ گھوڑا فوراً ہی چکر کھاکر گرا اور اس کے ساتھ ہی سوار بھی نیچے آیا مسلمانوں کا لشکر قریب پہنچ چکا تھا ہیبڑ کے گرتے ہی ضرار نے نیزہ اس زور سے مارا کہ اُٹھ نہ سکا اور سر کاٹ کر بلند کر دیا ہیبڑ کا سر دیکھتے ہی اس کا لشکر مسلمانوں پر ٹوٹا اور سخت لڑائی ہوئی ضرار کا جوش لحظہ بہ لحظہ تیز ہو رہا تھا یہانتک کہ دشمن بھاگا اور فاش شکست دیکر مسلمان اجنادین کی طرف لوٹے۔

خالد اس فتح پر بہت خوش ہوئے ضرار کی کامیابی پر اُن کو گلے لگالیا دشمن کا ستر ہزار لشکر سامنے تھا اور خیمہ شاہی اس تکلف سے آراستہ کیا گیا تھا کہ خواہ مخواہ اس پر نظر پڑتی تھی سپاہیوں کی زرق برق پوشاک دور سے جگمگ جگمگ کر رہی تھی مسلمان اس طمطراق کو دیکھکر بہت حیران ہوئے مگر خالد نے اُن کو یقین دلادیا کہ یہ آخری حملہ لڑائی کا فیصلہ کردیگا اور اس کے بعد میدان صاف ہے۔

تین دن اور تین رات دونو لشکر آمنے سامنے پڑے رہے چوتھے روز ایک طرف سے خاک اُڑتی اور غبار اُٹھتا دکھائی دیا اور تھوڑی دیر میں ہتیاروں کی چمک اور باجوں کی آواز سے میدان چمک اور گونج اُٹھا یہ وہ لشکر تھا جس کو خالد نے بلایا تھا اور اس قدر جوش میں بھرا ہوا کہ اُن کو رات کاٹنی مصیبت ہوگئی اور اسی وقت لڑائی شروع کرنے کو آمادہ تھے بڑی مشکل سے رات صبح سے بدلی اور علی الصباح

لشکر آراستہ ہوا۔ اس وقت لشکر اسلامیہ کی باگ خالد بن ولید کے ہاتھ میں تھی انہوں نے دائیں طرف نعمان معاذ کو مقرر کیا، بائیں طرف سعد ابن ابی وقاص اور شرجیل کو قلب پر خود رہے اور اپنی مدد کے واسطے ضرار قیس ربیع اور یونس کو رکھا چار ہزار آدمیوں کا ایک سالہ اسباب اور عورتوں کی حفاظت کے واسطے مقرر کیا اور اس کی سرداری یزید ابن ابو صفیان کے سپرد ہوئی یہ مسلمانوں کی وہ لڑائی ہے جس میں عورتوں نے بھی اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے قائلہ اور غفیرہ کے دل بڑھے ہوئے تھے اور اُنہوں نے بھی ہتیار لگا کر خالد سے شرکت جنگ کی اجازت طلب کی خالد نے ان بیویوں کی جوشش شجاعت پر نعرۂ مرحبا بلند کیا اور عورتوں کی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر ایک پر قائلہ اور دوسرے پر غفیرہ کو مقرر کیا اور باآواز بلند نصیحت کی کہ تمہیں اپنی حفاظت تو فرض ہے ہی مگر تمکو میں اختیار دیتا ہوں کہ جو مسلمان میدان سے بھاگے اس کو بھی دشمن سے کم نہ سمجھنا اور مار ڈالنا۔

عیسائیوں کی طرف سے تثلیث کی صدائیں بلند ہوئیں مسلمانوں نے کلمہ توحید پڑھا خالد آگے بڑھنا چاہتے تھے کہ بڈھا عیسائی سامنے آیا اور کہا مسلمانوں کے اس لشکر کے سردار تم ہی ہو خالد نے کہا ہم سب بھائی ہیں ہم میں کوئی سردار ہے نہ ماتحت ہے ہاں میدان جنگ میں یہ میری ہدایت کے موافق کام کریں گے۔ اس پر عیسائی بولا تم سے پہلے بہت سے فرمانروا اس سرزمین پر حملہ آور ہوئے مگر فتح کے بجائے ان کو صرف اس مٹی میں قبر نصیب ہوسکی تم سمجھدار آدمی ہو ذرا نظر تو اُٹھاؤ ان مٹھی بھر جوانوں پر رحم کرو دشمن کی کثرت دیکھو ان کا تمول دیکھو ہتیار دیکھو دل دیکھو کیوں اپنی اور اپنے ساتھ ان غریب بیگناہوں کی جان گنواتے ہو اب بھی کچھ نہیں گیا جن قدموں آئے ہو لوٹ جاؤ ورنہ یاد رکھنا اس جگہ سے ایک مسلمان بھی زندہ بچکر نہ جاسکے گا۔ اگر تم میری صلاح پر عمل کرو حملہ سے باز آؤ اور اپنے گھر کا رستہ لو

تو میں تمہارے ہر سپاہی کو ایک جوڑا کپڑا ایک پگڑی اور ایک اشرفی دونگا اور تمکو
سو جوڑے دس ریشمی عبا اور سو اشرفیاں ۔

خالد نے جواب دیا مقابلہ قلت و کثرت کا نہیں صدق و کذب کا ہے
اسلام کی فتح یقینی ہے۔ خدا کا وعدہ اور ہمارے پیغمبر کا ارشاد ہے پورا ہوگا ہمارے
واپس ہونے کی صرف ایک صورت ہے اسلام قبول کرو ہمارے بھائی ہو انکار ہے تو جزیہ
دو منظور نہیں تو سامنے آؤ تلوار فیصلہ کرے گی ۔

عیسائی واپس گیا اور خالد نے دشمن کے لشکر پر نظر ڈالی تو واقعی میدان
چیونٹوں کی طرح پٹا پڑا تھا مسلمان حملہ کی خوشی میں بیتاب تھے لیکن خالد نے انکو روکا
اور کہا کہ ٹھہرو اس وقت تک جب تک شام نہو کیونکہ حضور اکرم کی فتح کا زیادہ تر یہی وقت
تھا مسلمانوں کی خاموشی سے رومیوں نے اپنا ایک آہنی دستہ آگے کیا جس نے
تیر اندازی شروع کی اور بہت سے مسلمان شہید ہوئے اور زخمی بھی لیکن بغیر خالد کے حکم کے
لشکر نے اپنی جگہ سے نہ جنبش کی جب تیروں کا چاروں طرف سے مینہ برسنے لگا تو یونس
اور ضرار نے آگے بڑھ کر عرض کیا کہ شام بھی قریب ہے اور موقعہ بھی نازک اجازت دیجیے کہ
حملہ کریں اب خالد نے اجازت دی تو یونس اور ضرار دونوں بہادروں نے دو طرف سے
سخت حملہ کیا رومی سنبھلے اور تلوار کا جواب تلوار سے دیا مگر ان کا لشکر زیادہ تھا اس
لیے یونس اور ضرار دونوں ہلکے پڑے ان کا پلہ سبک ہوتے ہی بقیہ لشکر ان کی مدد کو
بڑھا اور ایک خونریز جنگ ہوئی اس وقت ایک عیسائی آگے بڑھا اور یونس سے کہا تمہارا
سپہ سالار کہاں ہے۔ خالد نے خیال کیا کہ مجھ سے لڑنا چاہتا ہے نیزہ سیدھا کر کے آگے بڑھے
مگر اس نے کہا کہ میں لڑنے نہیں آیا پیغام صلح لایا ہوں میری بات سن لیجئے خالد خاموش
ہوئے تو اس نے کہا پہلے میری اور میرے خاندان کی حفاظت کا وعدہ کیجئے خالد نے
اقرار کیا تو قاصد نے جس کا نام ڈیوڈ تھا کہا مجھکو وردان نے بھیجا ہے جو اس وقت افواج

رومینہ کا سردار ہی اور یہ پیام دیا ہی کہ لڑائی موقوف اور یہ خوں ریزی بند کی جائے اور صبح کے وقت وردان سے ملاقات کیجئے خالد نے کہا اس میں تجھکو کیا کھٹکا تھا جو تو نے اپنی اور اپنے خاندان کی امان چاہی ڈیوڈ نے کہا اس لیے کہ وردان بے ایمان ہی اور اس کی نیت درست نہیں دس مسلح جوان گھات میں رہیں گے کہ ملاقات کے وقت تمکو مار ڈالیں خالد نے وہ منصوبہ اور مقام دریافت کر لیے لڑائی موقوف کی اور کہدیا جاؤ کہدو ملاقات منظور ہی۔

(۲۴)

اگر میں معاملات پر شروع سے اور انصاف سے غور کروں تو میری آنکھوں نے جو انقلاب دیکھا وہ اتنا زبردست ہی کہ میں ہی تھا جو زندہ رہا زندگی انتہائے بے حمیتی اور ہستی بے غیرتی کا مکمل نمونہ ہی موت نے گھیر گھیر مجھکو جھانکا اور در در مجھے دیکھا بجلی کی طرح میرے سر پر چمکی اور بادل کی طرح گڑگڑائی مگر جینا تھا کہ رہا اور بھگتنی بچا اور ابھی پھوٹ جائیں یہ آنکھیں اس سے پہلے کہ دیکھتیں کہ یہ نازک ہاتھ پہاوڑا بجاتے اور غارت ہو جاتے یہ کان اس سے قبل کہ کنار دریا کی بیتابی سنتے یہ پھول سا چہرہ یہ چاند سی صورت ایک میری وجہ سے کیسی مصیبت میں پہنچی اور آفت میں گھری جیل خانہ کی سختیاں اس نے بھگتیں جنگل کی ٹھوکریں اس نے کھائیں موجوں کے تھپیڑے اس نے سہے آج خدا خدا کرے اطمینان کے یہ چند لمحے نصیب ہوئے ہیں مگر کون کہہ سکتا ہی کہ کیا ہوگا اور کیا ہونے والا ہی۔ شہزادی اس اجازت کا متمنی ہوں کہ ان قدموں کو بوسہ دوں۔

سلمونیہ کے چہرہ پر ایک شکن تھی وہ کچھ دیر خاموش رہی تو ہمراہی نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور کہا ملکہ یہ وقت غنیمت اور یہ سماں امرت مصیبت تاک میں اور انقلاب سر پر ہی آفتاب غروب ہو رہا ہی اور دمشق

چھہ کوس سے کم نہیں مجھکو طلوع آفتاب سے قبل پہنچ جانا ہر گھوڑے پر سوار ہو اور چل۔

سلمونیہ مجھے تعجب ہر کہ تنے میری آڑ میں مصیبت کے پہاڑ ایک ایک کرکے گن دیے مجھے ہر اذیت راحت اور ہر تکلیف عشرت معلوم ہوئی سنگ کے پتھر میرے واسطے پھول اور قید کی سختی میرے لیے راحت تھی دریا کی موجوں نے سہیلی بنکر مجھے گود میں لیا ہوا کے جھکڑ شفیق بنکر مجھسے کھیلے اور طوفان غلام بنکر میرے قدموں میں لوٹا۔ ہاں یہ صحیح ہر کہ میری وجہ سے تمکو سخت سخت اذیتیں ہوئیں میں شرمندہ ہوں نادم ہوں اور کوشش کروں گی کہ آیندہ ایسی اذیت نہ ہو۔

اتنا کہکر سلمونیہ آگے بڑھی ہمراہی اس کے ساتھ تھا چند قدم چلکر اُس کی آنکھہ سے آنسو بہنے لگے وہ روتا ہوا سامنے گیا اور کہا۔

شہزادی سلمونیہ یہ ستم مجھکو بٹھا دیگا میرا دم نکل جائیگا میری روح فنا ہو جائے گی مجھپر رحم کر کرم کر میں تیرے قدموں میں آیا ہوں گرفتار ہوں تکخوار ہوں سزا کا مستوجب نہیں عنایت کا مستحق۔

یہ کہکر اس نے شہزادی کا ہاتھ پکڑ لیا سر پر رکھا آنکھوں سے لگایا شہزادی منہ پھیر کر مسکرائی اور کہا۔

اچھا چلو! اندھیرا چھا گیا مگر ہوا ٹھنڈی اور طبیعت مطمئن ہر اب ہم کو اسکے بھی لائے ہیں یہ سرسبز قطعات یہ کھلے ہوئے پھول اور لہلہاتے ہوئے پودے لاکھہ آنکھوں کو سرور اور دل میں نور پیدا کریں مگر اس راستے کا ہر قدم عبرت کا سبق ہر یہاں بڑے بڑے تاجداروں کی عظمت پوشیدہ اور سرکشوں کی تمکنت دفن ہر دیکھنے والی آنکھہ لطف اُٹھاکر کچھہ پڑھتی ہر اور سمجھنے والا دل خوش ہو کر کچھہ کہتا ہر آشیانوں کے پرند وداع روز روشن کا نالہ نہیں شاہان گذشتہ کا نالہ کر رہے ہیں

اس مین نے بڑے بڑے عروج دیکھے اوراُن قدموں کو کلیجے سے لگایا جن کے سر کسی کے آگے نہ جھکے۔ مسلمان دمشق کا محاصرہ کیے پڑے ہیں مگر بیوقوف ہیں انہوں نے ابھی ہماری شجاعت نہیں دیکھی لیکن یہ لڑائی اُن کو ایسا سبق دے گی کہ آئندہ ادہر کا رخ نہ کریں گے۔

ہمراہی رات سر پر آگئی اب قدم تیز کرنا چاہیے۔

سلمونیہ اچھا۔

دونو گھوڑے دوڑائے سرپٹ جا رہے تھے دمشق کی فصیل پر روشنی نظر آ رہی تھی کہ دو شخص سامنے آتے دکھائی دیئے چاند کی خفیف روشنی میں اتنا معلوم ہوا کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار ہے اور ایک کے سر پر صندوق وہ دونوں ٹھٹکے اور پوچھا کون سلمونیہ نے کڑک کر جواب دیا تم لوگ کون ہو۔

جواب تیری تلاش میں دنیا چھان ڈالی دن رات ایک کر دیا اور تو یہاں مزے کر رہی ہے اور یہ تیرے ساتھ وہی نامرد ہے۔ ساتھی نے صندوق اُتار کر رکھدیا اور دونو سلمونیہ کے ہمراہی پر حملہ آور ہوئے وردان کے ہمراہی نے سلمونیہ کے ہمراہی پر تلوار کا وار کیا گو اس نے بچنے کی کوشش کی اور بچا مگر گھوڑے پر تلوار ایسی پڑی کہ گرا اور اس کے ساتھ ہی سوار بھی جس کے گرتے ہی قاتل آگے بڑھ کر سینہ پر بیٹھنا چاہتا تھا کہ اس نے تلوار کا ایک ایسا ہاتھ دیا کہ گردن الگ جا پڑی یہ رنگ دیکھ کر وردان غصہ سے بیتاب ہو کر گر پڑا مگر اب سلمونیہ کا ہمراہی سنبھل چکا تھا اور دونو کی طاقت آزمائی شروع ہوئی دیر تک نرور ہوتا رہا ایک دفعہ ہی سلمونیہ کے ہمراہی نے وردان کو اُٹھا کر نیچے ٹپکا چاہتا تھا کہ قتل کرے مگر سلمونیہ نے کہا۔

اس صندوق میں سے کچھ آواز آ رہی ہے اس میں کوئی ہے۔

ہمراہی۔ بہتر ہوگا پہلے اس کو کہولکر دیکھہ لیں۔

ہمراہی نے وردان کی مشکیں کسکر درخت سے باندہ دیا۔ صندوق مقفل تھا۔ کنجی لی اور کہولکر دیکھا تو کیلوث زخمی بیہوش پڑا ہی باپ کی صورت دیکھتے ہی سلمونیہ بیتاب ہوگئی دونو صندوق اُٹھاکر کنارہ دریا پر لائے پانی کے چھینٹے دیے ہاتھ منہ دہلایا۔ کیلوث کے زخم زیادہ نہ آئے تھے اس نے بمشکل اتنا کہا وردان نے مجھکو دہوکے سے بلاکر زخمی کیا اور اس خیال سے کہ دمشق میں تشویش نہو مجھکو دفن کرنے جارہا تھا۔

اس بے اوسانی میں دونو وردان کو بھول گئے اور سلمونیہ باپ کو لیکر شہر کے اندر داخل ہوئی۔ جدا ہوتے وقت ہمراہی نے چاند کی روشنی میں اتنا کہا میں تم سے جلد ملونگا۔

(۲۴)

وردان کے بجائے پال زرق برق پوشاک پہنے ایک زرین کرسی پر بیٹھا ہے اور اس کے سامنے خالد سر پر عمامہ باندہے معمولی کپڑے پہنے باتیں کر رہے ہیں یہ انتظام پہلے ہی کر لیا گیا تھا کہ دس منتخب مسلمان ضرار کے ساتھ اس مقام پر آکر چھپ گئے تھے جنہوں نے ان دسوں آدمیوں کو جو خالد کے قتل کے واسطے چھپا دیے گئے تھے سوتے میں قتل کیا اور اُنکا لباس خود پہنکر بیٹھ گئے۔

پال چبا چبا کر باتیں کر رہا تھا اور تمکنت اس کی گفتگو سے نہیں بات بات سے ٹپک رہی تھی خالد کی گفتگو سیدہی سادی تھی اور انکسار اُن کی صورت سے ظاہر ہو رہا تھا اثنا رگفتگو میں پال نے کہا۔

تم لوگ انسان کیا ڈاکو ہو کہ جس کو خوشحال دیکھا اسی پر دوڑ پڑے اور لپٹ گئے مگر تمکو یہ معلوم نہیں کہ ہم امیر ہی نہیں بہادر بھی ہیں یہ ناممکن ہے کہ ہم تمکو زندہ

گھر جانے دیں تمہاری لاشیں اسی میدان میں ہوں گی اور تم یقین کرو کہ قبریں بھی میسر نہ آئیں گی۔

خالد ہم محض صداقت کے پھیلانے والے اور گمراہوں کو راہ راست دکھلانے والے ہیں تمہارا جو چاہیے سمجھو اور یقین کرو شجاعت کا فیصلہ میدان جنگ کرے گا دولت کا ہمکو اعتراف ہی لیکن ہم کو اس کی ضرورت ہی ہمکو نہیں۔

پال ہم اب بھی تمکو سمجھاتے ہیں کہ تم اپنے ملک زندہ واپس جاؤ ہم تمکو بطور انعام کچھہ روپیہ بھی دیں گے۔

خالد میں نے ابھی کہا کہ ہمکو دولت کی ضرورت نہیں یہ تمکو مبارک رہی تم اگر اسلام قبول کرو تو تمہارا املاک تمکو مبارک۔

پال ایسی گستاخانہ گفتگو نہ کرو۔

خالد اگر منظور نہیں تو جزیہ دو۔

پال زبان روکو۔

خالد تلوار فیصلہ کردے گی۔

پال غصہ میں کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا تجھہ جیسا معزز آدمی ہرگز یہ حق نہیں رکھتا کہ زندہ سلامت واپس چلا جائے یہ کہکر وہ منتظر تھا کہ دسوں سپاہی جو اس کام کے واسطے متعین تھے باہر نکلیں مگر جب کوئی نہ نکلا تو اس نے بہت زور سے کہا اب میری بہادر فوج تمکو مزہ چکھاتی ہی تجھے معلوم ہوجائیگا کہ فیصلہ کس کے حق میں ہوتا ہی اس وقت آدمیوں کے آنے کی اس نے آواز سنی اور چونکہ مطمئن تھا اس لئے لباس دیکھکر منہ موڑ لیا تاکہ خالد قتل کردیے جائیں مگر تھوڑی دیر بعد پال کی گردن ایک شخص کے ہاتھ میں تھی گھبرا کر مڑا دیکھا تو سب مسلمان سہم گیا اور کہنے لگا کہ میں بیگناہ ہوں مجھپر رحم کرو۔

خالد کے حکم سے یہ دستہ پال کو گھسیٹتا ہوا باہر لایا اور اس کی گردن اُڑا کر رومیوں کے لشکر میں پھینک دی رومی بہت خوش ہوئے اور یہ سمجھکر کہ خالد کا سر اُڑ گیا بغلیں بجانے لگے مگر غور سے دیکھا تو وہ سر خالد کا نہیں پال کا تھا ہوش جاتے رہے اور ایسے مٹ پٹائے کہ وہاں ٹھہرنا بھی مصیبت ہو گیا خالد نے باہر آکر اپنی فوج کو آراستہ کیا اور دشمن پر آگرے خالد کا یہ حملہ حملہ کیا ایک بجلی تھی کہ تلوار جدھر جھکی خاک سیاہ کر دیا اور شام تک جس طرف نظر جاتی تھی لاشیں ہی لاشیں نظر آتی تھیں، اب فوج بھاگنی شروع ہوئی کچھ قیصریہ کچھ دمشق اور کچھ انطاکیہ اس فتح سے مسلمانوں کی ہمت بہت بڑھ گئی اور اس قدر سونے چاندی کا اسباب ہاتھ لگا کہ رکھنے کو جگہ نہ تھی مگر خالد نے اس کی تقسیم ملتوی کر دی اور اعلان کر دیا کہ دمشق کا قبضہ اس کی تقسیم کرے گا۔

عبدالرحمن ابن ابوبکر فتح کی خبر لیکر امیر المومنین کی خدمت میں گئے، مسلمانوں میں اس خبر نے عجیب جوش پیدا کر دیا خدا کے حضور میں گر پڑے سجدۂ شکر بجا لائے اور التجا کی کہ اسی طرح فتح دمشق کی خبر آئے۔

اب ایک عجیب اتفاق تھا کہ مکیوں کا گروہ امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ ہمکو بھی لشکر میں شامل کیجئے اور جنگ میں بھیج دیجئے۔ امیر المومنین نے مشورہ کیا فاروق اعظم نے اس درخواست کی مخالفت کی اور کہا وہ مسلمان جو اپنا گھر آج مہینوں سے چھوڑے دمشق کا محاصرہ کیے پڑے ہیں فتح اُن کا حق ہے اور ان ہی کے ہاتھ سے ہونی چاہئے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ابتدائے اسلام میں ہمکو سخت اذیت دی ہے اور اب کہ اسلام خدا کے فضل سے ترقی کر گیا یہ شریک ہوتے ہیں۔ جنہوں نے جان پر کھیلکر اسلام کا جھنڈا سرزمین شام میں بلند کیا مال غنیمت اُن ہی کا حصہ ہے دوسرے گروہ کی شرکت مناسب نہیں۔

یکیوں نے اس وقت ایک بڑا جلسہ کیا اور ابو صفیان کو اپنا سردار مقرر کر خلیفہ وقت کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا۔

کچھ شک نہیں کہ حضور اکرم کے زمانۂ حیات میں قریش کے دامن پر جو دہبہ ہو وہ انکی پیشانی پر کلنگ کا ٹیکا ہو مگر یہ اس وقت کی یادگار ہو جب اُن کے دل میں اسلام سے روشن نہ ہوئے تھے مگر مسلمان ہونے کے بعد وہ مسلمانوں کے حقیقی بہائی ہیں اور اُن کا حق کسی مسلمان سے اسلام پر کم نہیں اگر وہ مخالفت کے زمانہ میں دشمن تھے تو کوئی مسلمان جو اس وقت مسلمان ہو اور اس وقت موجود تھا ان سے کم اسلام کا دشمن ہوگا ایسی حالت میں امیر المومنین کا یہ فیصلہ دوبارہ غور کے قابل ہو۔

اب پھر حضرت صدیقؓ نے فاروق اعظمؓ اور حضرت علیؓ سے مشورہ کیا تو دونو کی رائے یہ ہوئی کہ اس اعتبار سے قریش کا مطالبہ جائز ہو۔ چنانچہ یہ تجویز ہوئی کہ مکی شام کی طرف روانہ ہوں اس وقت امیر المومنین نے خالد کو یہ خط لکہا۔

لشکر مکی تمہارے پاس آتا ہو ان کی دلی خواہش ہو کہ اسلام کی خدمات انجام دیں خدا اُن کے ارادوں میں برکت دے اور اُن کی خواہشیں پوری کرے فتح مبارک ہو۔

اس خط پر حضور عالم کی مہر ثبت تھی۔ عبدالرحمٰن کو یہ خط دیا گیا انہوں نے خط آنکھوں سے لگا کر سر پر رکہا اور لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے۔

اِدہر کی کارروائی تو یہ ہوئی اُدہر رومی مفرورین جو حواس باختہ بھاگے تو ورے پرے کہیں نہ ٹکے اور سیدہے منزل مقصود یعنی دمشق پہنچکر دم لیا اور اپنی بپتا سنائی کہ آخری لشکر جو ہماری مدد کو آیا تھا۔ اس کا بھی مسلمانوں نے صفایا کر دیا۔ ہزاروں گہر بے چراغ اور عورتیں رانڈ ہوگئیں دمشق والے اس خبر کو

سنکر تو بہت رنجیدہ ہوئے مگر اس جمعیت سے ذرا ان کی ڈھارس بندھ گئی فصیل پر چڑھ کر دیکھا تو تو اسلامی فوج کے بہادر ڈٹے کھڑے تھے - اور کمک کے پرے کے پرے برابر چلے آرہے تھے ہیبت تو بہت چھائی - مگر بعض منچلوں نے رائے دی کہ دمشق کا محاصرہ عمر بھر نہیں ٹوٹ سکتا - اول تو ہم تعداد ہی میں دشمن سے کم نہیں دوسرے وہ اس طرح کب تک پڑے رہینگے بہتر ہے کہ ہم یہیں سے ان کو ایسی اذیت پہنچائیں کہ ان کا یہاں ٹکنا ہی وبال ہو جائے - یہ خیال بہت پسند کیا گیا - اور تجویز یہ ہوئی کہ شہر پناہ پر انجن لگا دئے جائیں - اور ان کے ذریعہ سے گولے اینٹ پتھر دشمن پر برسائے جائیں - اور وہ گت بنائی جائے - کہ سوا فرار کے کوئی مفر نہ رہے - اس کام کے واسطے یہودی نہایت موزوں تھے - اور وہ ان کاموں سے اچھی طرح واقف تھے - چنانچہ فصیل پر برابر برابر انجنوں کی قطار دور تک پھیل گئی - اور یہودی اس کام پر متعین ہوئے کہ وہ رات دن مسلمانوں کا ستھراؤ کریں -

اب مسلمانوں نے اپنے جری لشکر کو اس طرح مرتب کیا - ابو صعب بن دروازہ شرقی کے مقابل شرجیل سینٹ ٹامس کے دروازہ کے مقابل قیس ابن جبیرہ فاران کے دروازہ کے مقابل اور ابوعبیدہ دروازہ جابیہ سے کچھ فاصلہ پر جنوب کی طرف ایک دروازہ تھا اور اس کا نام سینٹ مارک تھا - مگر یہ کچھ اس طرح واقع تھا - کہ یہاں کوئی لڑائی نہ ہو سکتی تھی - اسلئے اسکا نام دروازہ صلح رکھا گیا -

ضرار اور یونس دو شجاع دو دو ہزار سواروں کے ساتھ اس کام پر مقرر کئے گئے - کہ چاروں طرف گشت لگائیں اور اس بات کا خیال رکھیں - کہ دشمن اچانک حملہ نہ کرنے پائے -

اس موقعہ پر ایک خاص بات دیکھنے کے قابل تھی - کہ گو مسلمانوں کے پاس

بے انتہا مال غنیمت تھا مگر انہوں نے اس کو ہاتھ نہ لگایا زرق برق پوشاکیں اور مکلف خیمے موجود تھے مگر اُنکا قیام ان ہی چمڑوں کے خیموں میں تھا اور وہی لباس زیب تن ۔

جنگ کی صورت یہ ہر کہ شہر کی فوج مفرورین اور رعیت حملے کے واسطے شہر کے اندر تیار رہی اور مسلمانوں کا لشکر چاروں طرف آراستہ رومیوں نے نعرے لگا کر شہر کا دروازہ کھولا اور اس شدت سے مسلمانوں پر حملہ کیا کہ اگر خالد مقابلہ پر نہ آجائیں تو مسلمانوں کے قدم قطعاً اکھڑ جائیں خالد نے آتے ہی سیف اللہ کے جوہر دکھائے اور آن کی آن میں مسلمانوں کا پلہ بھاری نظر آنے لگا ۔ اس موقع پر فصیل کے انجنوں نے سخت گولہ باری کی اینٹوں اور پتھروں کا مینہ اس شدت سے برسا کہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا ۔

(۲۵)

میں اس زندگی کو موت سے اس سلطنت کو بھیک سے اور اس تاج سے خاک کو بہتر افضل اور اعلی سمجھتی ہوں ۔ چولہے میں ڈالوں وہ زندگی خاک میں ملاؤں وہ سلطنت اور بھاڑ میں جھونکوں وہ تاج جو مجھکو اس کمبخت وردان کی ملکیت بناوے ۔ کیسا نکاح اور کس کا مذہب لعنت کے قابل وہ نکاح اور نفرت کے لائق وہ مذہب جو عورت کو اس کی خواہش کے خلاف اس کی طبیعت سے الگ اس کی رغبت سے دور کسی مرد کے ساتھ رہنے پر مجبور کرے جس طرح آجتک کی کوشش اس وقت تک کی آرزو اب تک کا ارمان بے سود بیکار اور لاحاصل ہا اسی طرح یہ تجویز یہ خیال یہ رائے لغو غلط اور فضول ثابت ہوگی ۔

(ہلمونیہ)

تجھ جیسی ناہنجار لڑکی مکار عورت نابکار ہستی قتل کی مستوجب دار کی سزا اور

اور سنگسار کرنے کے قابل ہو تو مذہب کو حقارت سے اور نکاح کو نفرت سے دیکھتی ہو گردن زدنی تجھکو جو سزا دیجائے وہ کم اور جو تکلیف پہنچے وہ تھوڑی تو ایک مکار انسان کی جو غالباً مسلمان ہو پھندے میں پھنسکر بزرگوں کی عزت اور روم کی سلطنت خاک میں ملاتی ہو ہاں ہاں ہٹ ہٹ غارت ہو دور ہو کہ تو ایک مسلمان کے پہلو میں بیٹھنے کی آرزومند ہو۔

(کیلوث)

اس کی بہتر سزا اس کا اچھا علاج اس کا معقول تدارک صرف یہی ہو سکتا ہو کہ یہ ناشدنی فصیل سے مسلمانوں کے لشکر میں پھینکدیجائے تاکہ اُنکو معلوم ہوجائے کہ ہم اپنی ناموس پر اپنی محبت کو اس طرح قربان کردیتے ہیں اس کی ہڈی اور پسلیاں چکناچور ہوں گی اس کے اعضا کا ریزہ ریزہ ہوگا اور مبارک ہوگا۔ وہ وقت جب دمشق کی خندق اس ناہنجار کی موت پر آنسو گرائے۔

مگر میں آج سلمونیہ سے کہ اب فراق ابدی ہو یہ پوچھتی ہوں کہ وہ اپنی مفصل داستان سنادے اور بتادے کہ آیا جس شخص کا انتخاب اس نے کیا وہ واقعی مسلمان ہو اور اس پر ایسی کیا مصیبت آئی، کیا بھوگ پڑا کہ عیسائیوں میں ایک صورت بھی اس کے لائق نہ نکلی اور ان ظالم ناپاک مسلمانوں میں جو ہماری جان کے دشمن اور خون کے پیاسے ہیں اس کو کیا نظر آیا کہ ایسی فریفتہ ہوگئی۔

(فلورا)

اگر تمہارے دلوں میں ایمان کی روشنی تمہاری آنکھوں میں انصاف کا

جلوہ موجود ہوتا تم تعصب کی عینک اُتار کر پھینکتے۔ اور دشمنی کو بالائے طاق رکھتے تو تم کو معلوم ہو جاتا کہ مسلمان کیا ہیں اور میرا اسلام کیا معنی رکھتا ہے۔ دریا کے کنارے پر اے فلورانجہ کو پناہ دینے والا صندوق کے زخمی کو اے کیبلیٹ بچانیوالا کون تھا۔ مسلمان مسلمان مسلمان۔ یہ دروازہ بزدل اس جری کے سامنے ایک دن نہ ٹھہر سکا۔ اے فارسی داستان کیا بیان کروں۔ تم سنگدلوں کے ہاتھوں مجھ بیگناہ کے سر پر ایک دفعہ نہیں تین مرتبہ موت کا حملہ ہوا۔ کلیجہ پر پتھر رکھا باپ نے محبّت کی آنکھیں بند کرلیں۔ مگر وہ فرشتۂ رحمت جس نے میری جان بچائی وہی مسلمان تھا۔ وہ میرے واسطے وہاں پہنچا جہاں بشر کا گذر اور مرد کا امکان ممکن نہ تھا۔ میں آج کہتی ہوں کہ وہ وہ ہے۔ جس نے مشکل کو آسان کر دیا۔ ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔ اسکے احسان میرے کندھوں سے اسکے کرم میرے دل سے اگر دُور ہو جائے تو میں وہ عورت ہونگی جو انسانیت کو پامال کرے۔ اس کتاب محبّت کی تمہید اس واقعہ کی ابتدا اس انجام کا آغاز تعجب آمیز ہے۔ اور اب کہ وقت آخر اور اصلیت الم ہے۔ مجھ کو سنانے میں عذر نہیں۔ یہ کہانی تمہارے کلیجے دہلا دے گی۔ عید الفطر سے ایک ہفتہ قبل کا ذکر ہے۔ رات چاندنی اور موسم بہار۔ میں دریا کے کنارے لطفِ شکار میں مصروف تھی۔ کہ یہ مکار وردان کشتی میں بیٹھا شب ماہ کی سیر کرتا نکلا۔ اس کی آنکھیں میری صورت پر نہیں پڑیں بلکہ نفسانیت کا پردہ اس کے ایمان پر پڑا۔ دغا و مکر کا دیو اس کے سر پر سوار ہوا۔ اس نے میرے محافظ دستہ کو لالچ دے کر ٹال دیا۔ اور قزاق عصمت نشہ میں بدمست میرے پاس آکر قدموں میں گرا۔ میرے پاس اسوقت کوئی ہتھیار نہ تھا۔ اور یہ سچ ہے اس قابل بھی نہ تھی کہ خودکشی کرلوں۔ مجھ کو اپنی بربادی کا یقین کامل تھا۔ میں نے اسکو صلیب کا واسطہ دیا مسیح کی قسم دلائی لیکن اسکے شیر دل پر جونک نہ لگی۔ تم خود ہی فیصلہ کرو وہ کیسا وقت ہوتا۔ میں بیدل

چلائی مگر میری مدد کو کوئی نہ آیا۔ آسمان کی بیجان ہستی جس نے روئے زمین کو منور کر رکھا تھا اس درد انگیز منظر کو نہ دیکھ سکی اجالا اندھیرے سے بدلا اور ابر سیہ نمودار ہو کر میری بیکسی پر زار زار رونے لگا اس اندھیرے گھپ میں کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ دکھائی دیتا تھا میں ایک طرف چل کھڑی ہوئی میں نہیں کہہ سکتی کیا وقت ہوگا اور میں کہاں تھی کہ قندیل فلک میری آوارہ گردی پر کھلکھلا کر ہنس پڑی اب میں کنارہ دریا پر ایک جنگل بیابان میں تھی مگر اس جفا کار کا اندیشہ میرے دل پر اتنا بیٹھ چکا تھا کہ پتے کا کھڑکا بھی اسی کی آہٹ معلوم ہوتی تھی۔ میں نے دریا کا کنارا چھوڑا اور سڑک پر آئی پہاڑ میں سے ایک شخص کو گھوڑے پر سوار آتے دیکھا میں نے اس سے مدد کی التجا کی وہ اپنے گھوڑے سے اترا اور مجھکو بٹھا دیا رات کا وقت تھا اور جنگل کا موقعہ مگر صادق تھا وہ اور سچا اس کا مذہب کہ اس نے صداقت کو ہاتھ سے نہ دیا اور جس طرح زبان سے کہا تھا اسی طرح قصر کیلوث تک پہنچا دیا۔ میں اس کی شکل کی نہیں اس کے ایمان کی گھائل ہوئی جو آج محبت کا تاج بنکر میرے دل میں موجود ہے۔

صبح ہو رہی تھی جب میں محل کے دروازہ پر اس سے جدا ہوئی میں سمجھ چکی تھی کہ وہ صورت کا اور میں ایمان کی فریفتہ ہوں مگر میری فریفتگی پر ایک زبردست چرکا وہ تھا جب میں نے اس سے اس کا پتہ پوچھا تو اس نے کہا گو دنیا محبت میں دھوکا جائز رکھتی ہے مگر ہمکو یہ اجازت نہیں میں مسلمان ہوں۔ اسی اسلام کی محبت تھی کہ میں نے عید بہرام میں مسلمانوں کے قاصد کی تلوار اٹھالی جو اس وقت تک زیب کمر ہے۔

سلمونیہ کی گفتگو ختم ہوتے ہی فلورا آگے بڑھی اس نے بچی کو کلیجے سے لگالیا اور کہا ایک شریف ماں کی گود سے پرورش پانے والی بچی سے یہی توقع ہو سکتی تھی کیلوث سلطنت کے اور وردان نفسانیت کے دھندے اور پھندے میں پھنسکر

جو کریں انکو اختیار ہی مگر اقلیم محبت اور دنیائے انسانیت میں تیرا نام زندہ اور تیرے کام روشن رہینگے۔ یقیناً پرستش کے قابل تھا وہ جوان عیسائی تھا خواہ مسلمان جس نے شجاعت اور صداقت پر ہر میدان میں وردان کو شکست دی۔

فلورا یہیں تک پہنچی تھی کہ کیلوث طیش میں اٹھا خنجر نکالا اور فلورا کے پیٹ میں بھونک دیا۔ چیخی گری پڑی اور مر گئی اب کیلوث وہی خنجر لیے سلمونیہ کی طرف جھکا مگر وردان نے اس کو پکڑ لیا اور کہا ضرورت ہی کہ اس کی موت دوسروں کے واسطے عبرت ہو اس لیے فصیل سے بہتر اس کے واسطے کوئی سزا نہیں۔

کیلوث نے اب اپنے تمام منتخب سرداروں کو جمع کیا انجیل پر ہاتھ رکھوا کر انکو قسمیں دیں اور کہا۔

لڑائی کا انجام نہ معلوم کیا ہو ممکن ہی کہ میں اور وردان دونوں اپنے پاک مذہب پر قربان ہو جائیں لیکن جب تک تم لوگوں میں سے ایک بھی زندہ ہی اس حکم کو کلیجہ سے لگائے رہو کہ اتوار کے روز میرا تحفہ صبح کے وقت یسوع مسیح کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔ دمشق کی فصیل سے سلمونیہ مسلمانوں کے لشکر میں گرادی جائے تاکہ ایک نمک حرام مرتد عورت کی موت دیکھنے والوں کے واسطے عبرت اور سننے والوں کے واسطے سبق ہو۔

شہزادی کے پاس کسی قسم کا ہراس اس کی تیوری پر کسی طرح کا بل اس کے چہرہ پر افسردگی کا کوئی آثار نہ تھا وہ مسکراتی ہوئی آگے بڑھی اور باپ سے کہا۔

کیا صندوق کا زخمی اس زخم کو اور اس وقت کو جب آپ کی زندہ لاش دفن ہو رہی تھی اس قاتل کو بھول سکتا ہی جس نے جان کے لینے میں کوئی کسر چھوڑی کیلوث لیکن یہ جو سزا تیرے واسطے تجویز ہوئی اس کو اس واقعہ سے کوئی تعلق نہیں یہ تیرے اس عمل کی سزا ہی جس نے تیرے دل میں اسلام جیسے لغو

مذہب کی محبت پیدا کی۔

سلمونیہ آپ نے اسلام کی صداقت دیکھہ لی آپ کو معلوم ہو گیا کہ ایک مٹھی بھر انسان کس طرح ایک جم غفیر فرستح پا سکتے ہیں آپ کو آج اسلام کا ایک اور معجزہ سناتی ہوں اس تمام دوران میں اسلام کی طرف سے مجھپر کبھی یہ زور نہیں پڑا کہ میں تثلیث چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوں محبت کی وقعت آپ ہی دیکھئے ایک مسلمان نے کتنی کی۔

کیلوث بس اب زیادہ گفتگو بے سود ہی جو آنکھیں فلورا کی اس لاش کو ٹھنڈا دیکھہ چکیں اب اُن کی خواہش اگر کچھہ ہو سکتی ہی تو صرف یہہ کہ تجھکو بھی جلد مردہ دیکھہ سکیں۔

وردان اب بھی تیری زندگی اور موت میرے اختیار میں ہی سنبھل جا اور توبہ کر۔

سلمونیہ موت اس زندگی سے بہت بہتر ہی جو تیری مکروہ صورت ہر وقت سامنے رہے۔

(۳۶)

خیمہ شاہی کے متصل ایک چھوٹی سی راوٹی میں شہزادی سلمونیہ چاروں طرف ننگی تلواروں کے پہرہ میں قید ہی ہاتھہ میں ہتھکڑیاں پاؤں میں بیڑیاں گلے میں طوق فرش خاک پر خاموش بیٹھی ہی نور کے سانچے میں ڈھلے ہوئے اعضا میلے کپڑوں کی حراست سے جھانک جھانک کر چاند سے چہرہ کو تاک رہی ہیں اور اب بھی کہ تکالیف و مصائب نے ہنسی اُڑکار محبت نے پھول سے رخسار مرجھانے شروع کر دیئے ہیں یا یہ اس صورت پر قربان نرگسیں اور متوالی آنکھیں جنھوں نے ایک عالم کو مدہوش کر دیا تھا اس وقت بھی بجلی کی طرح کوندر ہی ہیں لمبے لمبے بال جو لہرا لہرا کر ہزاروں دل

دل ہیں چکے تھے آج بھی ہوا کے جھونکوں کو مست کر رہے ہیں۔ رات لہراتی ہوئی منزل مقصود کے قریب پہنچی اور قانون فطرت نے ان آنکھوں پر تیرگی ڈالدی ان دماغوں پر جادو چلایا جنہوں نے متواتر سات آٹھ گھنٹے جاگ کر کاٹے محافظ اونگھے ہوا خاموش اور درخت ساکت ہوئے تو جس کا خیال آنکھ کے سامنے جس کی تصویر پیش نظر تھی وہ خود روبرو کھڑا تھا ماجرہ نے زیادہ ہونہ دی البتہ سامعہ نے چونکا دیا جس وقت یہ الفاظ کان میں پہنچے

کیوں شہزادی محسن کشونیر رحم کا نتیجہ دیکھا؟

کیا غضب ہے یہ محبت نہیں خودکشی ہے موت کے منہ میں جانا دانائی نہیں جاؤ چلے جاؤ اتوار کی صبح کو دمشق کی فصیل تمہاری محبت کا فیصلہ کرے گی۔ بس جاؤ فوراً چلے جاؤ۔

کچھہ سوال اور ہوئے کچھہ باتیں اور پوچھی گئیں۔ مگر جواب نہ تھا یہانتک کہ رات کی سیاہی صبح کی روشنی سے گلے ملی۔

مسلمانوں نے پیچھے ہٹ کر واقعات پر غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگر ان معمولی اینٹوں اور پتھروں پر ہماری موت اور زندگی منحصر ہے تو لڑائی ہو چکی اور فتح ختم ہوئی ضرورت ہے کہ جس طرح ہمنے اب تک خدا پر بھروسہ کیا اسی طرح اس وقت بھی کریں اور دشمن کی اس تدبیر کو خاک میں ملا کر عرب کی شجاعت کے وہ نمونے پیش کر دیں کہ دنیا ہمارے کارناموں سے آشنا ہو جائے یہ تجویز طے ہوتے ہی اللہ اللہ کہکر آگے بڑھے انجنوں سے پتھر اور لوہا برابر برس رہا تھا مگر مسلمانوں کے قدم پیچھے نہ ہٹتے تھے۔ اب پھر رومی کونوں میں دبکے اور دروازے بند کر فصیل پر چڑھ گئے۔ شام ہو چکی تھی خالد نے ہدایت کی اور اعلان کر دیا کہ لاکھہ میند سر پر سوار

اور دن بھر کے تھکے ہارے ہو مگر مرنے کے بعد شہادت بیٹ بھر کر سلا دے گی آج موقعہ سونے کا نہیں ہتیار درست کر و اور سوچو کہ کل کیا کرنا ہی اس وقت دمشق میں ایک شخص ٹامس جو فوجی عہدہ دار تو نہ تھا مگر قیصر کا داماد تھا موقعہ پر موجود تھا اس نے رومیوں سے کہا تم دیکھہ رہی ہو مسلمان اپنی پوری طاقت کام میں لا چکے اب یہ اُن کا گھٹتی کا پہرہ ہی اور سوار بات کی ہیچ کے اُنکے پاس کچھہ نہیں وہ صلح پر مائل ہیں اور اگر تم اس وقت اسی طرح اکڑے رہی اور بودے نہ بنے تو وہ وقت دور نہیں کہ تم یہاں ان کا وجود بھی نہ دیکھو گے استقلال کو ہاتھ سے نہ دو اور جوانمردی سے کام لیے جاؤ۔

صبح ہوئی ادہر مسلمانوں نے نماز سے فراغت پائی اُدہر رومیوں کا لشکر دروازہ کہول باہر آیا اور انجن سے پتھر گرنے شروع ہوئے اس وقت مسلمانوں نے دیکھا کہ بڈہا ٹامس کہڑا ہی اور اس کے پاس راہب کے ہاتھ میں انجیل اور صلیب ہی راہب نے ٹامس کو پاس بلایا اور آسمان کی طرف صلیب اور انجیل دکھا کر کہا اے خداوند تیرا مذہب برحق ہی ہمکو مدد دے اور ان ظالموں کے پنجہ سے نکال مسلمان یہ تماشہ دیکھہ رہی تھے کہ خالد نے للکار کر کہا بڑہو آگے بڑہو مسلمان حملہ کے لیے چلے مگر وہی انجن کے پتھر کا مینہ جو سد راہ تھے بڑہتے بڑہتے پھر پیچھے ہٹے اس موقع پر ٹامس جو مشہور تیر انداز تھا آگے آیا اور اس قدر پتھر برسائے کہ بڑے بڑے جری مسلمان شہید ہوئے۔ اس معرکہ میں ابان ابن زید نے بھی شہادت پائی تیر اُن کے کلیجے میں آکر لگا ہرچند انہوں نے زخم کو باندہا اور ہمت کی مگر تیر زہر آلود تھا جانبر نہ ہو سکے اُن کی بیوی حمیاز قوم کی ایک لڑکی تھی جو تیر اندازی میں مشہور ہی بیوی نے جس وقت شوہر کے تیر سے زخمی ہونیکی خبر سنی تو بے تحاشا میدان جنگ کو لپکی مگر اس کے پہنچنے سے قبل زخمی کا انتقال ہو چکا تھا اپنے شوہر کی لاش دیکھی اور مسلمانوں کے سامنے باواز بلند کہا۔

ابان، خدا کے ہاں پہنچے اور خوب پہنچے مگر تمہارے خون کا بدلہ دشمن سے ضرور لوں گی اور بہشت میں آکر ملوں گی۔

اتنا کہکر اس نیک بی بی نے شوہر کی تیر کمان اُٹھائی اور اسی گھوڑے پر سوار ہو کر میدان کی طرف چلی اور پوچھا ٹامس کہاں ہے معلوم ہوا کہ جس جگہ صلیب کا نشان ہے وہاں فوراً تیر جوڑ کر لگایا جو نشان والے کے ہاتھ میں لگا اور نشان نیچے گر پڑا اس کے گرتے ہی ادہر سے مسلمان اور ادہر سے رومی دونوں اس پر لپکے۔ ایک مسلمان سوار نے نشان اُٹھالیا اور سخت لڑائی شروع ہوگئی مسلمان نے نشان اپنے لشکر میں پھینکدیا اور اس لیے لڑائی نے اور بھی خونریزی اختیار کی ہر چند رومیوں نے تعاقب کیا مگر ناکام رہے عین اسی حالت میں امان کی بیوی نے ایک تیر ایسا تاک کر دیا کہ ٹامس کی داہنی آنکھ نکل پڑی اور وہ اس قابل نہ رہا کہ لڑ سکے مگر اسی دروازہ میں پٹی باندہ کر بیٹھا جہاں سے میدان جنگ دوسری آنکھ کے سامنے تھا۔

انجنوں کی بارش بدستور جاری تھی اور مسلمان شہر پناہ کے قریب جا سکتے تھے رات نے بیچ میں آکر فریقین کے حوصلے روک دیئے مسلمان متواتر کئی راتوں کے جاگے ہوئے تھے پڑ کر سو گئے ٹامس نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھکر صبح سے پہلے ہی ایک عام حملہ کر دیا اور سوتے مسلمانوں کے سر پر دشمن نے تلوار چلانی شروع کی جبتک مسلمان ہوشیار ہوں بہت سے شہید ہوگئے یہ مسلمانوں کے واسطے بہت ہی نازک وقت تھا خالد نے دعا کے واسطے ہاتھ اُٹھائے اور التجا کی کہ ارحم الراحمین رحم کر اور ہمکو دشمن کی زد سے بچا یہ کہکر رومیوں پر ایسا حملہ کیا کہ اُنکا ٹھیرنا مشکل ہوگیا ٹامس الٹا لوٹا اور دروازہ کے پاس سخت لڑائی ہوئی۔ یہاں شرجیل معمور تھے اور بے گردہ ہو کر لڑ رہے تھے ان کے پاس ہی ابان کی بیوی تھیں مگر اب اُن کے پاس صرف ایک تیر رہ گیا تھا ایک رومی سپاہی نے ارادہ کیا کہ حملہ کرے اس

ایک نیزے سے قابل فخر عورت نے اس کی جان لی مگر تیر نہ رہنے سے اس حالت میں کہ متعدد رومیوں نے گھیر لیا گرفتار ہوگئی شرجیل یہ دیکھکر آگے بڑھے ٹامس سے سینہ بسینہ لڑائی ہوئی اتفاق سے شرجیل کی تلوار ٹامس کی ڈھال پر ٹوٹ گئی اور قریب تھا کہ وہ بھی گرفتار ہوجائیں جو خالد اور یونس مع اپنی فوج کے آپہنچے ان دونو کی صورت دیکھتے ہی ٹامس شہر میں گھس گیا اور رمانہ ناز خاتون اپنے لشکر میں واپس آئی

جابیہ کے دروازہ پر جس رومی لشکر نے حملہ کیا تھا باوجود اس کے کہ ادہر کا انتظام رحمدل ابو عبیدہ کے سپرد تھا بہت زیادہ تباہ ہوا وہ حملہ کے وقت سو رہے تھے ہشیار ہوے تو پہلے نماز پڑہی اور پھر ایک رسالہ مقابلہ کے واسطے بھیجا۔ لڑائی ہو رہی تھی اور رومیوں کا پورا لشکر باہر آگیا تھا کہ انہوں نے ایک اور رسالہ دشمن کی پشت سے دروازہ پر کہڑا کر دیا۔ گو رومیوں نے بیخبری میں بہت سے مسلمان شہید کیئے مگر جب یہ دیکھا کہ دشمن پشت پر ہے اور دروازہ پر پرا جما لیا تو بہت پریشان ہوئے چاہا کہ بھاگیں مگر اب مسلمان آگے آگئے اور اس جمعیت کا بڑا حصہ قتل کر دیا اس وقت مسلمانوں نے چاہا کہ اس دروازہ سے وہ شہر میں داخل ہوجائیں مگر انجن کے تیروں نے کامیاب نہ ہونے دیا۔

اس وقت وردان جوش میں بھرا چیختا ہوا باہر نکلا اور اس زور سے حملہ کیا کہ مسلمانوں کو اور پیچھے ہٹنا پڑا مگر ابو عبیدہ نے انکو سنبھالا اور مقابلہ کئی گھنٹے تک ہوتا رہا۔ وردان نے اپنی کوشش میں کسر نہ کی مگر عین معرکہ میں وہ زندہ گرفتار ہوکر خالد کے سامنے پیش کیا گیا اور قتل ہوا۔

وردان کی خبر موت نے کیلوش کے ہوش اُڑا دیے اور وہ بھی باہر آیا مگر اب مسلمانوں کے دل بڑہ چکے تھے گو پتھروں کی بارش زور شور سے ہو رہی تھی لیکن انہوں نے اپنا منہ نہ موڑا اور ایک لیر سوار نے آگے بڑہ کر ایسی تلوار دی کہ اس

کی گردن بھی الگ جا پڑی جس کو سوار نے اپنے نیزہ میں اتنا بلند کیا۔ کیلوث کا سر دیکھتے ہی رومی حواس باختہ ہوگئے ٹامس نے اس موقعہ پر ایک پر جوش تقریر کی اور کہا کہ یہی آخری موقع ہو اگر اس وقت جی نہ چرائے تو میدان مار لیا ہو مسلمان کوئی دم میں بھاگے۔ میں نے قیصر کو اطلاع دے دی ہو اور تم خاطر جمع رکھو کہ بہت جلد تمہاری اعانت کو ایک لشکر جرار آنے والا ہو مگر اس کی تقریر اور کوشش سب بیکار نکلی۔ دمشق والوں کا سب سے زیادہ اپنے انجنوں پر بھروسہ تھا اور اُنکا خیال تھا کہ اب مسلمان ہمارے حملہ کی تاب نہ لاسکیں گے مگر اس ناکامی نے انکے دل توڑ دیے چہرے زرد پڑ گئے محاصرہ ستر روز کے قریب ہا اور اس مدت نے اُن کے تمام کاروبار چوپٹ کر دیے مجبوراً انہوں نے یہ چاہا کہ کسی طرح صلح ہوجائے چنانچہ رومیوں نے اب خالد سے التوار جنگ کی درخواست کی اور کہا کہ ہم صلح پر غور کریں گے مگر اسلام کے قانون جن پر آج تک دنیا حسد کر رہی ہو اور اسلام کے جائز دشمن بھی یہ کہتے ہیں کہ اسلامی قانون بے مثل ہیں اُن کے سامنے تھے اور وہ سمجھتے تھے کہ اگر دمشق تلوار سے فتح نہ کیا گیا تو مال غنیمت ہاتھ نہ آئے گا اسلیے کہلا بھیجا کہ مدت نا منظور صلح کرتے ہو تو کرلو۔

(۲۷)

وہ آفتاب جس کا طلوع یاسمین دمشق کو چکنا چور کریگا غروب ہو چکا کیلوث اور وردان کی موت نے مسلمانوں کو فتح کا کامل یقین دلا دیا نماز مغرب کے بعد خالد ابن ولید نے ایک پر جوش تقریر کی جس میں شجاعان اسلام کی جرات کا شکریہ تھا، یونس کے کارنامے اس کی صداقت اور ہمت کا جس وقت ذکر آیا تو مسلمان دنگ رہ گئے ابھی اُن کا تعجب ختم نہوا تھا کہ منذر ابن نعمان نے باواز بلند کہا یہ رات مسلمانوں کو ایک عجیب منظر دکھائے گی مسلمانوں کے مشہور

جری یونس کا امتحان آج دنیا میدان محبت میں لیتی ہے سرزمین شام ہماری جرأت
دیکھ چکی اور گو نفسانیت رومیوں کی زبان کھلنے نہ دے لیکن تاریخ آگے چلکر بتائیگی
کہ مسلمانوں نے کیسی کیسی قربانیاں چڑھا کر اسلام کا جھنڈا شام میں بلند کیا یہ
واقعہ ہے کہ ہماری شجاعت سے انکار ہماری ہمت سے گریز اور ہماری جرأت
میں تامل واقعات کا بطلان ہوگا۔ لیکن اس وقت ہمارا ایک طائر خوش الحان
حیات فانی کے شاداب شجر کی اس شاخ پر چہکتا ہے جس کو دنیائے انسان
محبت سے تعبیر کرتی ہے یہاں جرأت کی ضرورت ہے نہ شجاعت کی تلوار کا کام
ہے نہ بندوق کا اس سرسبز پودے کے خوشرنگ پھول اس بارآور درخت کے
شیریں پھل خلوص اور صداقت ہیں اور شام کی وہ قابل ناز ہستی جس کا آج سے
چند روز پیشتر تمام عیسائی دنیا کلمہ پڑھ رہی تھی معترف ہے کہ مسلمان جس طرح تلوار کے
دھنی ہیں اسی طرح دل کے غنی اگر میدان جنگ میں فتح ان کے سر پر منڈلاتی ہے تو
بازار محبت میں صداقت کے موتی ان کے سر پر نثار ہوتے ہیں یہ لڑائی کے وقت
مجسم جری ہوں لیکن محبت کے وقت خلوص کے پتلے ہیں۔ یہ وہ ہیں کہ اگر شجاعت
ان کے ساتھ اور فتح ان کے جلو میں ہے تو خلوص ان کے پاس اور رحم ان کے
قدموں میں۔

میں واقعات کے چہرہ سے تاریک پردہ اٹھاتا ہوں اور بتائے دیتا
ہوں کہ دمشق کی مایہ ناز ہستی شہزادی سلونیہ ہے جس نے عشق کی کسوٹی پر باپ
اور ماں دونو قربان کردیئے۔ قیدیں بھگتیں زندان دیکھے اور صراط محبت سے
نہ ڈگمگائی اور آج صبح کا آفتاب تمکو دکھائیگا کہ عورت ذات کس طرح اپنی بات
پر قربان ہوتی ہے۔ دنیا جبتک زندہ ہے اس کے کارنامے فراموش نہ کرے گی فصیل
کے کنگورے اور شہر پناہ کے پتھر اس کے گیت گائیں گے اور کیلوث دردان

کی وصیت کے بموجب یامین دمشق اس فصیل سے گرائی جائے گی۔

مسلمان متعجب تھے اور چاہتے تھے کہ جس طرح بھی ہو اسی وقت حملہ کریں اور شہزادی سلمونیہ کو دشمنوں کے قبضہ سے چھڑائیں مگر دروازے لوہے کی طرح حائل تھے اور کوئی راستہ نہ ملتا تھا وقت کی بات تھی کہ ایک سیاہ گھٹا مشرق سے اٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے تمام آسمان پر چھا گئی ہوا کا ایک طوفان تھا جس نے چاروں طرف آفت بپا کردی اور وہ دہونتال پانی شروع ہوا کہ خیموں میں ٹخنوں ٹخنوں تھا رات آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی مگر پانی کی رفتار میں فرق نہ آتا تھا جب آسمان نے کسی طرح کروٹ نہ لی اور رات اور زیادہ سیاہ ہوتی گئی تو یونس بڑے بڑے رسے ساتھ لیے اٹھا اور منذر بن نعمان سے کہا میں تم سب کو اس خدا کے سپرد کرتا ہوں جو اس امر کا شاہد ہے کہ باوجود تمہاری فریفتگی کے جو دیوانگی کی حد کو پہنچ چکی ہے اس وقت تک یونس کی ہر نگاہ جو سلمونیہ کے چہرہ پر پڑی اور ہر خیال جو سلمونیہ کا یونس کے دل میں آیا راہ راست سے بھٹکا ہوا نہ تھا مقابلہ رومیوں اور مسلمانوں کا نہیں تثلیث اور اسلام کا اور مقابلہ شہزادی سلمونیہ کا نہیں اس عورت کا ہے جو اسلام کی پناہ میں ہے۔ دعا کرنا کہ خدا مجھے اپنی کوشش میں کامیاب کرے اتنا کہکر یونس خندق کے کنارے پر آیا ایک تناور درخت سے رسے باندھ کر بسم اللہ کہکر خندق میں اتر پڑا اب رات سر پر اور فصیل روبرو تھی رومیوں نے شام ہی سے شہزادی کو فصیل سے جکڑ دیا تھا۔ گھوڑے کی ایک مضبوط میخ زمین میں گاڑ کر اس سے رسا باندھا اور کوشش کرتا رہا کہ رسے کا دوسرا سرہ اوپر کسی پتھر میں اٹک کر کمند کا کام دے یہ کوشش کامیاب ہوئی اور رسی کی ایرانی میخ جو اسی غرض سے بنائی جاتی ہے اوپر جا کر اٹک گئی مگر چان جوکھوں کا کام اور پورے خطرہ کا وقت تھا لیکن

یونس کو کچھہ نہ دکہائی دیا اور وہ اوپر چڑہا اندہیر اغضب کا تھا اور وہ بھول جیسے ایک عالم وہ چاند جیسے ایک دنیا وہ سلمونیہ جس نے ایک دنیا کو مہکا روشن اور مسخر کر رکہا تھا بند ہی ہوئی سامنے کہڑی تھی افسوس یہ ہر کمند منزل مقصود تک نہ پہنچی اور فصیل کا مینارۂ انتہائی یونس سے تین چار ہاتھ دور رہا۔ اب اتنا وقت نہ تھا کہ وہ نیچے آتا اور دوبارہ کوشش کرتا صبح اس کی سرفروشی کا منظر دیکھنے اپنی کمین سے چلی مسلمانوں کے لشکر نے نعرۂ توحید بلند کیا یونس رسی سے لپٹا پڑا تھا۔ اسی حالت میں سر خدا کے حضور میں جھکایا، نماز پڑہی اور دعا مانگی۔

(۲۸)

خالد کے جواب نے رومیوں کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا اور اب اُن کو اپنی بربادی کے یقین میں کسی قسم کا تامل نہ تھا۔ ٹامس پاک چشم نے جس کی ایک آنکھہ امان کی بیوی کا تیر لے چکا تھا اس موقعہ کو بسا غنیمت سمجھا اور دروازہ شہر پر رومیوں کو جمع کر کے کہا یہ آخری وقت ہے اور تمکو اختیار ہے کہ اگر غلاموں کی زندگی بسر کرنی منظور ہے تو ہمت ہار دو اور اپنی جانیں اپنے مال اپنی ناموس لٹیروں کے سپرد کر دو مگر یاد رکہو کہ موت چند روز میں تمکو اور تمہاری زندگی کو ختم کر دے گی لیکن تمہاری آیندہ نسلیں جب اپنی حکومت سلطنت کہو کر مسلمانوں کے سامنے ذلیل و خوار کہڑی ہوں گی تو اُن کی بربادی کا تمام بار تمہاری گردن پر ہو گا۔ تم بھاگتے نہیں بلکہ اپنی عزت اور آبرو دشمن کے ہاتھ میں دیتے ہو تم صلح نہیں کرتے بلکہ اپنے بچوں کو ظالموں کا غلام بناتے ہیں میں تم سے کہہ چکا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں کہ اس سے بڑی غلطی اس سے بڑا گناہ اس سے زیادہ لغو اس سے زیادہ خطا دوسری نہ ہو گی اگر تم یہی تہیہ کر چکے ہو تو اتنی بات میری بھی سن لو کہ اس سے پہلے کہ ڈاکو تمہاری ماؤں بہنوں کو ہاتھ لگائیں تمہارے ہاتھ

چھینیں تمہارے بچوں پر ستم توڑیں عقل کا تقاضا یہ ہے کہ تم خود اپنے گھروں میں آگ لگاؤ بیویوں کو ذبح کر دو اور بچوں کو مار ڈالو اگر درحقیقت تم اب کسی طرح مقابلہ کی ہمت نہیں رکھتے تو خود مکاروں کے پھندے میں پھنسو مگر یسوع مسیح کا واسطہ بھولی بھالی عورتوں اور معصوم بچوں کو اس مصیبت میں نہ پھنساؤ۔ اگر تم اس پر رضامند ہوا ور میری تجویز سے اتفاق کرو اور مجھے یہ یقین ہوجائے کہ تم طوق غلامی گلے میں ڈالکر اُن کے آگے سر جھکاتے ہو تو میں پہلا شخص ہوں گا جو اس رائے پر عمل کروں گا اور تمہارے سامنے یہ تلوار اپنی بیوی اور ہرقل کی بیٹی کو مع اس کے تینوں بچوں کے قتل کرے گی۔ میں تمکو بتا چکا اور سنا چکا کہ ایک لاکھ جری لشکر قیصر کا مسلمانوں کا سر کچلنے روانہ ہو گیا وہ انطاکیہ سے آگے بڑھ چکا ہے اور تعجب نہیں کہ دو ہی ایک روز میں یہاں تک پہنچ جائے تم اپنی بیوقوفی اور نادانی سے پریشان ہو گئے اور موت کے منہ میں جاتے ہو دو مہینے سے زیادہ ہو گئے میں نے بھی دیکھا اور تم بھی دیکھ رہے ہو کہ مسلمان شہر کا محاصرہ کیے پڑے ہیں مگر اُنہوں نے اس وقت تک کیا لے لیا جو آئندہ کچھ کرلیں گے رسد اُن کے پاس ختم ہو گئی ہتیار اُن کے پاس رہے نہیں ایک جان البتہ باقی ہے وہ تمہاری ملکیت ہے۔ خالی ہاتھ پیردل کی تھوں شان ہے اگر تم اس وقت نہ سنبھلے اور اُن کے رعب میں آگئے تو عمر بھر تم ہی نہیں تمہاری اولاد بھی سر پر ہاتھ رکھکر روے گی۔ کس قدر احسان کیا ہے ہمارے بھائی یہودیوں نے کہ غیر ہو کر ہمارے ساتھ جانیں لڑا دیں اور اس شجاعت سے پتھر برسائے کہ مسلمان اس کو بھول نہیں سکتے ان کو جن بہادروں پر ناز تھا وہ سب کام آچکے اب یہ صرف سپاہی سپاہی ہیں تم زیادہ نہیں صرف ایک دو روز اور ان کو روکے رہو اور یقین کرلو کہ قیصر کی فوج آندھی اور مینہ کی طرح اڈی چلی آرہی ہے۔

اس تقریر نے رومیوں کے دلوں میں ایک نئی روح پھونکدی بیوی بچوں کے

خیال اُنکے دلمیں ایسا جوش پیدا کیا کہ وہ فوراً ہی دروازہ کہول باہر آگئے مسلمان سو بہی رہ کر تھے اور جاگ بہی کہ رومیوں نے سر توڑ حملہ کیا مگر یہ حملہ زیادہ تر غربی دروازہ تھا۔ دشمن کے باہر نکلتے ہی محافظ مسلمانوں نے تیاریاں شروع کریں اور اس سے پہلے کہ رومی پہلے حملہ کی طرح آج بہی بیخبری میں مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں لشکر مسلح ہوکر مقابل آگیا۔ اس وقت مسلمانوں نے ایک اور تدبیر کی اور یہ خیال اُنکے ذہن میں پچہلے حملے سے پیدا ہوا تھا کہ وہ اس معرکے میں دشمن سے پیچہے ہٹے ٹامس اس موقعہ پر تفصیل سے تمام کارروائی دیکھہ رہا تھا مگر ہشیار رہتا تھا نیچے نہ آتا تھا اور اوپر ہی سے احکام جاری کر رہا تھا مسلمانوں کے ہٹتے ہی اس نے اپنی فوج کو مبارکباد دی اور کہا آگے بڑہو رومی اتنی شہ پاتے ہی آگے بڑہے مسلمان اور پیچہے ہٹے۔ اب ٹامس کو مسلمانوں کے فرار کا پورا یقین تھا باواز بلند کہا رومی بہادروں میدان مار لیا ہے مسلمان بھاگے ان کا پیچہا نہ چہوڑنا۔ اب مسلمان سنبہلے اور مقابلہ شروع ہوا۔ ادہر شرجیل اپنا رسالہ لیکر دروازہ کے سامنے آکھڑے ہوے اودہر مسلمانوں نے جم کر مقابلہ شروع کیا تو رومیوں پر غالب آئے اور اب رومیوں کو پیچہے ہٹنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا ادہر پلٹ کر دیکہتے ہیں تو مسلمانوں کا رسالہ سر پر موجود ہے۔ یہ بہی عجیب وقت تھا۔ ٹامس نے فوراً تیر برسانے شروع کیے اور مسلمانوں کو ہٹنا پڑا اگر وہ اس طرح آگے بڑہے کہ رومیوں کو دائرہ میں لے لیا اور یہ تمام جمعیت ہتیار ڈالنے پر مجبور ہوئی۔ رات کا وقت تھا مسلمان اس مختصر فتح پر بے انتہا خوش ہوئے اور قتل موقوف کردیا اس کا...... نتیجہ یہ تھا کہ جو رومی قتل ہوچکے تھے وہ قتل ہوئے اور باقی اپنی جان بچاکر شہر میں جا پہونچے

رومیوں کے دلوں میں جو تہوڑی ہمت لڑنے کی ہوس باقی تھی وہ اس حملہ میں

پوری ہوگئی اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ مسلمانوں کا مقابلہ ہنسی ٹھٹھا نہیں ہے تاہم انہوں نے ہر چند
اب بھی اُبھارنے کی کوشش کی مگر اب رومی اُس کے قبضہ میں نہ آئے اُن کو چونکہ یہ
معلوم ہوگیا تھا کہ جابیہ دروازہ کا افسر ابوعبیدہ نہایت رحمدل اور سیدھا سادا
آدمی ہے اس لیے رات ہی کو ایک مختصر دستہ مع چند پادریوں کے اُن کی خدمت
میں پہنچا اور کہا کہ ہم ہر طرح صلح پر آمادہ ہیں آپ قتل وخون موقوف کیجئے اور شہر میں
آجائیے ابوعبیدہ نے اس درخواست کو منظور کیا اور کہا کہ صلحنامہ طیار کیا جائے
اس تجویز کی تکمیل اس طرح ہوئی کہ صلحنامہ لکھا گیا اور یہ شرطیں ہوئیں کہ
مسلمان شہر پر قبضہ کرلیں وہ رومیوں کی جان ومال کے ذمہ دار ہیں شہر والوں کو
اختیار ہے کہ اگر وہ دمشق میں رہنا چاہیں تو رہیں اور اگر جانا چاہیں تو اپنا مال واسباب
لیکر چلے جائیں شہر کے سات گرجا شہر والوں کے ساتھ ہمیشہ مخصوص رہیں گے اور
مسلمان اُن سے تعرض نہ کریں گے جب یہ عہدنامہ مرتب و مکمل ہوگیا تو ابوعبیدہؓ کے
سامنے دستخطوں کے واسطے پیش ہوا۔ انہوں نے کہا میں عام سپہ سالار نہیں ہوں
اس لیے میں دستخط نہیں کرتا مگر یہ وعدہ کرتا ہوں کہ مسلمان شرائط پر عمل کریں گے
دشمن نے ابوعبیدہ کے اس ارشاد کو سر آنکھوں پر رکھا اور جابیہ دروازہ کھولدیا گیا
اور ابوعبیدہ مع سو سواروں کے اس دروازہ میں سے شہر پر قبضہ کرنے کے واسطے
داخل ہوئے۔

ادہر کا واقعہ تو یہ رہا ادہر ایک اور منظر پیش آیا مشرقی دروازہ پر ایک اور
ل کہلا۔ خالد ٹہل رہے تھے کہ دفعتہ ایک شخص جس کا نام یسوع تھا سامنے آیا اور
کہا مجکو اور میرے خاندان کو امان دیجئے میں اس صلہ میں مسلمانوں کی فوج کو شہر میں
داخل ہونے کا راستہ بتاتا ہوں یہ درخواست خالد نے منظور کی اور سو سوار ایک دروازہ
سے شہر کے اندر داخل ہوئے۔

جلاد رومیوں نے جو تماشہ دنیا کو دکہایا دنیا اس سے کانپ ہی ہر آفتاب لرزلرز کر برآمد ہوا اور زندہ دنیا کو دکہایا کہ صداقت کی حور فصیل سے بندی کہڑی ہر اوران نیت کا تپلا کمند سے لپٹا پڑا ہر چند مسلمان اس دہشتناک منظر کو خندق کے کنارے کہڑے دیکہہ رہے تہے کہ سلمونیہ نے اُن سے کہا۔

یہ صورت جس نے ہزاروں آنکہیں پامال کیں فنا ہونے والی تہی اور حقیقتاً قدرت کا تماشہ تہا جو سے۔ زمین شام نے دیکہا بہت سے دل ان زلفوں کی کمند میں مسخر ہوے بہت سی خواہشیں اس جسم کو دیکہکر پیدا ہوئیں اور فصل بہار کی طرح بیسیوں بلبل یا دگل میں چہچہائے۔ جس طرح یہ پہول بالآخر مرجہانے والا تہا اسی طرح خواہشیں پیدا ہوکر مٹنے والی اور نغمہ ہوائیں گونج کر ختم ہونے والا یہ سے زمین جو آج شہر پناہ کو گود میں کہڑی ہر اور یہ شہر پناہ جو اب مجہکو ابدی نیند سلاتی ہر کبہی جنگل بیابان تہا اور آج یونان کی آبادی کا مرثیہ پڑہ رہا ہر یہ خندق جو میرے واسطے منہ پہاڑے بیٹہی ہر ہمیشہ خندق نہ رہیگی، یہاں خاک کے تودے اُڑیں یا رنگ برنگ کے پہول۔ لیکن مبارک ہوگا اس خندق کا وہ حصہ جس کے آغوش میں سلمونیہ کی روح جسد خاکی سے جدا ہو۔

میرے عزیز بہائیو میں سلطنت کی مالک بادشاہ کی لڑکی اور قیصر کی بہانجی ہوں۔ کوئی دنیوی نعمت کوئی ظاہری اعزاز کوئی زندگی کی خواہش ایسی نہ تہی جو مجہکو میسر نہو حکومت میرے قدموں میں تاج میرے سر پر حسن میرے پہلو میں اور دنیا میرے ہاتھوں میں لیکن مجہے حق ہر کہ کہوں اور کہتی ہوں کہ میں رومیوں کے واسطے نہیں تمہارے لیے ایک نمونہ تہی تمنے دیکہا اور میں نے دکہا دیا دنیا سنیگی اور میں سنوادونگی کہ کس طرح مذہب اسلام کو کلیجہ سے لگانے

لگانیوالی عورتیں اپنی عزت کو ذلت سے اپنی حکومت کو مصیبت سے اور اپنی زندگی کو موت سے بدلکر خدا کے حضور میں جاتی ہیں میں نے ابتک نہ کہا مگر آج ان عزیزوں کے سامنے کہتی ہوں کہ میں مسلمان ہوں اور تم شاہد ہو کہ میں کلمہ توحید کا اعتراف تمہارے روبرو کرتی ہوں اسلامی تاریخ اگر مجکو مسلمانوں میں جگہ نہ دے اور تثلیث مجھے اپنی صف میں بٹھائے تو یہ وہ ظلم ہوگا جس کا مواخذہ میں خدا کے ہاں کرونگی یونس میرا محبوب ہے میرا محسن ہے میرا عزیز ہے اور صادق ہے میرا اسلام اس تک پہنچا دینا۔

رومیوں کے باجے زور شور سے بجے جلاد فصیل پر چڑہا اور تیسرے باجے پر رسی کاٹ دی۔

خدا دشمن کو بھی وہ وقت نہ دکھائے ہوا نے اس پھول کو فصیل سے اُڑایا اور زمین نے اپنی طرف کھینچا آسمان اور آسمان کے بسنے والے زمین اور زمین کے رہنے والے خاموشی کے ساتھ اس منظر کو کلیجہ پکڑے دیکھ رہے تھے ملکہ دو گز چلی ہوگی کہ رسی سے ایک ہاتھ آگے بڑہا اور مجرم کو اپنی بغل میں لیکر سینہ سے لگا لیا مسلمان تماشائی کنار خندق پر کھڑے تھے اور گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہے تھے کہ دونو عاشق و معشوق بخیریت تمام سطح زمین پر پہنچیں۔

دونو ایک دوسرے سے زیادہ اور ایک سے ایک افضل تھے ایک خلوص کی پتلی تھی دوسرا صداقت کا دیوتا۔ کوششیں رائگاں نہ گئیں اور خندق میں پہنچکر دونو سجدۂ شکر میں گر پڑے دیر تک دعا مانگتے رہے یہاں کمند تیار تھی یونس نے اپنی محبوبہ کو سینہ سے لگالیا اور رسی پر چڑہ کر لشکر میں آپہونچا۔

(۴۰)

حضرت خالد کی تلوار دمشق میں داخل ہوتے ہی بجلی کیطرح چاروں طرف کوندنے لگی

اور آدمی قتل ہونے شروع ہوئے دمشق کے گلی کوچے خون سے شرابور ہو گئے اسی طرح قتل کرتے ہوئے مریم کے گرجا تک پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ابوعبیدہ اور اُن کے سوار تلواریں میان میں کیے بیٹھے ہیں اور عورتیں اور بچے اُن کے چاروں طرف موجود ہیں۔

ایک تعجب تھا جس کی حد نہیں ایک حیرت تھی جس کی انتہا نہیں دونو سردار اور دونو فوجیں سناٹے میں رہ گئیں کچھ دیر تامل کے بعد خالد کی تلوار بدستور سیف الہی کے جوہر دکھانے لگی رومیوں کا خیال تھا اور بالخصوص اس گروہ کا جو ابوعبیدہ کے داخلہ سے واقف تھا کہ ہم تیغ دشمن سے مامون ہیں مگر جب نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے تو مرتا کیا نہ کرتا رومی قتل ہوتے جاتے تھے اور مسلمانوں کی وعدہ خلافی پر اظہار نفرت کرتے جاتے یہ الفاظ ابوعبیدہ کے کان تک پہنچے اور گو ان کی طبیعت کا انکسار مشہور تھا مگر اس وقت اسلام کے جوش نے ان کو بیچین کر دیا اور اُنھوں نے خالد کو غضبناک نظروں سے دیکھکر کہا ہاتھ روکو اور اسلام کو بدنام نہ کرو۔

خالد کیسی بدنامی۔

ابوعبیدہ ہمکو خدا نے یہ ملک بغیر خون بہائے دیا ہے۔

خالد ہمنے یہ ملک تلوار کے زور سے فتح کیا ہے۔

ابوعبیدہ میں نے ان سے معاہدہ کر لیا ہے اور اُن کے پاس صلحنامہ موجود ہے

خالد آپ کو میرے مشورہ کے بغیر صلح کا کوئی حق حاصل نہ تھا۔ میں دل کھولکر قتل کروں گا۔

ابوعبیدہ۔ میں صلح کا مجاز نہ تھا یہ دوسری بحث ہے۔ لیکن صلح میں نے بحیثیت ایک مسلمان کے کی ہے اس لیے میرے معاہدہ کی تکمیل ہونی ضروری ہے

خالد بن ولید عجیب کشمکش و پیچ میں تھے اور اُنکی فوج برابر قتل عام کر رہی تھی ابو عبیدہ سے یہ حالت نہ دیکھی گئی اور وہ فوج کے پاس پہنچکر اس طرح مخاطب ہوئے

تم ایک مسلمان کے وعدہ کو کافروں کے سامنے قدموں سے ٹھکراتے ہو میں تمکو خدا اور اس کے رسول کا واسطہ دیتا ہوں کہ تم اس وقت تک ہاتھ نہ اُٹھاؤ جب تک میرا اور خالد کا فیصلہ ہو جائے۔

اس واسطہ کا نام آتے ہی بہادروں نے گردنیں نیچی اور تلواریں میان میں کرلیں۔ اب دونو افسر خالد اور ابو عبیدہ مریم کے گرجا میں داخل ہوے اور بحث ہوتی رہی گو اس وقت فوج کی بڑی تعداد ابو عبیدہ کی طرفدار تھی اور کہتی تھی کہ مسلمان کا معاہدہ سچ کرنا ضرور ہے۔ اگر آج ہمنے وعدہ خلافی کی تو ہر جگہ یہ نظیر ہو گی اور آیندہ ہماری بات کا اعتبار جاتا رہیگا مگر خالد بن ولید کا اصرار یہی تھا کہ میرے مشورہ کے بغیر ابو عبیدہ کو صلح کا کوئی حق نہ تھا۔ مسلمانوں نے اس فتح میں ہر قسم کی مصیبتیں برداشت کی ہیں اور عزیز سے عزیز قربانیاں چڑھا کر یہ دن دیکھا ہے اگر اس وقت بھی انکے حوصلے نہ نکلے اور یہ اس انعام سے محروم کر دئیے گئے جو خدا نے انکے واسطے مقرر کر دیا تو ان کو اس محنت کا کیا صلہ ملا۔

بحث کئی گھنٹے تک جاری رہی اور بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ معاملہ امیر المومنین کی خدمت میں بھیجدیا جائے اور جو فیصلہ وہاں سے ہو اس پر کاربند ہوں

ٹامس کے دل میں چونکہ کینہ بھرا ہوا تھا اس نے اب دمشق میں رہنا قبول نہ کیا اور کہا میں انطاکیہ جاتا ہوں پروانہ راہداری مرحمت ہو خالد بن ولید نے یہ درخواست منظور کی اور اس کو اس شرط پر اجازت دیدی کہ وہ کھانے پینے کی چیزوں کے سوا کوئی چیز اپنے ساتھ نہ لے یہاں پھر بحث شروع

شروع ہوئی ابوعبیدہ نے کہا میرے معاہدہ میں یہ شرط ہے کہ یہ لوگ اپنا اسباب ساتھ نہیں لیجا سکتے۔ خالد بن ولید نے مجبور ہوکر یہ شرط منظور کی اور اسباب کا لیجانا جائز رکھا مگر یہ شرط لگادی کہ ہتیار نہ لیجا سکیں ابوعبیدہ نے اس پر بھی اعتراض کیا اور آخر کار یہ طے ہوا کہ صرف اس قدر ہتیار لیجائیں جو چوروں سے محفوظ رکھ سکے ٹامس اچھلتا کودتا ہشاش بشاش دمشق سے باہر نکلا اور ایک مرغزار میں اپنا خیمہ نصب کیا یہاں تمام گروہ جو جلا وطن ہوا تھا جمع ہوا اور اپنا مال و اسباب اکھٹا کیا اس سامان میں قیصر ہرقل کی ایک بیش قیمت عبا تھی جو ٹامس کی بیوی یعنی ہرقل کی لڑکی کے قبضہ میں تھی۔

ان جلاوطنوں میں سے اکثر محلوں کے رہنے والے تھے اور وطن کی مفارقت اُن کو آٹھ آٹھ آنسو رلا رہی تھی مگر اپنی شرارت سے اب بھی باز نہ آتے تھے۔

جس وقت یہ قافلہ دمشق سے چند میل دور نکل گیا اتفاق سے وہاں ایک مسلمان سوار ان کے سامنے گزرا اور ان لوگوں نے دل کی بھڑاس نکالنے کا اچھا موقعہ پایا اور اس کو بیدردی سے قتل کردیا یہ خبر جس وقت مسلمانوں کے کان تک پہنچی اور اُن کو معلوم ہوا کہ سیاہ کار مغرورین جوازلی نابکار تھے رحم کے بدلے ظلم اور کرم کے عوض ستم کیا تو بیتاب ہوگئے اور قصد کیا کہ فوراً روانہ ہوں اور پناہ گزینوں کا جو ایسے جفاکار اور دغاباز ثابت ہوئے قلع قمع کردیں۔

ایک بے گناہ مسلمان کا قتل جو دغا کے نام سے بھی آشنا نہ تھا ایک بہادر عورت کی بیوگی جس کے احسانات سے فتح دمشق کی گردن جھکی ہوئی تھی دو معصوم بچوں کا تیم ہونا جو ابھی ماں کی گود سے بھی جدا نہ ہوئے تھے۔ ایسا واقعہ نہ تھا کہ مسلمان سنتے اور اڑادیتے دیکھتے اور پی جاتے ایک برقی رو تھی جو اس سرے سے اُس سرے تک دوڑ گئی اور سب نے باآواز بلند کہا، حمیر کے خون کا ہر قطرہ دمشق سے زیادہ قیمتی ہے ہم جب تک

ان مکاروں کو پورا مزہ نہ چکھالیں گے ہمکو چین نہ آئیگا ہمنے جس صداقت کا ثبوت اس معرکہ میں دیا جس خلوص کے جوہر اس جنگ میں دکھائے دمشق اور ایک دمشق اور شام کیا دنیا ہمیشہ اس کو یاد رکھے گی ہمنے اس قوم کے سامنے اس جمعیت کے مقابل جو ہمارے خون کی پیاسی تھی جس نے ہماری بربادی میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا رہے زمین کو بتا دیا کہ انسانیت اور اسلام ایک ہی چیزیں ہیں ہم نے دشمن پر قابو پا کر صرف اسلیے کہ ایک مسلمان کی زبان معاہدہ کر چکی تھی اپنی تلواریں میان کرلیں ہم نے دشمن کو شکست دیکر فقط اس واسطے کہ ہمارے چاند سے چہروں پر تاریخ میں داغ نہ آئے اسکو دوستوں کی طرح امان دی مگر افسوس صد افسوس ہمارے کرم کا انجام یہ اور ہمارے رحم کا نتیجہ ایسا۔

اب اس بہادر کی تلوار جس کی ایجادیں آجتک دنیا کو سبق دے رہی ہیں چمکی یہ انسانی نہیں خدا کی تلوار تھی ساتھ ہی سرزمین دمشق نے یہ الفاظ اپنے کان سے سنے مسلمانو! تمہارا جوش درست تمہاری حمیت بجا حمیرا کی موت پر جس قدر بگڑو ٹھیک اور جو کچھ کرو جائز میں تمہاری پریشانی سے بیخبر نہیں تم سے زیادہ رنجیدہ اور کم مغموم نہیں میری حالت اگر زیادہ نہیں تو کم اور میری کیفیت اگر بڑھ کر نہیں تو تم سے گھٹکر بھی متاثر نہیں ہے جس طرح فتح دمشق میں تمہارا شریک تھا جس طرح میدان جنگ میں تمہارا ہمدم و ہمراز اسی طرح اس وقت بھی تمہارے صدمہ میں برابر کا شریک مگر بتاؤ جو پوچھتا ہوں اور سنو جو کہتا۔

ایفاء عہد تمہارا فرض تھا تم نے اگر ابو عبیدہ کی زبان کا پاس اور الفاظ کی لاج رکھی تو اسلام پر احسان نہیں نہ کرتے ذلیل ہوتے رسوا ہوتے وہ قابل ملامت ہستیاں جنہوں نے اپنے سیاہ کارنامے دنیا میں چھوڑے گو آج مدتیں ہوئیں یہاں سے ناپید ہو چکیں مگر آج تک دنیا اُن پر لعنت کے نعرے لگا رہی ہے مگر

اسی طرح وہ پاک بندے جنہوں نے زندگی کے کسی شعبہ میں صداقت کو ہاتھ سے نہ دیا اگرچہ اس وقت موجود نہیں مگر یاد رکھو اور سن لو جو کہتا ہوں اور سنا تا کہ یہ بھی دنیا جو بعد الموت ایک کسوٹی ہے اُن کے نام سر آنکھوں پر رکھہ رہی ہے اسلام تمہاری عنایت کا ممنون نہیں جو کچھہ کیا اپنے واسطے اور جو کچھہ کروگے اپنے لیے،

میں اب بھی کہتا ہوں کہ ظالم سخت سے سخت سزا کے مستوجب اور رحم کے مستحق نہیں مگر مسلمان ہو کر اتنی جلدی آپے سے باہر نہو تم اس ہادی برحق کے نام لیوا ہو جس نے سخت سے سخت اذیت میں بھی دشمن کے لیے دعائے خیر کی ضبط کرو، دم لو، کھاؤ پیو اور پھر آگے بڑہو۔

ہادی برحق کا نام آتے ہی مسلمانوں کی گردنیں نیچے جھک گئیں سب نے اپنی کمریں کھولدیں ہتیار ڈالدیے اور خاموش ہوگئے۔

( )

دمشق وشام کی وہ سرزمین جو ہر وقت کفر وظلمت کی صداؤں پر لبیک کہتی رہی آج توحید کے نور سے معمور ہے قصر شاہی کے در و دیوار شہر کے کوچہ و بازار جنہوں نے تمکنت کی گود اور نخوت کی آغوش میں آنکھہ کھولی اس وقت فنا کا درس اور عبرت کا سبق ہیں وہ پھول اور کلیاں جن کی خوشبو متوالے و ماغوں کو شب و روز مست رکھتی تھیں آج جھوم جھوم کر خدائے واحد کی تسبیح پڑہ رہی ہیں، دریا جس کی لہروں نے عیش و نشاط کے پہاڑ اگلے اس وقت بہ بانگ دہل اسلام کی حقانیت کا نعرہ لگا رہا ہے غرض زمین کا ہر ذرہ باغ کی ہر پنکھڑی جنگل کا ہر تنکا عمارت کی ہر اینٹ اور درخت کا پتہ رسالت کی روشنی سے معمور ہے۔ دمشق سے شاید پانچ میل دور دامن کوہ میں جہاں چشمہ وحدانیت کے شادیانے بجا رہا تھا۔ چاندنی رات میں یونس اور سلمونیہ خاموش بیٹھے

تھے آب رواں سلمونیہ کے پائے نازک پر ہوا اس کے رخ روشن پر اور چاندنی زلف سیاہ سے اٹکھیلیاں کر رہی تھے دفعتہً یونس نے نہایت سنجیدگی سے کہا تو کیا وہ وقت ابھی دور ہی جب یہ تمام ہستیاں صرف ایک ہستی کے تابع ہو کر کائنات کو مسخر کر رہی ہیں میری ملکیت ہو جائیں سلمونیہ کیا میرا یہ کہنا غلط ہوگا اس نازک جسم کا ہر عضو ایک پھول ہی جو گلشن حیات میں علیحدہ علیحدہ کام کر رہا ہی میں دیکھ رہا ہوں کہ اس بے نظیر ہستی نے اردگرد کی ہر شے پر وجد کی کیفیت پیدا کردی چاند چکرا رہا ہی درخت جھوم رہی ہیں ہوا اٹھلا رہی ہی پانی مچل رہا ہی میں کہوں گا اور سچ کہوں گا چاند شرما رہا ہے اس میں اروشنی کی قوت سہی مگر اس حسن سے محروم ہی۔ کیوں شہزادی کیا میری کوئی بات قابل جواب نہیں۔

سلمونیہ میں نے اس سے پہلے بھی کہا اور اب بھی کہتی ہوں کہ مجھے اس قسم کی گفتگو پسند نہیں۔ تمہاری زبان ایک خاص جذبہ سے متاثر ہو کر یہ سب کچھ کہلوا رہی ہی یہ اس ناپائدار حسن کی اگر یہ واقعی حسن ہی اس وقت بھی وقعت نہ کی جب ملک اس کی پرستش کر رہا تھا اب آج کہ وقت نے وہ سماں برہم کیا اور وہ منظر پلٹ دیا کیا تم سمجھتے ہو کہ تمہاری باتیں مجھے مرعوب ہوں گی یہ مبالغہ ہی اور صریح کہ کائنات کی ہر شے مسخر ہو گئی ہر شے اپنا کام کر رہی ہی اور بتا رہی ہی کہ زندگی کی کسی حالت کو قرار نہیں چاند اس وقت خوشنما سہی مگر جلد اس کا نور ختم ہونے والا ہی یہ فانی صورت آنکھ سے کچھ کہہ رہی ہی لغویات کو چھوڑو اور کان دھر کر سنو!

یونس آج کیا ستو لگا ہیں تو متواتر دو سال سے دیکھ ہی رہا ہوں اور حسن بھی مجھ کو تو ہر چیز حسن سلمونیہ کی مداح نظر آرہی ہی۔ پتے جھوم رہی ہیں مگر اسی نام کو جپتے ہوئے بلبل تڑپ رہی ہی لیکن اسی حسن کو رٹتی ہوئی۔

سلمونیہ بعض اوقات ایک خیال انسانی دماغ میں ترقی کرتے کرتے خبط کی

حدتک پہنچ جاتا ہے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کے خیالات کسی فانی شے میں منہمک نہ ہوں بلکہ ان کا استغراق اس وجود میں ہو جو باقی رہنے والا ہے اگر یہ صحیح ہے جو تم کہتے ہو تو کیا یہ مٹنے والی صورت تمکو صانع حقیقی کی جانب نہیں کھینچتی۔

ابھی سلمونیہ کا فقرہ ختم نہ ہوا تھا کہ پشت پر آدمیوں کی آہٹ معلوم ہوئی دیکھا تو چار مسلح آدمی آرہے تھے اس سے پہلے کہ یونس کھڑا ہو تلوار کا ایک پورا ہاتھ اس کے بازو پر پڑا۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک دوسرا وار اور۔ پھر بھی مجروح نے اٹھنے کا قصد کیا مگر ناکام رہا اور تیسرے حملہ نے بالکل ہی بیکار کر دیا اور یونس وہیں تڑپنے لگا۔ اب چاروں مسلح آدمی سلمونیہ پر جھپٹے مگر وہ خود خنجر آبدار ہاتھ میں لیے آگے بڑھی ابھی کوئی کچھ کہنے نہ پایا تھا کہ اسنے ایک شخص پر خنجر کا حملہ کرنا چاہا لیکن عورت تھی کامیاب نہ ہو سکی اور دو نے ملکے اس کے ہاتھ پکڑ خنجر چھین گرفتار کر گھوڑے پر بٹھا اپنا راستہ لیا۔

کوہ لبنان کے جنوب ایک وسیع سبزہ زار میں جس کے مشرقی کنارہ پر دریا لہریا لے رہا ہے پناہ گزین ڈیرے ڈالے پڑے ہیں۔ چشموں کا میٹھا پانی دریائے سیور کی روانی طائران خوش الحان کی چہک پھولوں کی مہک صبح کا سہانا وقت گرمی کا موسم ہوا کے ٹھنڈے جھوکے سبزہ لبنان انسان کے واسطے جنت الفردوس تھا ہیرس سپہ سالار گہانس کے ایک خوشنما قطعہ پر اپنی محبوبہ یوفرٹیا کو پاس بٹھائے دور شراب میں منہمک تھا اور گو اب دمشق و شام کا کام تمام ہو چکا تھا اور قتل عام نے ہمت نام کو نہ چھوڑی تھی مگر شراب نے پھر وہی خواب دکھانے شروع کئے ہیرس کھڑا ہوا تلوار کو بوسہ دیا اور کہنے لگا مہ جبین یوفرٹیا اس شکست نے تمام امنگوں کا خاتمہ کر دیا۔ مسلمان لیٹرے ایسے طاقتور نہ تھے کہ ہماری جری فوج جس نے

بہترین قربانیاں چڑہا کر دمشق فتح کیا تھا آسانی سے خانماں برباد رعیت کو دشمن کے حوالے اور ملک کو ظالم کے سپرد کر دیتی۔ مگر وقت کی بات ہر وردان اور کیلوث دونوں کی آنکھوں پر پردے پڑ گئے اور اس بری طرح پیچھے ہٹے کہ ہمکو منہ دکہانے کے قابل نہ رکہا بہلا یہ مٹھی بھر ڈاکو اس جم غفیر سے بازی لیجائیں۔ عقل کام نہیں کرتی قیاس حیران اور عقل پریشان ہر واقعات نے محال کو آسان اور ناممکن کو ممکن کر دکہایا تقدیر یا اتفاق کچھ نہیں محض غلطی تھی جس کا نتیجہ یہ ہونا یقینی تہا۔

یوفرٹیا یہ باتیں بے سود اور یہ رونا بیکار حقیقت یہ ہر کہ اب ہماری زندگی عبث اور حکومت قابل شرم جو ہونا تھا وہ ہوگیا اور بظاہر اب اس کی تلافی کی امید اور معاوضہ کی توقع نہیں حیرت ہر تعجب ہر افسوس ہر شرم ہر لعنت ہے قیامت ہر۔ سلونیسا ایک پھول تھا جو دمشق سے کہلا ایک چاند تھا جو شام میں چمکا ایک عورت تھی جو ملک میں پیدا ہوئی صورت سے سیرت سے عادت سے خصلت سے یہاں کیا کہیں بھی اور آج کیا کبھی بھی یہ دنیا ایسی صورت اب پیدا نہ کرے گی شام کو اس پر ناز دمشق کو اس پر فخر ملک کو اس سے عزت اور قوم کو اس سے وقعت کیا تم زندہ ہو اور دنیا کی کوئی حالت تمکو خوش کر سکتی ہر۔ اس وقت کہ سلونیسا ڈاکو بدمعاشوں کے قبضہ میں ہو زمین شق ہو جائے اور تم سے پہلے میں اس میں سما جاؤں۔ آسمان پھٹ پڑے اور مجھ سے پہلے شہنشاہ غارت و برباد ہو ہمارا جوشش ہماری حمیت ہمارا راج ہماری لاج سب ختم ہوئے۔

ہیرس نہیں یوفرٹیا ہاری نہیں ہمت نہ ہارجی نہ توڑ دیکہہ خداوند کیا دکہاتا ہر ایک پورا دستہ بیڑا اٹہا کر روانہ ہوا ہے اور انجیل ہاتھ میں لیکر قسم کہائی ہے اگر شہزادی کو زندہ نہ لا سکے تو شکل نہ دکہائیں گے۔

میں وہ ہوں کہ اس وقت خالد کی ہڈیاں چبا جاؤں مجھے تمام عمر کے

میں یہی ارمان رہا کہ ایک دفعہ اس ڈاکو سے مقابلہ ہو جاتا میں اس وقت علی الاعلان کہتا ہوں کہ آنکھوں پر پٹی باندھ کر اس کے سامنے چھوڑ دو اگر زندہ بچکر نکل جائے تو جو کہو گنہ گاری کے واسطے دینے کو موجود ہوں۔

سامنے سے عزرول ہنستا ہوا آیا ئسنے پہلے تلوار کی سلامی دی اور پھر کہا مسلمانوں کا قاصد حاضر ہے اب اُن کو یقین کامل ہے کہ عیسائی زندہ نہ چھوڑیں گے اسلیے صلح کی طرف مائل ہیں، مگر ظالموں نے جو جو ستم توڑے ہیں وہ ہم فراموش نہیں کر سکتے۔

ہیرس ہرگز نہیں ہرگز نہیں حاضر کرو!

قاصد پیش ہوا یہ مسلمانوں کا مشہور سردار سعید تھا مگر تعجب یہ تھا کہ باوجود دمشق کی فتح اور مال غنیمت کی اس کثرت کے کہ سامان کے رہنے کو کافی جگہ نہ تھی اور اس کی حفاظت ایک مصیبت تھی قاصد کی ہیئت ظاہری عیسائی فقیروں سے بدتر تھی۔ وہ مسلح ضرور تھا مگر کمبلی کا موٹا کرتہ اور چمڑے کے پرانے موزے اس کے اطمینان قلب کا پتہ دے رہے تھے۔ ہیرس نخوت کی نگاہ سے دیکھتا ہوا نفرت کے قدموں سے آگے بڑھا اور کہا۔

کیوں کیا پیغام لایا اب منت اور خوشامد فضول ہے یہ میری تلوار اس ظالم خالد کے خون کی پیاسی ہے اور میں نے عہد کر لیا ہے کہ جب تک اس کی پیاس نہ بجھالوں گا اطمینان سے نہ بیٹھونگا تو جلدی کہہ کیا کہتا ہے کیونکہ میں اب تم لوگوں کا سر کچلنے کے واسطے روانہ ہونے کو تیار ہوں اور میری بہادر فوج آج تمکو تمہارے اعمال کا مزہ چکھا دیگی۔

قاصد میں سپہ سالار افواج اسلامی خالد بن ولید کی طرف سے یہ پیغام لایا ہوں کہ ہمنے فتح دمشق کے بعد محض اس لیے کہ ایک مسلمان زبان دے چکا تھا

فتح کے تمام حقوق چہوڑ دیے اور تلوار روک لی۔ تم اس منظر کو بہول گئے لیکن جس قوت نے خدا کی اعانت سے تمکو وہ وقت دکہایا تہا وہ ابہی کمزور نہیں ہوئی اور اگر خدا کی اعانت شامل ہی تو وہ وقت دوبارہ آسکتا ہی ہمنے تمکو صرف اس لیے کہ ہمارا معاہدہ چڑیا کا پر نہیں کوہ گراں ہی تم کو باہر جانے کی اجازت دی مگر افسوس ہی تمنے ہماری مہربانیوں کا الٹا بدلہ دیا اور ایک بیگناہ مسلمان کو قتل کیا اگر اس کی کوئی خاص وجہ ہو تو ہمکو مطلع کرو اور اپنی بیگناہی کا یقین دلاؤ ورنہ یاد رکہو تمہارا ایک متنفس بھی یہاں سے زندہ نہ جائیگا۔

ہیربس کی آنکہیں غصہ سے سرخ ہوگئیں سانپ کی طرح ہنے لگا تلوار رکہا قاصد کی طرف بڑہا اور کہا۔

اس میں شک نہیں ہماری غلطیوں سے تم دغا اور فریب سے دمشق میں گہس آئے ورنہ تم مہینوں سے پڑے تھے فتح تو درکنار تمکو جان کے لالے پڑجاتے اور تمہاری جمعیت کو قبریں بھی اس زمین میں نصیب نہ ہوتیں جانور تمہاری لاشوں کو کہاتے اور فتح کا خواب تمکو پورا مزہ چکہاتا۔ خدا کی شان ہی اس غلطی کا نتیجہ یہ کہ تم اب بھی ہمکو کمزور سمجہتے ہو اور تمہارا خیال ہی کہ اس میدان میں یہ بقیہ جمعیت جو تمہارے خون کی پیاسی ہی تمہارے ہاتھوں شکست کہائے گی ہمکو اب زیادہ گفتگو اور لیت ولعل کی ضرورت نہیں جا اے مکار جماعت کے قاصد سامنے سے ہٹ اور اپنے دغاباز سپہ سالار سے کہدے کہ جو کچھہ کیا گیا جائز کیا گیا ایک مسلمان کیا اب عیسائیوں کی تلوار مسلمانوں کی لاشوں کے ڈہیر لگا دیگی خیر اسی میں ہی کہ دمشق خالی کردو اور اگر جان بچانی ہی تو فوراً گہر کا رخ کرو ورنہ شام سے پہلے پہلے خالد کا سر صلیب پر نظر آئے گا۔

(   )

کہنے کو کتنے ہی دن گزر جائیں مگر کل ہی کی بات ہے اور وہ سماں آنکھ کے روبرو کہ مسلمانوں کی فوج محاصرۂ دمشق کے واسطے مسجد نبوی سے روانہ ہوئی وسیع میدان لشکر سے پٹا پڑا ہے اور لوگ خلیفۂ وقت سے درخواست کر رہے ہیں کہ روانگی کی اجازت ہو صبح صادق کا سہانا وقت ہے مسلمان گھوڑوں پر اور مسلمانوں کا خلیفہ پیدل چلے جا رہے ہیں۔

لشکر آنکھ سے اوجھل ہوا اور اس مبارک ہستی نے جو اسلام میں صدیق کے نام سے مشہور ہوئی جس کے احسانات کا وہ اسلام جو کسی کا شرمندۂ احسان نہیں باوجود سخت کوشش کے معاوضہ نہ کر سکا جمعیت کو خدا کے سپرد کر گھر کی راہ لی دن فتح دمشق کی آرزوؤں میں اور راتیں کامیابی کی التجائیں کٹیں اور جب جنگ نے دوسرا رنگ اختیار کیا اور ابو عبیدہ نے دشمن کی طاقت کی مفصل کیفیت لکھی تو خالد کو ادھر بھیج اس زمین پر جس نے ہادی برحق کی منور پیشانی کو بوسہ دیا متواتر آٹھ گھنٹے سر رکھکر نصرت کی دعا مانگی۔ دن باتوں میں گزرے اور راتیں آنکھوں میں کٹیں مگر فتح کا مژدہ کان تک نہ پہنچا ایک روز آدھی رات کے وقت بارگاہ التجا میں رو رو کر التجا کی اور جس وقت موذن نے صدائے توحید سے سکوت شب کو توڑا تو باواز بلند کہا۔

انت وافی انت کافی فی مہمات الامور   انت حسبی انت ربی نعم لی نعم الوکیل

نگاہ آسمان پر تھی اور دل کامیابی کا متمنی نماز پڑھی آنکھ سے آنسو جاری ہوئے اور لب پر وہی استدعا۔

صدیق کی دعا سچے دل سے نکلی اجابت کا دروازہ کھٹکھٹایا اور عرش معلی پر پہنچکر جامۂ قبولیت سے سرفراز ہوئی مگر قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ صدیق اپنی آرزو کو ناپائدار دنیا میں بار آور دیکھتے بلکہ خدا کے مقدس فرشتے فتح دمشق کا مژدہ اس

پاک انسان کی خدمت میں پیش کریں نماز کے بعد گھر تشریف لائے غسل فرمایا اب بھی وہ ہی دعا بدستور لب پر جاری تھی اسی حالت میں بخار کا حملہ ہوا اور شام تک حالت بالکل ہی خراب ہو گئی یہانتک کہ اسلام کے دونو جواہر ریزے خالد ابن ولید اور ابو عبیدہ بن الجراح جس وقت دمشق میں داخل ہوئے صدیق اکبر نے دنیا سے کوچ کیا اور مسند خلافت عدل فاروقی سے مزین ہوئی۔

دنیا بہت پہلے سے زندہ ہے اور بہت بعد تک زندہ رہے گی راہبوں کے قیاس فاضلوں کی رائے مفتیوں کے فتوے بادشاہوں کے فیصلے شہنشاہوں کے انصاف آسمان اور زمین دیکھتے اور سنتے رہے اور رہیں گے مگر آج پیغمبر اسلام کا ایک نام لیوا مذہب اسلام کا سچا خادم شجاعت کا مخزن صداقت کا معدن انصاف کی جان حلم کی تصویر راستی کا پتلا دنیا کو صداقت کا وہ نمونہ دکھاتا ہے کہ خود آسمان سرنگوں اور انصاف اس ہستی پر قربان ہوگا تاریخ اس فیصلہ کو ایمان کی روشنی میں چمکائے گی اور اسلام کے جوہر درخشندہ کا فیصلہ جو دنیا میں بےمثل ہوگا دعوی کریگا کہ زندہ قومیں کان کھولکر سنیں اور آنکھیں پھاڑ کر دیکھیں کہ اسلام دشمنوں کے ساتھ معاملات میں وہ کچھ کر گیا کہ آج دوست دوستوں کے ساتھ نہیں کرسکتے۔

دن ختم ہوا مسلمان فریضہ مغرب ادا کر چکے فاروق اعظم مسجد نبوی میں خاموش بیٹھے ہیں چاروں طرف لوگ حلقہ کیے بیٹھے جنگ کے واسطے بیتاب ہیں کہ دفعتہً قاصد نے اندر داخل ہوکر سلام علیک کی صدا بلند کی۔

خلقت پروانوں کی طرح شمع دمشق پر گری اور ہر طرف سے تقاضا ہوا کہ نتیجہ جنگ جلد بتا تا آنکہ قاصد کے الفاظ فتح اور پیام سپہ سالار امیر المومنین کی خدمت میں پیش ہوئے۔ سب سے پہلے مسلمانوں نے نماز شکریہ ادا کی اس کے بعد امیر المومنین نے خالد ابن ولید کا خط پڑھا اور کہا۔

ابو عبیدہ کی زبان سے جو معاہدہ بحیثیت ایک مسلمان کے ہوا اس کی پابندی فرض ہے۔ گرجا کے جس قدر حصے میں خالد بن ولید تلوار کے زور سے داخل ہوئے وہ مسلمانوں کا مفتوحہ ہے مسجد بنا دیں مگر جس قدر حصہ میں ابو عبیدہ صلح کے بعد پہنچے وہ عیسائیوں کی ملکیت ہے ان کو مبارک ہے اس حصہ کی رتی بھر زمین مسجد میں نہیں مل سکتی!

عمر! تو نہیں ہے مگر تیرا فیصلہ موجود! اسلام تو ختم ہوا، مگر تیرے کارنامے زندۂ حیات دنیا چودہ سو سے اوپر منزلیں طے کر چکی با اقبال، قومیں ایماندار باد شاہ اپنے اپنے رنگ دکھا کر فنا ہوئے مگر جامع امیہ کی محرابیں باآواز بلند کہہ رہی ہیں کہ عدل فاروقی کا ادنیٰ نمونہ ہماری ہستی ہے یہ وہ فیصلہ ہے کہ چودہ سو نہیں چودہ ہزار صدیوں میں بھی انسانی دنیا اس کا جواب نہیں دے سکتی۔

( )

فتح دمشق کے بعد مسلمانوں کا خیال تھا کہ لڑائی ختم اور معاملہ طے ہو گیا عیسائیوں کی ہر التجا انہوں نے منظور کی مال غنیمت واپس کیا ہتھیار لوٹا دیئے اسباب کی اجازت اور جان کی امان دی مگر جب قاصد نے آکر پیام کا جواب دیا خالد بن ولید کا رنگ غصہ سے سرخ ہو گیا اور انہوں نے ابو عبیدہ سے کہا دیکھو تم نے میری رائے سے اتفاق نہ کیا اور ایسے شریر النفس لوگوں پر رحم کھا کر یہ نتیجہ اُٹھایا ابو عبیدہ نے جواب دیا میں نے اپنے معاہدہ کی پابندی کی اور کرنی چاہیئے۔ اب وہ کسی عنایت کے مستحق نہیں گرجا کا قبضہ خلیفۂ وقت کا حکم کرے گا۔ حملہ میں میں تمہارے ساتھ ہوں ان کی بدکرداری اور احسان فراموشی یقیناً سخت سزا کی مستوجب ہے۔ ابو عبیدہ کی گفتگو ختم ہوتے ہی مسلمانوں نے بالاتفاق کہا ہم سب سے پہلے اس گرجا کو مسمار کرتے ہیں اور جب تک یہاں صد لئے

توحید بلند نہ کریں گے قدم آگے نہ بڑہائیں گے اسوقت لشکر اسلام جوش سے بیتاب اور غصہ سے تھرتھر کانپ رہا تھا وہ کلیسہ کے انہدام کا مصمم ارادہ کر چکے تھے اور سپہ سالار کی اجازت کے منتظر تھے کہ خالد نے کہا۔

کیا خلیفۂ وقت کے ارشاد سے قبل تم محض اپنی رائے سے کسی کام کا انجام دینا بہتر سمجھتے ہو تمہارے سامنے واقعات امیر المومنین کی خدمت میں بھیجدیے گئے اور اب ہم حکم کے منتظر ہیں صبر سے کام لو اور وہ کام نہ کرو کہ اسلام پر حرف آئے رات سر پر آرہی ہی نماز فجر کے بعد روانہ ہوجاؤ اور جس طرح دشمن عہد توڑ کر کینہ ور ثابت ہوا اسی طرح اسکو جہنم پہنچادو۔

اب جمعیت اسلام خاموش تھی ہتیار کھول دیے گھوڑے باندہ دیے مگر قاصد کے جواب نے خالد اور ابو عبیدہ دونوں کو تشویش میں ڈالدیا تھا ان کو اندیشہ تھا کہ کہیں عیسائیوں کا امدادی لشکر نہ آگیا ہو اور وہ شبخون ماریں اس لیئے انہوں نے رات کا بڑا حصّہ خود جاگ کر گذارا اور اس کے بعد معقول انتظام حفاظت کا کر سو گیے

رات کا آخری حصّہ تھا ضرار اپنے گھوڑے پر سوار چاروں طرف دیکھہ بھال کر رہے تھے کہ اُنہوں نے قازان کے دروازہ سے ایک سوار نکلتے دیکھا اور تھوڑی دیر کے بعد دوسرا۔ ضرار کو شبہ ہوا قریب جاکر دیکھا تو دونو عیسائی تھے ضرار نے پہلے سوار کو گرفتار کیا تو اس نے بتایا کہ دوسرا سوار مرد نہیں میری معشوقہ جرجیسہ ہی چونکہ اس کے والدین اب اس کی شادی ایک اور شخص سے کرانی چاہتے ہیں اس لیئے ہم نے قصد کیا کہ یہاں سے بھاگ چلیں ضرار اس وقت خاموش ہوگئے اور صبح کے وقت خالد کے سامنے پیش کیا۔ اس نے اپنی مفصل کیفیت بیان کی اور یہہ دیکھکر کہ مسلمان حملہ کے واسطے تیار ہیں وعدہ کیا کہ میں ایک ایسے آسان رستہ سے مفرورین تک پہنچا دونگا کہ کسی قسم کی دقت نہو گی خالد نے اس کا شکریہ ادا کیا اس خلق نے

اس کے دل پر کچھ ایسا اثر کیا کہ وہ بغیر کسی ترغیب کے اسلام سے مشرف ہوا اور ساتھ ہی یہ درخواست کی کہ اطمینان کے بعد میری محبوبہ جرجیہ مجھکو دلادی جائے یہ درخواست قبول کی گئی اور مسلمان مفرورین کی طرف روانہ ہوئے ابھی دو ہی قدم چلے ہوں گے کہ ایک سوار نے آکر اطلاع دی کہ یونس قتل کردیا گیا اور سلمونیہ غائب ہے اب مسلمانوں کے غصہ کی انتہا نہ تھی مگر اس کے ساتھ ہی بعض کا خیال تھا کہ بہت ممکن ہے یہ کارروائی خود سلمونیہ کی ہو اور اس نے موقع پاکر یہ بدلہ لیا ہو مگر جب یہ خیال ابوعبیدہ اور خالد تک پہنچا تو دونوں نے اس کی مخالفت کی اور کہا سلمونیہ ایسی عورت نہیں ہے۔ وہ سچی عورت پاک مسلمان اور خلوص سے ایمان لائی ہے اس کی طرف شبہ کرنا اسلام کی شان سے بعید ہے۔

آج کا حملہ پھر ملتوی ہوا۔ یونس کو دیکھا تو تمام جسم زخموں سے چکنا چور تھا گو سانس چل رہا تھا مگر بات کرنے یا آنکھ کھولنے کی طاقت نہ تھی۔

( )

جس دنیا نے خلافت فاروقی کا فیصلہ اور یونس کی صداقت اپنی آنکھ سے دیکھی اور کان سے سُنی وہ آج یہ بھی دیکھتی ہے کہ دمشق کی مایۂ ناز ہستی جس نے محبت کی کسوٹی پر اپنی روشنی سے ایک عالم کو جگمگا دیا اسوقت پا بہ جولاں عیسائی لشکر میں کھڑی ہے۔ ہر سمت سے لعن طعن ہو رہی ہے اور کوئی متنفس ایسا نہیں جو اس کے قتل پر آمادہ نہ ہو ظالموں نے اذیت دینے میں کسی قسم کی کمی نہیں کی پھول سے جسم اور گلاب سے چہرے پر طمانچوں کے نشان موجود ہیں دونو نازک ہاتھ پس پشت جکڑے ہوئے ہیں اور ننگی تلواروں کے پہرے میں بدنصیب خاموش ہے ہیرس اور یوفریا آگے بڑھے اور یوفریا نے کہا۔

دنیا کی کوئی ماں تجھ سے بڑھ کر قابل ملامت ہستی نہیں جن سکتی، دایہ دشمن بن کر تیرا گلا گھونٹ دیتی ماں قاتل ہو کر تجھے زہر دیدیتی باپ ظالم بنتا اور تیرا پردہ ڈھانک دیتا رعیت غدر مچا کر تجھکو زمین کا پیوند کر دیتی مگر او ناشدنی سلمونیہ مکار لڑکی بیوفا عورت اور بیحیا انسان کسکو معلوم تھا کہ جب ملک برباد رعیت تاراج اور مذہب پامال ہوگا اس وقت تجھ جیسی نابکار اور ان ظالموں کا ان دشمنوں کا اور ان لٹیروں کا ساتھ دے گی جو ہماری جان کے دشمن ہیں کسقدر نیک دل اور پاک انسان اس لڑائی میں زمین کے نیچے پہنچ گئے کتنی عورتیں جنہوں نے زندگی کی بہار نہ دیکھی۔ آناً فاناً رانڈ ہوئیں کتنے بچے جنکو باپ کی گود کا لطف اٹھانا بھی نصیب نہ ہوا یتیم ہو گئے۔ یہ وہ وقت تھا کہ ہم اپنا نالہ آسمان تک پہنچاتے کیا ہم سے زیادہ مظلوم اور دغاباز مسلمانوں سے بڑھ کر ظالم دنیا میں کوئی ہو سکتا ہی تو نے اس موقع پر دغا کی اور اے نفس کی بندی اپنے ملک اور قوم دونوں پر دھبہ لگایا جو قیامت تک نہیں مٹ سکتا۔

تیری غیرت غارت ہوئی اور تیری حیا برباد تو نے وہ کیا جو کوئی نہ کرے گا یقین کامل تھا کہ فصیل تجھ جیسی ناشدنی کو گرا کر تیری ہڈی پسلی چکنا چور کر دیگی مگر حیرت ہی اچنبھا ہی تعجب ہی کہ تو ہماری چھاتی پر مونگ دلنے کو اب تک زندہ ہے لیکن ہم وہ نہیں کہ تجھکو جیتا جاگتا دنیا میں زندہ اور دشمنوں میں ہشاش بشاش چھوڑ دیں گے۔ تیری بوٹیاں چیل اور کووں کو دی جائیں گی اور اگر اب بھی تو سچے دل سے توبہ کر اور یقین دلا کہ ہماری طرح تو بھی ان ڈاکوؤں کی صورت سے متنفر ہے تو تیری جان بخشی ممکن ہی۔

ان ہونٹوں پر جس کی سرخی زردی سے بدل چکی تھی اور جن پر اس وقت خشکی نے کچھ نیلاہٹ پیدا کر دی اور جو دیار بدخشاں کی شام کا پورا نمونہ تھے ایک خفیف مسکراہٹ آئی۔ ان آنکھوں سے جس میں اس وقت قدرت نے

کوٹ کوٹ کر موتی بھرے تھے سلمونیہ نے یوفرنیا کو سر سے پاؤں تک دیکھا پھر مسکرائی اور کہا

غلطی کا اقرار گمراہی سے انکار صداقت کی تلاش اطمینان کا اعتراف۔

محبت کی قدر تقدیر پر صبر انسانیت کا سبق اور عقل کا جوہر ہے جو کسی قانون میں لائق الزام اور کسی مذہب میں قابل ملامت نہیں میری ہستی تمہارے واسطے قابل ملامت سہی مگر اس قوم کے واسطے جس کو تم حقارت سے دیکھتے ہو موجب فخر ہوگی میں نے اسلام کو دیکھا پرکھا بوجھا اور ٹٹولا میں تثلیث میں ہی پلی اور بڑھی میں انجیل مقدس کا مطالعہ کرتی رہی اور قرآن پاک سن رہی ہوں میں عیسائیوں کو دیکھ چکی اور مسلمانوں کو دیکھ رہی ہوں میرا حسن تمہارے ہاں میرے واسطے وبال جان اور اُن کے ہاں اُن کے واسطے خدا کی شان تھا انہوں نے اس صنعت سے صانع کی اس مجاز سے حقیقت کی قدر کی تم گمراہ ہو کہ روشنی کو تاریکی سفیدی کو سیاہی اور نیکی کو بدی سمجھتے ہو نفس کی لونڈی نہیں صداقت کی چیری ہوں میری زندگی حیرت نہیں خدا کی قدرت ہے اور وہی بچانے والا جس نے فصیل پر میری اعانت کی آج بھی میرے ساتھ ہے۔ تم یقین کرو تمہاری سختی اور قید اذیت اور مصیبت میرا قدم نہیں ڈگمگا سکتی میں نے مرنے والے باپ اور فنا ہونے والی ماں کے روبرو پہاڑ کی چوٹی پر اور فصیل کے کنگورے پر اس جان کی پروانہ کی تم ایک دفعہ نہیں ہزار دفعہ اور دو چار نہیں تمام وحشی تکلیف پہنچائے اذیت دے لیکن یاد رکھو سلمونیہ جو کہہ چکی وہ سچ ہے۔ ہو گا، اور یہ نہیں ہوگا۔

قتل کی ایک متفقہ آواز چاروں طرف سے بلند ہوئی۔ تلواریں میان سے باہر آئیں لوفرنیا خنجر لئے یہ کہتی ہوئی آگے بڑھی۔

مسلمان ہم سے بہتر ہیں۔ دیکھ اس کا نتیجہ اور بھگت اس کا انجام

ابھی خنجر سے جبین سلمونیہ کے قریب ہی پہنچا تھا کہ گولی کی آواز کان میں آئی اور

یوفریٹیا کی لاش زمین میں تڑپ رہی تھی۔

ہیرسس اپنی محبوبہ کی موت دیکھکر ششدر رہ گیا ابھی اس کی حیرت رفع نہوئی تھی کہ مسلمانوں کا لشکر اس کے سر پر موجود تھا۔ مفرورین میں مقابلہ کی طاقت مطلق نہ تھی اور یہ جو کچھہ تھا صرف گیدڑ بھبکی تھی بھاگنے کا قصد کیا مگر یہ مختصر گروہ چاروں طرف سے گھرا ہوا ایک جم غفیر کے قبضہ میں تھا۔ مسلمانوں نے اس موقع پر اپنی کثرت اور ان کی قلت دیکھکر تلوار باہر نہ نکالی اور کہا کہ تم اپنے ہتیار ڈالکر اطاعت قبول کرو لیکن ابھی عیسائیوں نے اس تجویز سے اتفاق نہ کیا تھا کہ قیصر کا ایک زبردست لشکر سامنے سے آتا دکھائی دیا اور جب یہ خبر پہونچی کہ اس لشکر کا نصف حصہ پہاڑ کے پاس مقیم ہو جو دمشق پر حملہ کے واسطے جائے گا اور نصف ادہر آتا ہی تو خالد بن الولید سخت پریشان ہوئے گو دمشق کی حفاظت کے واسطے ایک معقول تعداد مسلمانوں کی موجود تھی مگر غنیم کی تعداد چونکہ معلوم نہ تھی اس لیے خیال گزرا کہ کہیں فتح کی صورت شکست سے نہ بدل جائے دفعتہً آسمان نے رنگ بدلا مینہ کے سخت طوفان نے فریقین کے منصوبے پورے نہ ہونے دیے یہ طوفان جس میں آندہی اور مینہ نے بڑے بڑے دلاوروں کے دل وہلا دیے رات بھر موجود رہا صبح کے وقت جب مسلمانوں نے دیکھا تو مفرورین بھاگ کر اپنے امدادی لشکر میں پہنچ چکے تھے گو پہاڑ کا سلسلہ جس کی پشت پر یہ سب مقیم تھے آنکھہ کے سامنے تھا مگر اول تو راستہ یوں ہی دشوارگذار تھا اس پر طوفان نے دلدل کے انبار اسقدر لگا دیے تھے کہ گھوڑے ایک قدم نہ اُٹھا سکتے تھے اس وقت وہی سوار جو ضرار کو معہ اپنی معشوقہ کے دمشق میں رات کے وقت ملا تھا اور اب مسلمان ہوکر اس توقع پر ساتھ تھا کہ فتح کے بعد مسلمان میری محبوبہ کو دلوا دیں گے سامنے آیا اور وعدہ کیا کہ وہ ایک نہایت آسان راستہ سے مسلمانوں کو منزل مقصود تک پہنچا دیگا چونکہ وہ اس قسم کی رہنمائی ایک

ایک دفعہ کر چکا تھا اس لیے درخواست منظور ہوئی اور مسلمانوں کی جمعیت اس کے ساتھ چلی۔ لیکن صبح دوپہر سے بدلی اور دوپہر تمام ہوگئی یہانتک کہ پہاڑی سلسلہ بھی آنکھ سے اوجھل ہوگیا مگر غنیم کا پتہ نہ چلا اس وقت خالد سخت غصہ ہوئے اور اس رہبر سے کہا کہ تونے دہوکا دیا۔ مگر وہ خود راستہ بھول چکا تھا اُس نے صاف صاف بیان کردیا اب مسلمان عجیب شش و پنج میں تھے اور اُن کو سب سے زیادہ دمشق کا خیال تھا کہ نہ معلوم وہاں کیا صورت پیش آئے رات سر پر آگئی تھی اور اپنے ساتھ وہی طوفان لیتی ہوئی جو کل تھا مگر مسلمانوں نے آج کے طوفان کو جو شدت و ہیبت میں کل سے کم نہ تھا زیادہ وقعت نہ دی گو ضرورت تھی کہ درختوں کے نیچے قیام اور صبح کا انتظار کریں مگر وہ محض رہبر کے قیاس پر منہ اُٹھائے چلے جارہے تھے۔ مصیبتوں کا سخت سامنا تھا دلدل جابجا تھی گھوڑے دہنسے اور آدمی پھنسے مگر انہوں نے ارادہ فسخ نہ کیا اور اسی رفتار سے آگے بڑھتے رہے صبح قریب تھی کہ غنیم کے لشکر کی روشنی نمودار ہوئی اب سب کی جان میں جان آئی اور گو تھکے ماندے تھے مگر اب آرام کی آرزو تھی نہ قیام کی خواہش اسی وقت سپہ سالار نے اپنی فوج چار حصوں میں تقسیم کردی رفیع اور ضرار اور عبدالرحمان تین حصوں پر تعینات ہوئے اور چوتھا خود خالد کے ماتحت کام کر رہا تھا اب خالد نے اس لیے کہ ان کو غنیم کے تعداد معلوم نہ تھی یہ حکم دیا کہ ہر حصہ یکے بعد دیگرے میدان جنگ میں آئے تاکہ دشمن کو ٹھیک اندازہ جمعیت کا نہ ہوسکے لیکن اور امدادی لشکر کا رعب دل پر بیٹھ جائے۔ عیسائی ابھی اچھی طرح نیند سے بیدار نہوئے تھے کہ مسلمانوں نے تکبیر کا غلغلہ نماز کے بعد بلند کردیا اس وقت عیسائی لشکر کی باگ ایک شخص ٹامس کے ہاتھ میں تھی جس کے ماتحت ہیرمن نہایت شجاعت سے کام کر رہا تھا دونوں طرف کی فوجیں مقابلہ میں آئیں اور ٹامس نے پانچہزار سوار لیکر حملہ کیا۔ مسلمان سینہ بہ سینہ کھڑے تھے کہ عبدالرحمن کا امدادی لشکر نمودار ہوا یہ رنگ دیکھکر ٹامس خود آگے بڑہا اور خالد بن ولید کو آواز دیکر دست بدست

لڑائی شروع کر دی دیر تک زور آزمائی ہوتی رہی مگر آخر کار ٹامس گھوڑے سے نیچے گرا ابھی خالد بن ولید اُترنے کا قصد ہی کر رہے تھے کہ عبدالرحمٰن نے پاس پہنچکر ایک ہاتھ تلوار کا ایسا دیا کہ ٹامس کی گردن الگ جا پڑی اور عبدالرحمن نے اس کا سر نیزے پر بلند کر دیا۔

ٹامس کے قتل ہوتے ہی ہیرس کی بھی ہمت ٹوٹ گئی اور وہ پیچھے ہٹا اس کے ہٹتے ہی رفیع بن عمیرہ نے دیکھا کہ ایک سمت تیر اندازی ہو رہی ہے یہ عیسائی عورتوں کا گروہ تھا رفیع ادہر پہنچے اور چاہا کہ عورتوں کو زندہ گرفتار کر لیں مگر اُن میں ایک عورت نہایت خوبصورت شاہانہ لباس پہنے متواتر تیر برسا رہی تھی ہر چند رفیع نے اس کو منع کیا مگر وہ باز نہ آئی اور ایک تیر ایسا مارا کہ رفیع کا گھوڑا زخمی ہوا اب رفیع تلوار لیکر آگے بڑھے اور چاہتے تھے کہ اس کو قتل کر دیں کہ وہ باآواز بلند رحم و کرم کی ملتجی اور شجاعت کی معترف ہوئی رفیع کو اس پر رحم آگیا تلوار میان کی اور ان عورتوں کو حراست میں لیا یہ بھی عجیب موقع تھا وہی سوار اپنی محبوبہ کا متلاشی تھا اور اب اس نے دیکھا کہ وہ اس گروہ میں موجود ہے تو باغ باغ ہو گیا لیکن عورت نے یہ دیکھکر کہ یہ مسلمان ہو گیا اس کو نفرت سے دیکھا سوار نے ہر چند منت اور خوشامد کی مگر سب کوشش بیکار تھی۔

گھانس کے ایک سرسبز قطعہ پر دونوں عاشق معشوق بیٹھے باتیں کر رہے تھے سوار نے بالآخر وعدہ کیا کہ اب ہم قسطنطنیہ چلیں گے اور میں وہاں بدستور عیسائی ہو جاؤنگا مگر اس عورت کو شکست کا اس قدر صدمہ ہوا کہ اس نے خاموشی سے اپنا خنجر نکالا اور سینہ میں گھونپ کر مر گئی۔ سوار کو سخت صدمہ ہوا اور وہ روتا پیٹتا خالد بن ولید کی خدمت میں آیا اور مفصل کیفیت بیان کی اس کی بیتابی پر خالد کو بہت رحم آیا اور کہا کہ اگر تم پسند کرو تو ہرقل کی لڑکی جو شہزادی ہے تم کو اس عورت کے بدلے دیدی جائے گی۔

بشرطیکہ اس کی رہائی کا سوال پیش نہ ہوا۔ تاس کے قتل نے عیسائیوں کی ہمت توڑ ہی دی تھی۔ ہیرس کے پیچھے ہٹنے سے بالکل ہی دل ٹوٹ گئے اور انہوں نے راہ فرار اختیار کی۔ مسلمانوں نے اُن کا پیچھا کیا اور اس تعاقب میں اُن کا قصد زیادہ تر سلمونیہ کی رہائی تھی مگر افسوس وہ اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اب مسلمانوں کو دمشق کا فکر تھا اور یہ خیال رہ رہ کر ان کو مضطرب کر رہا تھا کہ غنیم کی بقیہ فوج ادھر نہ چلی گئی ہو۔ اس لیے انہوں نے دم نہ لیا اور اسی حالت میں دمشق کی طرف چلے مگر پہلے ہی پڑاؤ پر انہوں نے دیکھا کہ ایک لشکر سامنے سے چلا آ رہا ہے اس لیے وہیں رُک گئے اور مقابلہ کے واسطے تیار ہوئے۔ لیکن جب اس لشکر کے سپہ سالار نے صلح کا جھنڈا بلند کیا تو خاموش ہو گئے۔

مسلمان دمشق میں جو کچھ اب تک کہا چکے ہیں وہ دنیا فراموش نہیں کر سکتی۔ آج دنیا تہذیب و تمدن میں بہت کچھ ترقی کر چکی۔ لیکن جب موجودہ انسانیت کا اس وقت سے جو جہالت اور وحشت سے تعبیر کیا جاتا ہے مقابلہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان انسانیت سے بہت آگے بڑھے ہوئے تھے وہ انسان نہیں فرشتے تھے کہ اس خلق اس تہذیب اس رحم اس کرم اور روحانیت کو اپنے ہی ساتھ ختم کر گئے۔

عیسائیوں کے لشکر سے بڈھا پادری گڑگڑاتا ہوا خالد بن ولید کے قدموں میں گرا اور کہا قیصر کی لڑکی تمہاری قید میں ہے اس کا معاوضہ لو اور رہائی دو اس درخواست کے سنتے ہی خالد کا چہرہ سرخ ہو گیا اور کہا تم نے مسلمانوں کے سمجھنے میں غلطی کی۔ ہم روپیہ کے بھوکے اور بالجبر اشاعت اسلام کے خواہاں نہیں عورت کے بدلے میں ہمکو روپیہ کی ضرورت نہیں۔ اگر تم اس کے برابر زر و جواہر بھی دو ہمکو حرام ہے تمہاری لڑکی تمکو مبارک ہو۔ شوق سے لیجاؤ۔

بڈھا پادری دنگ رہ گیا اور شہزادی کو ساتھ لیکر چلنے لگا دو قدم چلکر اس نے

پھر کر خالد بن ولید کی طرف دیکھا اور کہا کچھہ شک نہیں تم لوگ یہ حق رکھتے ہو کہ فتح ہر مقام پر تمہارے قدموں پر قربان ہو۔

اس وقت خالد نے اس سوار کو جس کی محبوبہ نے خودکشی کی تھی اپنے سامنے بلایا اور کہا۔ جس قدر اشرفیاں اور جواہر تمہارا جی چاہے لیلو۔ مگر اب اس کا دل دنیا سے بیزار ہو چکا تھا۔ اس نے انکار کر دیا۔ اور اسلام پر ایسا شیدا ہوا کہ ہر موقعہ پر اور ہر خدمت میں سب سے آگے تھا گو واقدی قاضی بغداد نے اس کے متعلق بہت کچھہ لکھا ہی مگر انگریزی تاریخ اس کی محبت کا حال اس طرح بیان کرتی ہی کہ وہ ہر وقت ترقی اسلام کی دھن میں منہمک تھا یہانتک کہ جنگ یرموک میں وہ اپنے پاک مذہب اسلام پر قربان ہوا۔

(۔۔۔)

سنتی ہوں کہ خلیل کی آگ کو گلزار کرنے والا تو تہا۔ کہتے ہیں کہ موسیٰ کو فرعون سے بچانے والا تو ہی جانتی ہوں کہ سلمونیہ کو فصیل پر زندہ رکھنے والی صرف تیری قدرت اور آج تک دشمنوں سے محفوظ رکھنے والی تیری طاقت۔ مجھکو نامرادی کی شکایت نہیں قسمت کا رونا نہیں جو ہوا خوب ہوا اور جو ہو رہا ہی درست ہو رہا ہی دنیا مجھکو مطعون کرتی ہی قوم مجھپر لعنت بھیجتی ہی ملک مجھہ سے نفرت کرتا ہی۔ دوست دشمن اور عزیز بیگانے ہوئے مگر تو سب سے بہتر شاہد اور سب سے اچھا ہمراز ہی کہ نفسانیت کی آواز اس وقت تک اس گنہگار جسم سے بلند نہیں ہوئی۔ میں یونس کی نہیں اس کی صداقت کی اس کی صورت کی نہیں اس کی عادت کی اس کے نام کی نہیں اس کے اسلام کی فریفتہ ہی تونے دکھایا میں نے دیکھا تونے سنائی میں نے سُنی اس کے قتل کا منظر اس کی اذیت کی آواز . . . .

میری النجاشن میری دعا قبول کر اب زندگی کی خواہش ختم اور جینے کا مزہ رخصت

ہوا اُٹھا لے اور پہنچا دے موت دے اور جلا دے اس کے پہلو میں اس کی آنکھوں میں کر دے پورا کر دے وہ ارمان جو دو دلوں میں

اتنا کہکر سلمونیہ نے سجدے سے سر اُٹھایا دریائے طوفان خیز اس کے سامنے لہریں لے رہا تھا جیب سے رومال نکالا آنکھوں پر پٹی باندھی اور بآواز بلند کلمۂ توحید پڑھکر

دریا کی موجوں میں یہ نہیں کہتی کہ تم مجکو یونس تک پہنچا دو یہ اس زبردست طاقت کا کام ہے جس سے میں نے التجا کی اور جس کے قبضہ قدرت میں فنا ہونے والا جسم اور باقی رہنے والی روح دونوں ہیں تم ان آنکھوں کو جو ایک کپڑے سے ڈھکی ہوئی ہیں ابدی نیند سلا دو!

اتنا کہکر سلمونیہ دریا میں گرنے کا قصد کر رہی تھی کہ دو زبردست ہاتھوں نے اسکو پکڑا۔ ہر چند کسمسائی۔ لاکھ کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکی بہ مشکل تمام پٹی کھولی تو ہیرس کے ہاتھوں میں پھنسی ہوئی تھی۔

میری وہ محبوبہ جو میرے دل و جان کی مالک تھی جس سے زیادہ قیمتی دنیا کی کوئی شے میری نگاہ میں نہ تھی تیری اور محض تیری وجہ سے مجھسے ہمیشہ کو جدا ہو گئی۔ اب میری آنکھوں میں دنیا اندھیر اور زندگی بے سود ہے مسلمانوں نے محاصرۂ دمشق میں جو نقصان عیسائیوں کو پہنچایا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ عظیم الشان ہے مگر قابل علاج ہے دنیا میں غیر قومیں قوموں پر حکومت کر رہی ہیں اس سرزمین پر پہلے غیروں کی اطاعت کی اور عرصہ تک کرتے رہے رعیت اس خیال سے مغموم و پریشان ہو کہ حکومت نکل گئی مگر زمانہ کی رفتار سب کو درست کر دے گی۔ لیکن جو نقصان میرا ہوا وہ لاعلاج ہے اور اس کی تلافی اگر ممکن ہے تو صرف اسطرح کہ جو تو دنیا کے بدلے تو میرے دلپر راج کرے اور ہم دونو یہاں سے نکل کر کسی ایسی جگہ جا بسیں جہاں کسی قسم کا کھٹکا نہ ہو۔

سلمونیہ! پیاری سلمونیہ جو داغ جو آگ جو محبت جو عشق آج مدت سے

اس دل میں پنہاں ہے اس وقت اس کی قدر کرے اور یقین کرلے کہ زندگی کا بقیہ حصہ اس طرح بسر ہوگا کہ دیکھنے والے رشک کریں گے۔

( )

مسلمان فاتحانہ حیثیت سے دمشق میں داخل ہوگئے اور اس تکلیف و اذیت کا بدلا جوان کو اس محاصرہ میں پہنچی اب اس کے سوا کچھہ نہیں کہ کلیسہ منہدم اور اپنا دل ٹھنڈا کریں اس شوق میں ان کو کہانے میں مزہ ہے نہ پینے میں اور سونے میں۔ لطف ہے نہ جاگنے میں ظہر کی نماز ادا ہورہی تھی کہ قاصد کی آمد کا غلغلہ بلند ہوا نماز سے فارغ ہوکر ہر مسلمان قاصد پر گرا مگر جب یہ سنا ہے کہ فتح دمشق کی خبر خلیفہ اول کے کان تک نہ پہنچ سکی تو سب کے دل افسردہ ہوگئے مگر خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق کی خلافت کے مژدہ نے غمگین دلوں کو بہت کچھہ تسکین دی یہ وہ وقت تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ عیسائیوں کی جماعت بھی خلیفہ وقت کے فیصلہ کی بیتابی سے منتظر تھی اور انکو یقین کامل تھا کہ کلیسہ کی جگہ مسجد کہڑی ہوگی مگر خالد نے یہ الفاظ پڑھے کہ کلیسہ کے جسقدر حصہ میں مسلمان فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوئے اس کی مسجد بنادو اور جس قدر حصہ میں صلح کی حیثیت سے وہ بدستور کلیسہ ہے

تو خود عیسائی فیصلہ فاروقی پر دنگ رہ گئے اس مسجد کے متعلق جو جامع بنی امیہ کے نام سے مشہور ہے۔ بعض جگہ سخت غلطیاں ہوئیں اور ایک مورخ نے تو اس کو بالکل ہی خلیفہ ولید کی طرف منسوب کردیا ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ خلیفہ دوم کا یہ فیصلہ عہد ولید تک بدستور رہا۔ جب وقت ولید خلیفہ ہوا تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ خلفائے راشدین کا ضبط و تحمل۔ جنہوں نے حضور اکرم کی صحبت کا فیض اُٹھایا تھا اس میں بھی موجود ہوتا۔ جوش مذہب نے اس کی آگ کو بھڑکایا اور اس نے عیسائیوں سے درخواست کی کہ کلیسہ کے عوض جسقدر روپیہ وہ چاہیں لے لیں اور

مسجد میں شامل کر لینے دیں۔ عیسائی گو رعیت کی حیثیت رکھتے تھے مگر مذہبی معاملہ تھا بگڑ گئے اور کہا ہم ہرگز اپنا کلیسہ نہیں دے سکتے اور اگر ولید یہ قیامت برپا کرے گا تو خدا کا غضب اس پر نازل ہوگا اور وہ برباد ہو جائے گا ولید کو بھی ضد ہو گئی اور اس نے جواب دیا انا اول من یکون فی سبیل اللہ یہ کہکر اس نے حکم دیا کہ کلیسہ مسمار کرایا جائے اور مسجد میں شامل۔

ولید نے اس تعمیر میں نہایت شوق اور دریا دلی سے کام لیا۔ بارہ ہزار معمار متفرق مقامات سے بلائے جس میں اکثر قسطنطنیہ کے مشہور صناع تھے۔ مسجد تعمیر ہوئی تو درحقیقت بے مثل تھی اور عیسائیوں کے دلوں پر جو کچھ گزری اس کا اندازہ مشکل ہے۔ مگر مجبور تھے کوئی چارہ نہ تھا۔

ہم خود ولید کے اس فعل کو اچھا نہیں سمجھتے مگر یہ ضرور کہیں گے کہ خاک اسلام سے جو لوگ اُٹھے اُن کے کارنامے دنیا فراموش نہیں کر سکتی۔ جب زمانہ نے تاج خلافت عمر بن عبد العزیز کے سر پر رکھا تو عیسائیوں نے اپنے حقوق کا دعویٰ پیش کیا۔

یہ وہ خلیفہ تھا جو خلفاء راشدین کے بعد شاہان اسلام کا فخر سمجھا جا سکتا ہے اس نے دیکھا تو واقعی عیسائیوں کی درخواست جائز اور ولید کا فعل مستحسن نہ تھا۔ حکم دیا کہ مسجد مسمار کر دی جائے اور جو حصہ ولید نے شامل کیا ہے وہ سلطنت کے صرف سے کلیسہ بنا دیا جائے

اب مال غنیمت تقسیم ہوا چار حصے تو پیدل اور سواروں کو دیے گئے اور پانچواں حصہ بیت المال کے واسطے روانہ کر دیا گیا۔ مسلمان اسوقت باغ باغ تھے اور سب سے زیادہ اُن کو اپنے دوست یونس کی صحت کی تھی جو زخموں سے جاں بلب ہو گیا تھا اور جس کی زندگی سے مسلمان بھی مایوس تھے مگر خدا نے اپنے فضل و کرم سے اسکو لحہ بہ لحہ صحت دی اور دمشق ہی میں اس کا غسل صحت ہوا۔

اب مسلمانوں نے گہر کا قصد کیا اور جب تک کہ امیر المومنین کی طرف سے دمشق کا کوئی عامل مقرر ہو خالد بن ولید نے تہوڑی سی فوج یہاں کی حفاظت کے واسطے چھوڑ کر روانگی کی طیاریاں کیں۔ یونس نے اس موقع پر درخواست کی کہ اس فوج کے ساتھ جو دمشق کی حفاظت کے لیے چہوڑی جاتی ہر مجکو بہی یہیں رہنے کی اجازت عطا ہو۔ یہ درخواست قبول ہوئی اور مسلمانوں کا لشکر مع اپنے دونوں سپہ سالاروں خالد بن ولید اور ابو عبیدہ بن الجراح کے مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔

( )

میری ہرگز یہ خواہش نہ تھی کہ میں ان زخموں سے جانبر ہوتا میں جانتا ہوں کہ موت کی تمنا اسلام میں جائز نہیں اور اسی لئے میں موت کا متمنی جب تہا نہ اب ہوں لیکن موت سر پر آ ہی گئی تہی تو اس سے بچنے کی وجہ میری بدنصیبی کے سوا اور کیا ہو سکتی ہر میں نے تمام دمشق کی خاک چہان لی فصیل کا کونہ کونہ ڈہونڈ مارا پہاڑ کا ذرہ ذرہ دیکھہ ڈالا دریا کے کنارے پر باغوں کے پہولوں میں درختوں کی شاخوں میں کوئی جگہ کوئی مقام کوئی حصہ کوئی گلی کوئی کونی کوچہ نہ بچا نہ معلوم زمین کہا گئی یا آسمان، زندہ ہر مر گئی خوش ہر رنجیدہ میں اب اگر آرزومند ہوں تو صرف اتنا کہ ایک مرتبہ اس کی صورت دیکھہ لوں اور اگر اس کی طبیعت اسلام سے متنفر ہر اور وہ اپنی حالت میں خوش اور قوم میں مطمئن ہر تو وہ ہر خوش رہی آباد رہی میں دیوانہ نہیں ہوں میرے ہوش درست میرے حواس ٹھکانے میری عقل موجود میرا قیاس حاضر جانتا ہوں کہ رات میرے سر پر ہر پہچانتا ہوں کہ چاند چاٹ رہا ہر دیکہتا ہوں کہ تارے کہلے ہوئے ہیں سنتا ہوں کہ ہوا چل رہی ہر یہ سب اپنا کام کر رہے ہیں مگر اس میں کوئی اتنا نہیں کہ میری رہبری پر آمادہ ہو دکہا دے وہ صورت بتا دے اس کا پتہ سُنا دے وہ آواز!

بولو! بولو! چمکتے ہوئے تارو۔ سنتے ہو سن سکتے ہو بتا دو، بتا دو ہلمونیہ

کا، کہاں ہی، کدہر ہی، کس حال میں ہی، کس گہر میں ہی۔

تو ہاں ہاں تو، اے ماہ تاباں تو، اس آفتاب دمشق سے باخبر ہی۔ ضرور ہے۔ رحم کر کرم کر! وہ مہ جبین زمین کے اوپر ہی یا اندر آسمان کے نیچے ہی یا اوپر۔

کوئی جواب نہیں دیتا۔ سب خاموش۔ نہیں نہیں سب بول رہی ہیں اپنی اپنی بولیاں۔ کر رہی ہیں اپنے اپنے کام مگر میری طرف کوئی متوجہ نہیں ہوتا۔

چاند بادل چیر کر باہر نکلتا ہی ہوا اپنے جنون بجاتی گذر جاتی ہی تارے جھلملا جھلملا کر پھر تیز ہوتے ہیں مگر میری طرف کوئی آنکھہ اٹھا کر نہیں دیکھتا میں خودکشی نہیں کرسکتا گناہ ہی سخت گناہ میرے سے نہیں ہو سکتا منع ہی یقینا منع ہی میں سلمونیہ کو فراموش نہیں کرسکتا احسان فراموشی ہی بیشک ہی پھر کیا کروں وہ گئی مجہہ سے چہوٹ گئی ہمیشہ کو۔

مسلمانوں کا لشکر چلا گیا آج وہ فتح کی خوشیاں کامیابی کی رنگ لیاں منا رہی ہوں گے۔ یونس نے مجھے دہوکا دیا۔ اسکو فتح کی خوشی ہونی چاہیے تھی مگر مجھے یہ امید نہ تھی کہ سلمان اور یونس اس قدر جلد اسلام کی ایک ادنے کنیز کو فراموش کردینگے۔

کیا اندہیر ہی کہ میں مرنے کی کوشش کرتی ہوں اور موت نہیں آتی ہر روز نت نئی مصیبت کا سامنا ہی۔ خیال تھا امید تھی یقین تھا کہ دریا کی موجیں ہر تکلیف کا خاتمہ کردیں گی۔ پختہ خیال۔ واثق امید اور کامل یقین تھا کہ میری دعا قبول ہوئی اور موت روحانی مسرت کا باعث

ہو گی مگر عین وقت پر ہیرس سفاک نے ہاتھ پکڑ لیا۔ اور وہ آرزو پوری ہونے دی۔ مگر نہیں یونس کی بابت یہ خیال کرنا غلطی نادانی حماقت ہے۔ وہ دہوکا دینے والا انسان نہیں وہ محض میری وجہ سے قتل ہوا اور اب اس دنیا میں موجود نہیں مسلمانوں کو کیا غرض پڑی تھی کہ وہ مجھکو ڈہونڈتے پھرتے، ممکن ہے تلاش کیا ہو۔ میں خود چاروں طرف چھپتی پھر رہی ہوں۔ بس اب اس سے بہتر صورت اس سے اچھا علاج اور اس سے بڑھ کر تدبیر کوئی نہیں کہ روحانی مسرت کی جانب بڑہوں اور اس جسم کو جلد بیجان کر دوں۔ یہ پہاڑ سامنے ہے چڑہوں اور چوٹی پر پہنچکر نیچے گر پڑوں۔

پہاڑ کے پتھروں نے ان قدموں کو بوسہ دیا جنہوں نے دنیا ہیں دیبا و حریر کے فرش کو نخوت سے ہمیشہ ٹھکرایا اور سلمونیہ شجر زیتون کی ایک شاخ کو پکڑ کر چوٹی پر کہڑی ہو گئی اب صبح ہو چلی تھی خوش الحان پرند چہک چہک کر اُڑ چلے تھے اور آفتاب ماہ دمشق کو دیکہنے کے واسطے بسرعت آگے بڑھ رہا تھا آج وہ نازک جسم جسکو دیکھکر پھول شرماتے تھے خاک میں اٹ رہا تھا کپڑے میلے چیکٹ ہی نہیں بلکہ پہٹے تھے اور متواتر فاقوں نے نقاہت کو انتہا تک پہنچا دیا تھا۔ ایک مشتاق نظر چاروں طرف ڈالی۔ آنکھوں پر پٹی باندہی کمر سے خنجر نکالا اور کہا۔

ایک محبت کی ماری کوہ لبنان کی چوٹیوں! ایک فرقت کی ستائی اس وقت تمہاری آنکھہ کے سامنے اس صورت پر قربان ہوتی ہے جو آنکھہ سے چھپ گئی اس توقع پر نثار ہوتی ہے کہ دوبارہ دیکھہ لے یونس اگر تو زندہ ہے تو فتح دمشق تجھکو مبارک۔ زندگی کی خوشیاں تجھے نصیب مگر فراموش

نہ کیجیو اس بدنصیب سلمونیہ کو جس کی وجہ سے تجھکو ایک دن سکھہ کا نصیب ہوا اور جس کی آنکھوں نے تجھکو زخمی دیکھا۔ اگر تو یہاں نہیں ہے تو دل مجروح اب تیری جدائی کی تاب نہیں رکھتا میں آتی ہوں یونس اسی طرح جس طرح فصیل پر۔ اپنے ہاتھ پھیلا مجھے آغوش میں لے۔

وہ فانی زندگی تھی اس کے کام فنا تھے یہ رہنے والی زندگی ہے اسکے اعمال باقی رہیں گے آج کی آغوش آغوش ابدی ہے۔ لے یونس لے،

پاؤں ابھی زمین سے اٹھا ہی تھا کہ پھر دو ہاتھوں نے کولی بھر لی۔ سلمونیہ کا خنجر آبدار آفتاب میں چمکا اور اس کے ساتھ ہی ایک شخص ہائے کرتا ہوا زمین پر گرا اور تڑپنے لگا۔

اس ہائے میں نہ معلوم کیا جادو تھا کہ سلمونیہ بیتاب ہو گئی اور یہ کہتی ہوئی کون یونس ہٹی ہاں کھولکر ادھر جھکی۔

کان جس کی آواز کو ترس رہے تھے آنکھیں جس شکل کی مشتاق تھیں آج ہاتھوں نے اس کی زندگی ختم کر دی۔ خنجر آدھے سے زیادہ کلیجہ کے پار ہو گیا تھا۔

دونو کی آنکھیں دونوں کے چہروں پر تھیں۔ یونس صرف اتنا کہہ سکا میں خوش نصیب ہوں کہ میری آرزو پوری ہوئی اور جن ہاتھوں کا پروانہ تھا ان ہی ہاتھوں نے مصائب کے نا تمہ کر دیا۔

سلمونیہ بالکل خاموش تھی اس کی آنکھیں زخمی چہرے پر بندھی ہوئی تھی دفعتہً اس نے ایک چیخ ماری اور یونس کا سر اپنے زانو پر لے منہ پر منہ رکھدیا یہ یونس کی زندگی کا آخری لمحہ تھا وہ صرف اتنا اور کہہ سکا۔

"سلمونیہ خدا حافظ"

اسکے بعد آنکھیں بند ہوگئیں۔

اب سلمونیہ اُٹھی۔ یونس کا خون اپنے چہرے پر اور اپنی آنکھیں اس کے قدموں پر ملیں اور کہنے لگی۔ ہاں۔ ہاں محبت کی سچی تصویر ہاں صادق الاقرار تھا تو مرنے والا اور یقیناً جفاکار تھی میں جینے والی۔

تیرے احسانات کا معاوضہ یہ ہی تھا تیری قربانیوں کا نتیجہ یہی ملنا چاہئے تھا اور میں اسی لائق۔

اُٹھ اُٹھ یونس پھر بچا سلمونیہ خودکشی کرتی ہے۔ آ آ یونس آ۔

کون ہوگا مجھہ سے زیادہ ظالم کون ہے مجھہ سے بڑھ کر سنگدل میں نے یونس کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا میں نے یہ چاند سا چہرہ خود خاک میں ملایا۔

گنہگار ہوں معافی کی طالب بول یونس بول معاف کر یونس معاف سلمونیہ تجھہ سے معافی کی طلبگار ہے۔ مگر نہیں نہیں میں بیگناہ ہوں میں نے بیرحم سمجھا۔ میری آنکھوں پر پٹی تھی۔ میری عقل پر پردہ تھا۔ اچھا زندگی نے جن ارمانوں کی پروانہ کی موت اُنکو پورا کرتی ہے۔ اتنا کہکر سلمونیہ جھکی سیدھا ہاتھ یونس کی گردن میں ڈال لیٹ گئی الٹے ہاتھ سے خنجر نکالا اور اپنے سینہ میں گھونپا اور یہ کہتی ہوئی یونس کی لاش پر لیٹ گئی۔

”جرم سنگین ہے اور سزا ہلکی لیکن معاف کیجیو“

مخزن ایجنسی کے علمی جواہرات

ازواج الانبیا۔ کسی مسلمان کا گھر اس بابرکت کتاب سے خالی نہیں رہنا چاہیئے قیمت عہ/

پیاری دُنیا۔ مشہور ظرافت نگار منشی سجاد حسین ایڈیٹر اودھ پنچ کا لطیف ظرافت کے پیرایہ میں لکھا ہُوا قابل قدر ناول ہے قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۲/

مثنویات میر حسن۔ مثنوی بے نظیر و بدر منیر کے ساتھ مثنوی گلزار روم ایک قلمی نسخہ سے نقل کرکے شامل کردی گئی ہے قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ/

طوفان حیات۔ علامہ راشد الخیری کی بے مثل تازہ تصنیف قیمت ۔ ۔ ۔ عہ/

سیر تبت۔ انگریزی کتاب فوراپرس کا بامحاورہ ترجمہ ملک تبت کے متعلق معلومات کا ذخیرہ قیمت ۱۰/

الانسان۔ علم الانسان میں بےنظیر کتاب مصنفہ مولوی سجاد مرزا بیگ صاحب دہلوی قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ عاً/

النحل۔ شہد کی مکھیوں کے تاریخی حالات اور پرورش کے متعلق دلچسپ کتاب مصنفہ سید راحت حسین صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۰/

نیلی چھتری۔ ایک دلکش ناول قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۱/

درد جانستان۔ مصنفہ حکیم سید ناصر نذیر فراق دہلوی قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۰/

رسالہ تذکیر و تانیث۔ اُردو زبان کے محقق حضرت جلال مرحوم لکھنوی کی قابل قدر تحقیق ہے ۱۰/

تزک قیصری۔ مصنفہ پنڈت برجموہن کیفی دتاتریہ دہلوی قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۴/

راج دلاری۔ بےنظیر ڈرامہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عہ

ہماری دادا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۴/

علاوہ محصولڈاک۔ ملنے کا پتہ

مخزن بُک ایجنسی لاہور

ہندوستان کا بہترین ادبی ماہوار رسالہ

یہ واقعہ تسلیم شدہ ہے۔ کہ دنیائے ادب میں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ جس رسالہ نے اردو کی خدمت اور اس کی ترقی میں کوشش کی ہے۔ وہ رسالہ **مخزن** ہے۔ جو اٹھارہ سال سے ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو افق لاہور سے طلوع ہو کر ادبی دنیا کے کونے کونے کو روشن کرتا ہے۔ سررشتہ تعلیم پنجاب اور اس کے ڈائرکٹروں نے مخزن کو سینکڑوں کی تعداد میں سرکاری سکولوں کے لئے خرید کر اس کے مفید ہونے کو تسلیم کیا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کے نصاب میں انتخاب مخزن س کیا گیا ہے۔ انڈیا کی کئی ہندو مسلمان ریاستوں میں مخزن سرکاری طور پر خریدا جاتا ہے۔ دوسرے تیسرے ماہ اس میں مشاہیر کی تصاویر بھی شائع ہوتی رہتی ہے۔ کم سے کم ۷۲ صفحات پر شائع ہوتا ہے۔ لسان العصر خان بہادر حضرت اکبر الہ آبادی۔ مولانا طباطبائی لکھنوی خان بہادر مرزا سلطان احمد مولانا ابوالحسن سابق چیف جج حیدر آباد دکن۔ سید افضل علی ایم۔ اے میاں بشیر احمد صاحب بی۔ اے بیرسٹر ایٹ لا، حضرت اظہر علی آزاد ایم۔ آر۔ اے۔ ایس لنڈن ہز اکسیلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد جی سی۔ آئی۔ ای۔ رائے بہادر آنریبل پنڈت شیونرائن شمیم جیسے آسمان ہند کے آفتاب اپنی علمی ادبی نور بیزیوں سے صفحات مخزن کو رونق دیتے ہیں۔ ان تمام دلربائیوں کے ساتھ وقت پر شائع ہونا مخزن کا امتیازی وصف ہے۔ کتابت چھپائی کاغذ نہایت عمدہ قیمت سالانہ قسم اول ساڑھے تین روپیہ قسم دوم دو روپے آٹھ آنہ نمونہ کا پرچہ ۵ ر کے ٹکٹ آنے پر روانہ ہوتا ہے۔

مینیجر مخزن لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بنت الوقت

تصنیف

مصور غم علامہ راشد الخیری مدظلہ

یادگار شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد مرحوم

جسے

ملا محمد الواحدی دہلوی

نے

بماہ شعبان المعظم سنہ ۱۳۳۶ ہجری النبوی مطابق جون سنہ ۱۹۱۸ عیسوی

پہلی مرتبہ

انیڈورڈ پریس دہلی میں چھاپ کر شائع کیا

قیمت علاوہ محصول آٹھ آنے

٨٦

صبح زندگی

یہ شام زندگی کا پہلا حصہ ہے۔ شام زندگی میں نسیمہ بیگم کی شادی سے موت تک کے حالات پڑھنے سے پہلے ذرا ان کا کوارپنہ بھی دیکھ لو۔ اس سے تمہیں پتہ چلے گا کہ ایک لڑکی کی پیدائش سے شادی تک کیونکر تعلیم و تربیت کرنی چاہیئے۔ علامہ راشد الخیری اس قسم کے مضامین کو دلچسپ اور موثر بنا دینے میں جو ملکہ رکھتے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ یہ تمہاری بیٹیوں کی اتالیق ہے۔ تمہاری بیویوں کی مشیر ہے اور خود تمہاری ذات کے لیے لٹریچر کا بیش بہا خزانہ ہے انمول قصہ ہے اس سے کام لو نصیحت پکڑو اور لطف اٹھاؤ۔ صبح زندگی میں درد بیان۔ کیف زبان اور زندگی کا سامان سب کچھ موجود ہے۔

قیمت صرف ایک روپیہ چار آنہ (عہ)

منیجر رسالہ نظام المشائخ و اخبار خطیب دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۱)

بنت الوقت جس کا اصلی نام فرخندہ بانو اور شادی کے بعد مسز نصیر یا فرخندہ نصیر الحق ہوا کہنے کو تو اس مغل خاندان کی بچی تھی جس کا کلمہ محسن پورلوں نے سو سوا سو برس تک پڑھا اور جس کے اقبال و جلال کے آگے اچھے اچھے سرکشوں کی گردنیں جھک گئیں، مگر فرخندہ گنوں کے لحاظ سے کیسی بدنصیب نکلی کہ کنبہ بھر نے لعنت اور شہر بھر نے ملامت کی عزیزوں نے اسکے کام پر سر پیٹے غیروں نے اسکے نام سے کان پکڑے دشمن خوش ہوئے اور دوست رنجیدہ اپنے روئے اور پرائے ہنسے مگر صد آفریں اس نیکبخت کو عورت ذات اور مغلوں کا خون ہو کر وہ ناک کٹوائی کہ دنیا دنگ رہ گئی جس خاندان کی بچیوں کو کوارپتے میں میکے کی دہلیز تک لانگنی حرام تھی اسکا انجام یہ ہو کہ بنت الوقت دن دہاڑے جلسوں میں گائے اور کیلے خزانے گاڑیوں میں بھر سے۔ مرزا وحید ساری دنیا کی نگاہ میں سچا سہی بیگناہ سہی بے قصور سہی مگر دل ہے او خیال، دماغ ہے اور رائے غلط ہے تو ہوا کرے، ہماری رائے میں وحید کا دامن فرخندہ کے خون سے لتھڑا ہوا اور اس کی گردن خاندان مغلیہ کی آن بان سے جھکی ہوئی ہے اس کا منہ نہیں کہ وہ منہ دکھائے اور حق نہیں کہ بات کرے ہمارا ایمان ہے اور ہم علی الاعلان کہتے ہیں کہ ہماری عزت صرف عورت کی عصمت اس کی حرمت اور اس کی غیرت

میں ہو وحید باپ تھا گلا گھونٹ دیتا زہر دیدیتا پھانسی پاتا قتل ہوتا آنکھوں سکھہ کلیجے ٹھنڈک یہ موت اس زندگی سے ہزار درجہ بہتر تھی جس میں ایک بیٹی نے کورے استرے سے باپ دادا ہی کا نہیں کنبہ بھر کا سر مونڈ ڈالا۔ کہاں کی مغربی وا اور کدہر کی تعلیم جدید آج بھی اگر وحید تلاش کی آنکھوں سے دیکھئے تو کیسی سیکڑوں اور کدہر کی ہزاروں اسی ہندوستان اور ان ہی مسلمانوں میں لاکھوں اللہ کی بندیاں ایسی ملیں گی جن کے دامن پر فرشتے نماز پڑہیں۔ محسن پور والے اگر اسدن کو زندہ رہے تھے تو اُس دن نہیں تو آج اور حبیب نہیں تو اب خدا ان سب کا پردہ ڈہانک لے۔ ان کی خودکشی نبت الوقت کی لغزشوں کا کفارہ اور ان کی موت اُس کی زندگی کی تلافی ہو جائے گی۔ ہم وحید سے زیادہ اور بہت زیادہ جانتے ہیں ہزار ہا نسو ہنیں مسلمانوں کا جم غفیر اس کی بیحیائی کا مداح اور بے حمیتی پر نازاں ہو بے غیرتی جوہر اور بے باکی ہنر ہمکو یہ بھی معلوم ہو کہ ان بھلے مانسوں کا شکار اسلام کی آڑ میں ہو مگر قرآن کے عاشق اور حدیث کے حافظ گریبان میں منہ ڈالکر بتائیں کہ بیوی عقلمند ہیں تو اماں کیا تھیں۔ صاحبزادی کی شرافت سر آنکھوں پر مگر دادی نانی کی بابت کیا ارشاد ہو۔

(۲)

طوفان بہت سے سنے اور دو چار دیکھے بھی مگر یہ طوفان طوفان کیا قہر الہی کا نشان تھا کہ بچے اور کچھ کرٹیل اور جوان سب اس کی بھینٹ چڑہ رہے تھے محسن پور بے دریا کی بستی تھی جہاں ندی تو ندی کوئیں بھی علاقے بھر میں گنتی کے دو چار ہی تھے جو کہیں آبادی میں دریا کا گزر یا ندی کا پرچھانواں پڑجاتا تو خدا معلوم کیا حشر ہوتا پانی کی اس قلت پر پانی کی یہ آفت تھی کہ گھروں میں اور سڑکوں پر ٹخنوں ٹخنوں اور کمر کمر پانی ہی پانی تھا۔ ہماری آنکھیں وہ جھڑیاں جنکو اب آنکھیں ترستی ہیں پندرہ پندرہ روز ہوتے پانی کو تنگل منگل دیکھہ چکی ہیں مگر یہ دہوتال پانی ایسا پڑا کہ خلقت چیخ اُٹھی عصر کے

وقت خاصا اچھا صاف آسمان تھا ابر کا ٹکڑا نہ بادل کا پتہ کہ قبلہ کی طرف سے گھٹا اٹھی دن بیشک برسات کے تھے آدھا اساڑھ اور آدھے سے زیادہ ساون اسطرح نکل گیا کہ پانی کی بوند تک نہ پڑی قحط کی مصیبت تین سال سے برابر پڑ رہی تھی اس سال امید تھی کہ کھیتیاں مالامال ہو جائیں گی لیکن ساون سے مایوس ہو کر زمیندار کیا اور کاشتکار کیا بستی بھر کے جی چھوٹ چکے تھے قحط اب تک تو مصیبت تھا اب پیغام موت ہو گیا اور پیغام بھی ایسا یقینی اور صادق کہ گھٹا کی صورت عید کا چاند ہو گئی مسجدوں میں نمازی دکانوں پر کاروباری سڑک پر راستہ چلتے دفتروں میں مرد گھروں میں عورتیں اور انگنائیوں میں بچے ابر کو دیکھتے ہی اچھل پڑے مغرب کے وقت بارش شروع ہوئی رات بھر مینہ پڑتا رہا دوسرا دن تیسرا دن چوتھا دن پانچواں دن دس روز وہ لگاتار مینہ پڑا ہے کہ خدا کی پناہ محسن پور جیسا اوسط درجہ کا شہر تھا ویسی ہی عمارتیں کچی بھی پکی بھی مٹی کی بھی چونے کی بھی کاغذی محل تھے نہ سنگین قلعے مینہ کا یہ حال کہ دو گھنٹے جم کر پڑا اور ذرا ہلکا ہوا ابھی تھمانہ تھا کہ پھر اندھیری دیکر آیا اور دھائیں دھائیں پڑنے لگا مینہ سے زیادہ ہوا تھی کہ کسی طرح کم ہی نہ ہوتی تھی وہ جھکڑ تھے کہ الامان الحفیظ ساتویں روز آدھی رات کے وقت اس زور کا پانی پڑا ہے کہ دیکھا نہ سنا مکان بول اٹھے اور خلقت چیخ اٹھی ہر طرف سے دھواں دھوں کی آواز آ رہی تھی مکانوں کا ستھراؤ ہو گیا کچے اور پکے محلسرا اور حویلی سب کا اللہ بیلی تھا ٹپکا تو کبھی کا لگ چکا تھا مگر اس سے صرف بے آرامی تھی اب جان کے لالے پڑ گئے تو جس کے جہاں سینگ سمائے گھس گیا کہ کسی طرح جان تو بچے تین دن اور تین رات یہی حالت رہی اس حساب سے چوتھے اور اُس حساب سے کہیں گیارہویں دن جاکر مطلع صاف ہوا تو لوگوں کی جان میں جان آئی مگر کوئی گلی کوئی جگہ کوئی کوچہ اور کوئی بازار ایسا نہ تھا جہاں اینٹوں کے انبار اور مٹیوں کے پہاڑ نہ چنے ہوئے ہوں قحط نے پہلے ہی مصیبت ڈھا رکھی تھی طوفان نے اور بھی رہا سہا خاتمہ کر دیا مرتے یا ادھر تو

تعمیر تو درکنار اتنا تک پاس نہ تھا کہ ملبہ اُٹھوا کر رستے صاف کر دیتے ہمیشہ مشنری دوست
ایسے موقعوں کی تاک میں رہتے ہیں انسانی ہمدردی کا لباس پہن نکل پڑے جہاں جیسا
موقعہ پایا اور رنگ دیکھا سلوک کر دیا رانڈیں، یتیم، غریب، فقیر سب ہی قسم کے لوگ
تھے۔ غرض بڑی بلا ہی یا تو فاقوں پر فاقے اور جمعدار کی گھرکیاں جھڑکیاں، یا ان تقاضوں
سے رہائی پاکر مہینہ بھر کا اناج بھی گھر میں پڑ گیا۔ بہت سے تھے جو اغیار کا کلمہ پڑھنے
لگے ہم اُن کو بے قصور اور معذور سمجھتے ہیں افسوس اُن مسلمانوں پر ہے جنہوں نے جو کچھ لیا
میں روپے دبائے صندوقچوں میں زیور سینتے کو لکیوں میں اشرفیاں گاڑیں اور
دیوار بیچ کلمہ گو رانڈوں اور یتیموں کے فاقوں پر دل نہ پسیجا ایسی حالت اور اس صورت
میں اگر حاجتمند بے قصور ہیں تو مشنری اگر قابل شکریہ نہیں تو لائق الزام بھی نہیں
اُنہوں نے اپنے کام پورے اپنے فرض ادا اور اپنی محنت ٹھکانے لگائی مسلمان اگر اس
قابل ہوتے اور ہوتے کیا تھے دو چار نہیں پانچ سات نہیں دس ہیں بلکہ سو پچاس
کہ قرض نہیں مفت نہیں صدقہ نہیں خیرات نہیں صرف ایک سال کی زکوٰۃ ان مصیبت
ماروں کو دیدیتے اور یہ سمجھتے کہ جس سے لیا اسی کو دیا خدا نے ہمیں سرخرو کیا تو لا الہ الا اللہ
محمد رسول اللہ کہنے والیاں غیروں کے آگے برقعے اوڑھ کر للکتی ہوئی اور بلکتی ہوئی
ہاتھ نہ پسارتیں محسنپور کے رئیس جبدن کی میم ال تو ضرور کہتے تھے کاش اس میں ایسا نہ
ہوتا دیکھتے اور سمجھتے کہ پھٹی ہوئی چادروں سے سردی میں سڑک کے کنارے منہ
چھپانے والیاں مسلمان رانڈیں ہیں سنتے اور جانتے کہ یہ آدھی رات کو مکان کے
پیچھے بھوک پیاس سے بیتاب ہو کر واویلا کرنے والے معصوم مسلمانوں کے یتیم بچے ہیں تو خود
اُن کا ایمان انکو بتاتا کہ وہ طاقتور ہستی وہ غریب اور امیر کا آقا وہ عزت اور ذلت
کا دینے والا جس نے ہمیں سب کچھ دے رکھا ہے آج یتیم کی صورت رانڈ کے بھیس حاجتمند
کی ہیئت اور اپاہج کی آڑ میں ہم سے مدد کا طالب ہے۔ آدھی رات کے سنسان وقت

میں عجیب ہوا قادر ذوالجلال کی طاقت کا راگ گاتی۔ انگنائی کے درختوں کے پتے اس کی قدرت کا نشان ظاہر کرتے اور رونے کی آوازیں کانوں میں آئیں تو اسلام جس کے وہ مدعی تھے اُنکو بتا دیتا کہ یہ رانڈ کی فریاد یتیم کا نالہ مظلوم کی آواز اس رب الموجودات کی صدا ہی جو اپنی خدائی چھوڑ کر ہمارے در پر بھیک مانگنے آیا ہی۔

(۳)

ڈیل فرخندہ بیگم آپ اتنی عنایت اور کیجئے کہ کل مجھکو ایک طویل فہرست اُن عورتوں کی دیدیجئے، جو آپ کی رائے میں ابھی حاجتمند ہیں۔ میرا چاہتی ہوں کہ جس قدر جلد ممکن ہو بیویاں اس تکلیف سے رہا ہو جائیں میں آپ کی بہت ممنون ہوں کہ آپنے اس موقعہ پر خود تکلیف اُٹھا کر ہم لوگوں کو اسقدر مدد دی۔

فرخندہ مس صاحب میں انشاءاللہ صبح ہی فہرست تیار کردوں گی بلکہ ابھی کو لکھنے بیٹھ جاؤں گی ابھی بہت سے گھر ایسے موجود ہیں جن کی حالت دیکھی نہیں جاتی اور جو آپ تک نہیں آسکتے۔

مس واکر بیشک بہت بڑا احسان ہوگا آپ کا۔ یاد رکھئے زندگی کا کوئی کام عمر کا کوئی لمحہ اس سے بہتر نہیں ہو سکتا کہ دوسرے انسانوں کے کام آئے۔ انسان اسی کا نام ہی آپ بہت خوب انسان ہیں۔

فرخندہ یہ تو مس صاحب میرا اپنا ہی کام ہی کسی غیر کا نہیں سب مصیبت مارے میرے ہی بہن بھائی ہیں میں اُنکی خدمت اپنا فرض سمجھتی ہوں۔

مس واکر آپ کسوقت چاء پی لیتی ہیں

فرخندہ چاء تو ہمارے ہاں صرف میرے والد پیتے ہیں یا والدہ میں تو روزمرہ نہیں پیتی۔

مس واکر میرا مطلب یہ ہی کہ آپ صبح کو کس وقت تک کام کرنے کے واسطے تیار ہو جاتی

ہیں مگر ہاں آپ تو نماز کے واسطے اُٹھتی ہوں گی۔

فرخندہ جی نہیں نماز تو میں نہیں پڑہتی مگر صبح نماز کے وقت اُٹھ بیٹھتی ہوں اور اسی وقت سے کام کرنے کے لیے موجود ہوں۔

مس واکر میں چاہتی ہوں کہ صبح چھہ بجے روانہ ہو جاؤں مگر اس برابر والے محلہ سے تقسیم شروع ہو تو اچھا ہی آپ کے محلّے میں پہنچتے پہنچتے مجکو نو دس بج جائیں گے اور ان محلوں میں مجکو آپ جیسے ایک مددگار کی ضرورت ہی۔

فرخندہ اگر آپ فرمائیں تو میں صبح ہی آپ کے پاس آجاؤں۔

مس واکر ہاں اگر ایسا ہو سکے تو بہت خوب ہوگا۔

فرخندہ آپ خاطر جمع رکھئے میں صبح ہی آجاؤں گی۔

مس واکر میں نے آپ کے متعلق کلکٹر صاحب کی میم صاحب سے بھی ذکر کیا تھا وہ بھی آپ سے ملنے کی بہت مشتاق ہیں اور ٹھیک گیارہ بجے ہم آپکے گھر پر پہنچ جائیں گے۔

فرخندہ تو آپ مجکو تہوڑا وقت فرصت کا دیجے تاکہ میں میم صاحب کے واسطے چا وغیرہ کا انتظام کرلوں میں صبح ہی آجاؤں گی ۹ بجے تک ساتھ رہوں گی اس کے بعد چلی جاؤنگی پھر آپ سے محلہ میں ملوں گی۔

مس واکر اچھا اگر آپ کو اس میں سہولت ہو تو ایسا کیجئے۔

(۴)

تم دیکھتے ہو میری عمر پوری ہوئی تم تو تم تمہارے باپ اور دادا دونوں کے دونو میرے سامنے بچہ تھے میں تمپر اعتراض نہیں کرتا مگر تم کو سمجھاتا ہوں میرا تجربہ تم سے وسیع میری عمر تم سے بڑی میری معلومات تم سے زیادہ میں نے مرزا وحید تم سے دو کپڑے زیادہ ہی پھاڑے ہونگے یہ کرتوت اچھے نہیں ہیں خدا کے واسطے لڑکی کو روکو اور اس آزادی کو موقوف کرو۔

وحید جس بات کو ایک دنیا سراہ رہی ہو جس سے سینکڑوں غریبوں اور مصیبت زدوں کو عید ہو گئی آپ اس پر اعتراض کرتے ہیں آپ کو یہ بھی معلوم ہو کہ ان دنوں میں فرخندہ نے وہ کام کیے ہیں کہ جدھر وہ نکل جاتی ہو ادھر ہی ہزاروں دعائیں اس کو ملتی ہیں اس نے خود تکلیف اٹھائی اور محلہ کو آرام پہنچایا اس کی عمر بھلا اس قابل ہو تیرہویں سال میں یہہ ہمدردی اور قومی جوش میرے تو فرشتوں نے بھی نہ سنا تھا مگر واہ ری دنیا کسی طرح چین نہیں خدا اور اس کا رسول تو یہ کہے کہ رانڈوں یتیموں کا دل ہاتھ میں لو اور آپ لوگ ناک بھوں چڑھائیں۔

بزرگ اتنا تو میں بھی جانتا ہوں اور میرے کان میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں من اعان مظلوماً اعان اللہ یوم القیامہ لیکن اعانت مظلوم تو الگ ہی تعمیل احکام کے واسطے بھی یہ ضروری نہیں کہ مسلمان خاندانی شرافت اور آبائی جوہر کو ہاتھ سے کھو دے اسلام کا کوئی حکم ایسا نہیں ہو اور نہ ہو سکتا ہو جو ایک طرف مفید اور دوسری طرف مضر ہو لیکن فرخندہ کے گن تو بربادی کے ہیں بچپن میں کواری بیٹیوں کا مسوں سے یہ خلا ملا تن تنہا کوٹھیوں کی آمد و رفت کس خدا نے بتلائی ہو بہلے کے پاس بیٹھے چبائے ناگرپان بُرے کے پاس بیٹھے کٹائے ناک اور کان دیٹا انجم تاثیر صحبت کا اثر پرانی مثل ہو میں تو یہ ہی سُن رہا ہوں کہ لڑکی ہر وقت ان ہی مسوں میں ڈوبی ہوئی ہو اور وہی رنگ ڈھنگ سیکھتی جاتی ہو

وحید آپ بہتر کو بدتر سفید کو سیاہ ہنر کو عیب اور خوبصورتی کو بدصورتی سمجھ رہے ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ دوسرے بھی آپ کی ہاں میں ہاں ملائیں میں تو خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھکو ایسی لڑکی دی دنیا اس کی تعریف کر رہی ہو اور آ۔۔۔۔۔۔

بزرگ تمہاری رائے میں دنیا تعریف کر رہی ہو گی مگر میں نے تو جس سے سُنا بیزار اور جس کو دیکھا ہنستے ہوئے ابھی ابتدا ہو سمجھو اور سوچو کہ اس کا انجام کیا ہو گا۔

(۵)

فرخندہ کی یہ زندگی جس پر باپ بہت کچھ نازاں اور اس قدر شاداں تھا کہ دوستوں میں اور عزیزوں میں دل سے اور زبان سے جہاں بھتیا ہی کا ذکر اور اُسی کی تعریف یوں تو اور نگاہوں میں بھی قابل داد اور لائق ثنا تھی لیکن باوجود اس خدمت اور ریاضت کے خاندان کا بڑا حصہ کنبہ کے اکثر لوگ عزیزوں کی بڑی تعداد اور قوم کے متعدد افراد اُسکی اس عنایت کو نفرت اور محبت کو حقارت سے دیکھ رہے تھے۔ فرخندہ کی یہ محنت کہ وہ صبح چھ بجے کی اُٹھی رات کے دس دس اور گیارہ گیارہ بجے تک خلق اللہ کی خدمت میں مصروف رہتی اپاہجوں کے بدن اور فقیروں کے پیٹ اس کے دم سے ڈھکتے اور بھرتے اس عمر میں کہ ابھی پوری طرح جوان بھی نہ ہوئی تھی سر آنکھوں پر رکھنے کے قابل تھی لاریب اسلام فرخندہ کی ہستی کو ان مسلمانوں میں جگہ دیتا جن کے سینے زندگی تک نور اسلام سے جگمگاتے رہے اور موت کے بعد صف اولین میں جگہ ملی مگر افسوس خلوص کی کسوٹی جس پر اسلام کا دار و مدار ہے فرخندہ کا پورا اُترنا تو درکنار کسنے کے قابل بھی نہ نکلی اس کی رسائی بیشک بڑے بڑے حکام کی میموں تک اس کا اثر یقیناً با اختیار لوگوں کی بیٹیوں اور بیواؤں پر پنشن کا ڈیڑھ لاکھ روپیہ کچھ شک نہیں اس کے ہاتھوں شہر میں تقسیم ہوا۔ کلکٹر کی رپورٹ میں اس کی خدمات آئینہ کی طرح صاف اور چاند کی طرح روشن ہیں مگر افسوس اسلام جس خلوص کا مسلمانوں سے متوقع ہے اس کی چھینٹ بھی فرخندہ کے اعمالنامے میں نہ تھی اور مذہب جو مسلمانوں کی زندگی کا روح رواں ہے اس سے بہت دور تھا۔ سنہ ۵۷ء کی شریف گردی ہے جس نے بڑے بڑے رئیسوں اور نوابوں کو بھیک منگوانی حکومت اور راج کرنے والوں کو دوسروں کے رحم کا محتاج بنا دیا مرزا وحید کا خاندان بھی محفوظ نہ رہا۔ چار سالم گاؤں دو باغ ایک محلسرا ضبط ہوئی اور وحید کے باپ مرزا رشید کا آخری وقت ایسا گزرا کہ خدا دشمن کا بھی نہ گزارے پردیس میں موت آئی آپ کہیں

نہ بچے کہیں افراتفری کا زمانہ سستی ستی کے دن غریب کو فاتحہ تو درکنار گور گڑھا بھی مشکل ہی سے
نصیب ہوا۔ جب وہ بلا ٹل چکی وقت گزر گیا اور امن جمی ہوئی ہی تو مفرور ین محسن پور گھر لوٹے وحید
کہنے کو تو رشید کا بچہ تھا مگر در حقیقت بچوں والا تھا او پر تلے کے دو لڑکے مر چکے تھے وقت کو
پہچانتا اور بات کو سمجھتا تھا تعلقات بڑھائے میل جول شروع کیا بیگناہی کا یقین
دلایا وفاداری کے حلف اُٹھائے کوشش پوری اور سعی کامیاب ہوئی علاقہ واگذاشت
اور الزام بغاوت دور۔ بہ ظاہر یہ وہ مسرت تھی جس نے کلفت کو راحت سے افلاس کو
تمول سے ذلت کو عزت سے اور حقارت کو وجاہت سے بدل دیا۔ مگر افسوس اس تغیر
کے ساتھ اس انقلاب سے منسلک اور اس ترقی کے سلسلہ میں جو نئی مصیبت پیدا ہوئی وہ
تکبر خود غرضی اور لامذہبی کا وہ آغاز تھا جو باپ سے چلا اور بیٹی ... ٹھہرا۔ وحید سے شروع اور
فرخندہ پر ختم ہوا اسلئے فرخندہ کے افعال جس ہر ذاتی کے علاوہ ترکہ پدری تھا اور اگر اس کا اثر بالواسطہ
یا بلا واسطہ صرف دونوں باپ بیٹیوں کی ذات تک محدود رہتا تو حاشا و کلا ہمکو شکایت
نہ تھی۔ وحید نے الزام بغاوت دور کیا خوب کیا درست کیا جائز کیا کیا اور کرنا چاہیئے
تھا اعزاز دنیوی اگر وہ نتیجۂ راز نہ ہوا اسلام کا عین منشا وجاہت زندگی اگر وہ معجزہ
اور کرامت ہو تلقین اسلام کا مقصد اصلی لیڈری و ریفارمری کثرت زر و تمول کی افراط
اگر جذبات قوم کا خون گردن پر ہو تو زہے نصیب لیکن مرزا وحید کا غضب یہ تھا کہ دنیا کو دین
پر قربان کیا اور زندگی کے سامنے موت کو فراموش کر ثمرۂ اعمال و افعال دل سے قطعی
بھلا دیا وحید کی عمر کا بڑا حصہ تو نہیں مگر اکثر وقت حکام کی چاپلوسی یا سلسلۂ ملاقات
ہی میں گزرتا بڑے دن کی ڈالیاں ایسٹر کے تحفے آئے دن کی دعوتیں تو متقررہ بات
تھیں اگر یہ ملاقات توسیع تعلقات کا ذریعہ اور یہ کارگزاری مطلب براری کا سبب
ضروری تھی تو قابل اعتراض نہیں لیکن کچھ اور باتیں تھیں کچھ اور سبب تھے کچھ اور ہی
باعث تھے جو مسلمانوں کے دلوں میں پھانس بنکر چبھے اور زبان سے شکایت بنکر

نکلے ہمکو وحید سے زیادہ بحث نہیں ہم سے اس کی ذات صرف اتنی متعلق ہے جس کا اثر فرخندہ کی حالات پر ہے اور اس لیے ہمارا یہ کہنا بیجا نہو گا کہ فرخندہ کی حالت میں اگر معاملات اور حالات کا دخل ضرور تھا تو تربیت اور صحبت کا اثر بھی کچھ کم نہ تھا۔ رہی ان ہاتوں میں پلی اُن گودوں میں اور آنکھ کھولی اُن لوگوں میں لوگوں میں نہیں اس باپ کی آغوش شفقت اور سایہ محبت میں جس کا مذہب خوشامد جس کا مقصد ترقی جس کی غرض خود غرضی۔ یہ خیال کہ مغربی طوفان اٹل اور زمانہ کی رفتار کوہ گراں تھی۔ ..... ایک خاص حد تک درست سہی مگر تربیت سونے پر سہاگہ اور صحبت مرے پر سو درّے ہوئی فرخندہ کی جوانی کا آغاز وحید کی ضعیفی کی تمہید بھی نہیں دور وسطی تھا اور یہ وہ وقت تھا کہ انسان بشرطیکہ مسلمان ہو خود بخود ایمان کا مطیع ہو کر خدا کو پہچان لیتا ہے مگر اعزاز کے پردے وجاہت کی چلمنیں اس بری طرح وحید کی آنکھوں پر پڑی تہیں کہ اس کو خواب میں بھی صرف یہ ہی صورتیں نظر آتی تھیں ایسے باپ کی بیٹی ایسی تربیت کی بچی جس حد تک بھی رفتار زمانہ کا ساتھ دیتی سچی تھی۔

(۶)

فرخندہ بیگم میں تم کو مبارکباد دیتی ہوں کہ تمہاری خدمات پر گورنمنٹ نے اظہار رضامندی فرمایا اور ایک سونے کی گھڑی عطا کی جو کلکٹر صاحب کی میم اپنے ہاتھ سے جلسہ سنگ بنیاد میں تم کو دیں گی افسوس یہ ہے کہ باوجود ہماری اسقدر سخت کوششوں کے مسلمان تعلیم نسواں کی طرف مطلق توجہ نہیں کرتے اور اُن کا شمار اس قطار میں ہر قوم سے کم ہے۔ گورنمنٹ اپنا فرض ادا کر رہی ہے ہم لوگ دن رات منتیں اور خوشامدیں کر رہے ہیں مگر تعلیم کی خوبی ابھی تک مسلمانوں کے ذہن نشین نہیں ہوئی۔ پچھلا رسالہ جس کا نام تعلیم نسواں کی خوبیاں تھا دس ہزار تقسیم کیا گیا لیکن جس کامیابی کی توقع تھی وہ پوری نہوئی اب ہمارا خیال ہے کہ ہر محلہ میں ایک ریڈنگ روم مسلمان خواتین کے

واسطے مشن کی طرف سے بنا دیا جائے جہاں ہر قسم کی کتابیں اخبار اور رسالے ہر وقت موجود رہیں چار محلوں میں زمین کا انتظام ہو گیا ہے آپ اپنے محلہ میں کوئی جگہ تجویز کیجئے اس کا روپیہ آپ کو مشن سے ملیگا آپ کے خیال میں کون سی جگہ مناسب ہوگی

فرخندہ سموسے کے پاس جو آپ نے دونوں مکان دیکھے ہیں ایک میں تو بڑ بھی اور دوسرے میں تیل والی رہتی ہے وہ دونو ہمارے ہی ہیں اور حاضر ہیں۔

مس واکر وہ مقام تو موزوں ہے مگر وہاں ایک چھوٹا مکان اور ہے۔

فرخندہ جی ہاں وہ کولکی چھوٹی سی ہے وہ بھی آسکتی ہے۔ ہماری ہی ایک غریب عورت اس میں رہتی ہے۔

مس واکر وہ خوشی سے دیدے گی؟

فرخندہ بیشک نہ کیوں دے گی ہم اس کو قیمت دیں گے۔

مس واکر وہ کون عورت ہے۔

فرخندہ۔ ایک رانڈ ہے جس کو ہر وقت روپیہ کی ضرورت رہتی ہے اور اس طرح ہم اس کے ساتھ اچھا سلوک کر دیں گے۔

مس واکر آپ آج اُس سے طے کر لیجئے، ہم مستری کو بھیجدیں؟

فرخندہ اسے طے ہوا سمجھئے آپ نقشہ بنوانا شروع کیجئے۔

(۷)

مرزا رشید اگلے زمانہ کا سیدھا سادھا آدمی جب تک زندہ رہا مجید اور وحید دونوں لڑکوں کو کلیجے سے لگائے رہا۔ جب املاک خاک میں مل گئی اور جان کے لالے پڑے تو گھر چھوڑ باہر نکلا ارادے وسیع اور ہمت بڑی تھی مگر موت کے آگے سب پست ہوئے باپ کے بعد اب اس مغلیہ خاندان کی باگ ان دو بچوں وحید اور مجید کے ہاتھ میں تھی مجید پانچوں وقت کا نمازی خلیق و منکسر سچا انسان اور پکا مسلمان تھا غربہ بول سے

رغبت امیروں سے نفرت خوشامد سے دور تصنع سے بیزار جب تک جیتا رہا ایسا جیا کہ جس رستے نکل جاتا لوگوں کی نگاہیں اُٹھ جاتیں صبح کی نماز سے فرصت پا کر نکل کھڑا ہوتا ڈہونڈہ ڈہونڈہ کر اور چھانٹ چھانٹ کر غریبوں سے ملتا اور فقیروں کے ہاں جاتا برائے نام کے جان پہچان اور دور دور کے رشتہ دار کوئی ایسا نہ تھا جو اس کا ممنون احسان نہو اسی کا بہائی وحید تھا جو امیروں پر شہد سمجھکر مکھی کی طرح گرتا اور غریبوں سے لاحول سمجھکر شیطان کی مانند بھاگتا۔ نفس کا غلام مطلب کا بندہ خوشامد کا عاشق اعزاز کا شیدا دنیا کا دوست دین کا دشمن آدمی کی اوٹ میں جانور اور مسلمان کے بھیس میں کافر۔ علاقہ واگذاشت ہوا تو ہوا تو بیشک وحید کی کوشش اور وحید کی پاؤں دوڑی سے مگر دونو ایک باپ کی اولاد ایک ماں کے بچے وارث شرعی دونو ہی تھے۔ وحید نے چپہ چپہ اور تل تل قبضہ میں کر دود کی مکھی کی طرح بہائی کو نکال باہر کیا مجید ان جھگڑوں سے الگ تھلگ اور ان معاملوں سے دور رہنے والا آدمی ان چالاکیوں کو کیا سمجھتا تھا ایک آپ اور ایک بیوی کل دو دم تھے مطلق پروا نہ کی یہ وحید کی علانیہ غلطی اور صریح بیوقوفی تھی اگر بہائی کی زندگی تک صرف اسکا دل خوش کرنے کو آدہی کیا ساری جائداد اس کو دیدیتا تو مجید اس قماش کا آدمی تھا کہ غلاموں کی طرح بہائی کا فرمانبردار اور نوکروں کی مانند ہوں پر تیار رہتا۔ مجید کے بعد اور وارث ہی کون بیٹھا تھا یوں بھی سعید اور یوں بھی دنیا اور دین دونو کما لیتا مگر دل میں کہوٹ ایمان میں نقص طبیعت میں خرابی ترکہ کس کا اور ورثہ کیسا اس کا رہنا بھی گوارا نہوا۔ محلسرا کے ایک کونہ میں دونو میاں بیوی رہتے تھے کہانے سے غرض نہ پینے سے واسطہ بہائی بہاوج نے جو بہیجا۔ یا وہ کہا لیا جو بنا دیا وہ پہن لیا۔ چار پانچہزار کا زیور بیوی کے پاس تھا وہ راہ خدا میں لٹا یا اور اب کہ کوئی سہارا تک نہ تھا وحید نے یہ سمجھکر کہ کہیں مجید رنگ نہ لائے اس کا یہاں ٹھہرنا بھی قبضہ

کی ذلیل ہو گی اتنا ذلیل کیا کہ سب کے سامنے منہ در منہ کہدیا کہ میرے ہاں جگہ نہیں تم کچھہ اور فکر کرو مجید کو کیا عذر ہو سکتا تھا وہ اس دن کے واسطے پیدا ہی نہ ہوا تھا کہ کسی کو رنجیدہ کرتا وحید کھڑا دیکھتا رہا اور مجید اپنا اسباب بغل میں مار بیوی کو چادر اڑھا ساتھ لے محلسرا سے چل دیا خلق کا حلق بند دنیا کی زبان روکی نہیں جا سکتی، مجید نے تو پروانہ کی اندر رہا تو خوش اور باہر رہا تو خوش مگر لوگوں نے وحید کو نکّو بنانے میں کسر نہ کی۔ وحید کے ایک بزرگ حقیقی چچا تو نہ تھے مگر وہ چچا تھے جن کی عزت ہمیشہ رشید نے اتنی کی کہ اٹھکر لیا اور کھڑے ہو کر ملا یہ سنکر کہ وحید نے مجید کو محلسرا سے باہر نکالدیا دنگ ہوگئے آؤ دیکھا نہ تاؤ بانڈی ہاتھ میں لے سر پر آکھڑے ہوئے۔ تھے تو بڈھے اور بڈھے بھی پھونس مگر مرزائی کس بل اب تک موجود تھا۔ ڈاڑھی چڑھی ہوئی مونچھیں مڑی ہوئی خضاب لگا ہوا کمر پٹکا بندھا ہوا۔ وحید گاؤں کے کاغذات اور داخل خارج کے مقدمات دیکھہ رہا تھا۔ پشت پر ہوئی آہٹ پلٹ کر دیکھتا ہی تو مرزا آ کا خون ہی تو خشک ہو گیا۔ چچا کی حیثیت سے الگ ہو کر بھی مرزا آ کا اس کینڈے کے انسان اور بگڑے دل آدمی تھے کہ تقریر اور گفتگو کو چھوڑ کر باوجودیکہ بدن میں رعشہ اور کمر جھک گئی تھی ، ہاتھ پاؤں سے بھی وحید جیسے دو کو بہت تھے آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا وحید تو صورت دیکھتے ہی سہم گیا کاغذ چھوڑ چھاڑ اور آدمیوں کو ہٹا ہٹو دست بستہ کھڑا ہو گیا مرزا صاحب بیٹھ گئے تو گردن نیچے کر سامنے آ بیٹھا دونو خاموش تھے کچھہ دیر اسی طرح گزری اور پھر مرزا صاحب نے ایک جمائی لیکر فرمایا۔

کہو بھائی وحید سنا ہی میاں مجید چلے گئے یہ کیا معاملہ ہی

وحید ۔ جی ہاں چلے گئے

مرزا جی یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ چلے گئے مگر پوچھنا یہ ہی کہ کیوں چلے گئے

وحید وہ تو اپنی ذات سے بہت ہی میاں آدمی ہیں مگر آج کل کی عورتوں کا

حال آپ جانتے ہیں عورتیں کیا بس کی گانٹھ ہیں میں نے ہمیشہ اُن کی سہی اور اُف نہ کی اسی لیے کہ گہر کی ہوا نہ بگڑے اب اس نیکبخت نے یہ فتنہ کہڑا کیا کہ بڑا کمرہ ہمکو دو نہیں تو ہم جاتے ہیں مجھے تو اس میں بھی عذر نہ تھا مجید کیا غیر ہیں اول بھی اُنکا اور آخر بھی اُنکا مگر وہ تو فقط جاتا تھا کمرے کا پیچ پچ بہانہ تھا میاں کو ساتھ لے چلی گئیں سو میں انشا اللہ جاؤں گا منت کروں گا ہاتھ جوڑوں گا مگر لاؤں گا ضرور اب دنیا کو کیا خبر کہ اصلیت کیا ہے آپ بزرگ تھے دریافت کرنے آگئے اصلیت معلوم ہوگئی دوسرے تو میرا ہی قصور سمجھیں گے۔ کیوں چچا جان وہ جو نرائن سے سیر کا جھگڑا چل رہا تھا اس کا کچھہ فیصلہ ہوا یا نہیں یہ اندھیر ہے کہیں نہیں دیکھا کہ سیر کو خود کاشت بنائے دیتا ہے میں کیا عرض کروں فرمائیے تو چار دن میں بدمعاش کو ٹھیک بنا دوں - ذرا کاغذات تو مجھے بھیجد یجئے -

مرزا جی اس سیر اور خود کاشت کو تو معاف کیجئے مطلب کی بات کہئے جس کے واسطے میں آیا اور جو تم سے طے کرنی ہے تم میری آنکھوں میں خاک جھونکتے ہو کل کے بچے اصلی بات اُڑا کر سیر خود کاشت کا جھگڑا لے بیٹھے میں بڈہا ضرور ہوں مگر یہ نہ سمجھنا کہ سٹھیا گیا تم جیسے بچھو کرے تو میرے ناخنوں میں بھرے پڑے ہیں مجید اور اس کی بیوی دونو میاں بیوی آدمی نہیں گائے ہیں بہلا وہ بدنصیب تم سے محلسرا کا کیا دعویٰ کرتا اور وہ تقدیر بہوٹی جو ہر حال میں راضی اور ہر رنگ میں خوش کیا فتنہ اُٹھاتی اس کے تو باپ نے بھی کبھی فتنہ کا نام نہ سنا ہوگا میں پہلے وہیں گیا تھا اور وہیں سے آرہا ہوں ہتیرا کہا ہر چند سمجھایا لاکھہ کوشش کی کہ مجید آج ہی تیر تقسیم جائیداد کا دعویٰ کر دے اور میں دیکھہ لوں کہ تم کس کے بچے ہو تم مرزا رشید کے مال میں سے مجید جیسے لال کو محروم کر دو مگر کٹ جائے اُنکی زبان اور ٹوٹے اُن کا منہ جو ایک حرف شکایت کا لب پر آیا ہو دونو خوش ہیں اور جسطرح پہلے تمہارے دعاگو تھے آج بھی ہیں گریبان میں منہ ڈالو اور سوچو واقعات پر نظر ڈالو

اور غور کرو حقیقی بھائی برابر کا بازو اور سر بدلے کا سر باپ کی یادگار ماں کی نشانی مجید اور
اُس کی بیوی ڈیڑھ گز تھگلی میں جہاں پوری چارپائی بھی نہ بچھہ سکے ٹوٹے ہوئے کھٹولے
پر بیٹھے ہوئے کپڑے پہنے زندگی بسر کریں۔ تم اور تمہاری بیوی تمہاری بیوی اور بچے اس
عظیم الشان محلسرا اس جگادری حویلی اس قلعہ مکان میں میز اور کرسیاں لگائے دری
قالین بچھائے نواڑی پلنگوں پر چادروں اور توشکوں پر پڑے حکومت کرو تم انسان
نہیں پتھر اور مسلمان نہیں کافر ہو بھائی کی غربت اور بھاوج کی مصیبت پر تمہارا دل
نہ پسیجا وحید پھوٹ جائیں یہ آنکھیں جس وقت دیکھیں کہ بھائی بیوی کا ہاتھ پکڑے باپ
کے مکان سے نکل رہا ہے اور غارت ہو جاتا یہ دل جب یہ گوارا کرتا کہ پردہ نشین بھاوج
جس کو تیرا باپ پالکی میں بٹھا کر اس در پر لایا تھا بغل میں بچھونا لیے محلسرا سے رخصت
ہو رہی ہے میں مولوی نہیں عالم نہیں عابد نہیں زاہد نہیں دنیا میں لتھڑا اور گناہوں میں
آلودہ مگر میری روح لرز گئی جب میں نے یہ واردات سُنی بتاؤ کس طرح تم کو اس محلسرا میں
اس پلنگ پر نیند آگئی کیونکر تمہارے حلق سے یہ تر نوالے یہ لذیذ کھانے اُتر گئے اس
حالت میں اور اس آفت میں کہ بھائی بھاوج کھری کھٹیا پر بھوکے پڑیں۔ مجید وہ بھولا
شخص اور اس کی بیوی وہ سیدھی عورت ہے جس کو دیکھکر کافر کا جی بھی ایک دفعہ مسلمان
ہونے کو چاہ جائے تو اتنا کچھہ کر رہا ہے اور اپنی دانست میں بہت کچھہ عزت بہت
بڑی صاحبی اور سب سے زیادہ نام پیدا کر لیا مگر ہماری نگاہ میں تیرا اعزاز تیری
وقعت تیرا نام تیری عزت خدا کی قسم دو کوڑی کی عزت مجید اور اس کی بیوی کی ہے
کہ اس مفلسی اور غربت میں سارا محنبور اُن کا کلمہ پڑھ رہا ہے آج شہر بھر میں ایک
متنفس ایسا نہیں جو اُن کے پسینہ پر خون بہانے کو تیار نہو جائے میں جانتا ہوں
کہ مجید کا خسر مر گیا مگر یاد رکھہ کہ اس کی بیوی بے وارثی نہیں ہے مغلواڑہ کے لوگ اگر
اُڑتی سی خبر سن پائیں گے تو لکھہ لے کہ مغل زادی کے قدموں پر خون کے پرنالے

بہہ جائیں گے۔ میں سچ کہتا ہوں مغل اگر بگڑ گئے تو تیری تکا بوٹی کر دیں گے میں خوب سمجھتا ہوں کہ دنیا تیرے پیچھے پڑ گئی اور اب تجھکو سوا ترقی کے کچھ نہیں دکھائی دیتا مگر اچھی طرح سمجھ لے کہ مغل سب کچھ اُگل والیں گے وحید اب بھی سنبھل جا ہاتھ جوڑ اس بھائی کے آگے جو تیرا باپ ہے اور پاؤں میں گر اس بہاوج کے جس کے ساتھ تیرے باپ کی لاج اور جس کے ہاتھ تیرے دادا کی آبرو ہے۔

آکا مرزا کی تقریر ختم ہوتے ہی کس کا سوال اور کیسا جواب کہاں کا قیام اور کدھر کا انتظار سید ہا اُٹھ کان دبا ٹوپی اوڑھ بھائی کے پاس دونوں میاں بیوی بیٹھے روٹی کھا رہے تھے سعید کی صورت دیکھتے ہی بہاوج اُٹھ کھڑی ہوئی اور کہا آؤ بھائی کھانا کھاؤ دیکھو کیسے مزے کی بیسنی روٹی ہے چٹنی بھی اس وقت بہار دکھا رہی ہے۔

وحید میں تو کھا کر آیا ہوں بسم اللہ کرو۔

بہاوج ایک آدھ نوالہ تو کھاؤ دیکھو تو سہی کیسے مزے کی پکی ہے

وحید واقعی میں کھا کر آیا ہوں نہیں تو ضرور کھا لیتا۔

بہاوج میرے کہنے سے ایک ٹکڑا توڑو تو سہی گرما گرم ہے۔

وحید نہیں اس وقت تو معاف کرو۔

بہاوج اچھا نہیں سہی جانے دو۔

مجید۔ یہ میری اچکن ادھر کھسکا دو اس پر بیٹھ جائیں گے لو بھائی بیٹھو۔

وحید میں تو اس لیے آیا تھا کہ میں نے کچھ کہا اور تم کچھ سمجھے میں گاؤں چلا گیا تھا اب جو آکر دیکھا تو تم یہاں ہو میری زندگی تک تو بھئی تم دونو میرا ساتھ چھوڑو نہیں میرے بعد اختیار ہے۔

مجید اچھا بھئی تو ہم پھر وہیں چلے چلیں۔

وحید ہاں چلئے ۔۔۔۔۔
بہاوج تو ہم ذرا روٹی تو کہا لیں ابہی چلتے ہیں۔
وحید ہاں روٹی کہا کر دونو آجائیے۔

وحید یہ کہکر چلا گیا تو دونو میاں بیوی بہت خوش ہوئے۔ مجید نے بیوی کی طرف دیکہا اور کہا۔

بہائی کی محبت بہی اللہ نے کیا بنائی ہی اسوقت تو ضرورت ہوئی اس لیے کمرہ خالی کروالیا پہر جی گہبرایا تو بلانے آگئے۔

بیوی سیدہے آدمی ہیں تیر پیر نہیں آتی چلو جلدی چلے چلو ایسا نہ ہو وہ راہ دیکہہ رہے ہوں۔

مجید اتنا سیدہا اتنا سچا اتنا صاف کہ ترکہ گیا ورثہ گیا حصہ گیا حق گیا گہر گیا باو گیا مگر وہ اللہ کا بندہ مصیبت کی گہڑی آکر بہی پڑی تو خاک نہ سمجہا وحید ایسا ہشیار ایسا مکار ایسا کہوٹا کہ گاؤں لیے محلسرالی مال لیا متاع لیا زیور لیا جائداد لی اور پہر بہی چین سے نہ بیٹہا۔ آکا مرزا کی تقریر وحید کی روشنی طبع کے واسطے بلا ہوئی اور اُسے پورا کہٹکا ہو گیا کہ سو لبوے تو میرے جیتے ہی جی ورنہ میرے بعد مغل زادے چپکے رہنے والے نہیں یہ وہ شورہ پشت لوگ ہیں کہ کوڑی کوڑی اور دام دام رکہوالیں پہر بہی چین سے بیٹہیں نہ بیٹہنے دیں مجید کی زندگی میری تمام امیدوں کا خون اور کل آرزوں کو پامال کرنے والی ہی یہ وہ وقت تہا کہ انسانی جان گاجر مولی سے زیادہ وقعت نہ رکہتی تہی اور روز صبح کو چاندماری کے میدان میں بیسیوں باغی بہیڑ بکری کی طرح ذبح ہوتے تہے وحید کے اشارے کی دیر تہی مجید باغیوں میں گرفتار ہو مقتل میں پہنچا دیا گیا مغلوں نے بہت زور لگائے ہر چند سر پٹکے کوششیں بہی کیں سفارشیں بہی بلکہ پہانسی سے ایک روز قبل سارے محسنپور نے مجید کی بیگناہی کی شہادت دی مگر وحید کی گرہ

ایسی بودی نہ تھی کہ کھل جاتی جس وقت پھانسی کی خبر مجید کی بیوی صغیرہ کو پہنچی ہے رات کا ابتدائی حصہ تھا اس کی صداقت دیور کی شرارت کا شبہ بھی نہ کر سکی روتی ہوئی آئی اور کہنے لگی سنا ہے صبح کو پھانسی ہوگی وہ تو کسی کے لینے میں نہ دینے میں بھیا تو ہی حاکم سے جا کر کہدے کہ وہ بے قصور ہیں۔

وحید۔ روکر، بھابی میں تو آج تین دن سے اسی چکر میں پھر رہا ہوں چار کی ایک پیالی کا گنہگار تو ضرور ہوں روٹی اگر کھائی ہو تو حرام سؤر ہر وقت رو رہا ہوں ہائے مجید کو کہاں سے لاؤں۔

دیور کی گفتگو سنکر سچا دل اور بھی پھوٹ پھوٹ کر رو دیا کہنے لگی۔ تو اب بچنے کی کوئی امید نہیں ہے۔

وحید۔ ہاں اب تو اللہ ہی اللہ ہے۔

خاموش ہو کر اپنی کوٹھری میں آگئی تھوڑی دیر بیٹھی ہوگی کہ جی گھبرایا باہر نکلی چاند کی روشنی نیم کے درخت سے چھن چھن کر اس کے چہرہ پر پڑ رہی تھی اور بیپال قلب مضطرب کی بیگناہ آرزوؤں اور معصوم حسرتوں کو خاموشی سے تک رہی تھیں دل بجھ گیا تھا زبان خاموش تھی اور ایک ایک کو اس امید پر دیکھ رہی تھی کہ شاید کوئی مجید کو چھڑا لائے دفعتہً وحید نے آکر کہا تم پریشان نہ ہو ممکن ہے صبح کو چھوٹ جائیں میں نے کوشش تو بہت کی ہے اتنا سنتے ہی اچھل پڑی آدھی رات کا سنسان وقت تھا جب ایک مظلوم عورت ان الفاظ کا یقین کر کے ظالم دیور کے قدموں میں گر پڑی اور کہا۔

خدا تیری عمر دراز کرے بھیا ہم تو الگ تھلگ رہنے والے آدمی ہیں بھلا ہمیں ان باتوں سے کیا واسطہ تو نے بڑا احسان کیا اللہ تیرے بچوں کی عمر دراز کرے مایوس دل کا امیدوار ہونا تھا کہ چہرہ کی افسردگی بشاشت سے بدل گئی خیال آیا اتنے

روتے ہوئے ہیں وہاں کس نے کھلایا ہوگا روٹی پکالوں صبح ہی کھلادوں گی اُٹھی
آٹا گوندھا روٹی پکائی دال چڑھائی رات گھڑیاں گن گن کر کاٹی اور وقت خدا خدا
کرکے گذارا ادہر مؤذن نے اللہ اکبر کی صدا دی اُدہر بدنصیب مغل زادی سفید
چادر سر پر ڈال مقتل میں پہنچی آفتاب نکل چکا تھا چاروں طرف پھانسیاں گڑی
ہوئی تھیں اور باغیوں کا گروہ پابجولاں موجود تھا دور سے دیکھا اور بیتاب ہوکر
قریب پہنچی۔

بیوی چلو اب گھر چلو نہ۔

مجید مجھے تو پھانسی کا حکم ہے اب ہو گی۔

بیوی نہیں تو وحید کہتا تھا چھٹ جائیں گے۔

مجید اُس کو کیا خبر بچہ ہے کل حکم ہوگیا۔

بیوی تو یہ کس نے پکڑوایا ہم نے تو خدا گواہ ہے کچھہ نہیں کیا۔

مجید خیر مرنا تو ہے ہی جس طرح اللہ کی مرضی ہو۔

بیوی پھر اب کیا ہوگا ارے بھئی ہم سے تو قسم لے لو جو ہم نے کچھہ بھی کیا ہو ہم تو
غدر کے دنوں میں گھر سے باہر بھی نہیں نکلے

مجید۔ بس صبر کرو اللہ ہی اللہ ہے۔

بیوی کھڑی دیکھتی رہی اور مجید پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔

بیوی کی نگاہ شوہر کے چہرہ پر رہی اور جسد بیجان تختہ سے نیچے لٹک گیا۔
لوگ اپنے اپنے مردوں کو لیکر چلے گئے تو نصیرہ نے شوہر کی لاش دیکھی اس کے
قریب آئی سر اُٹھا کر گود میں لیا اور وہیں گڑوا دیا اب اس کی دنیا اور دنیا کے
تمام تعلقات زندگی اور زندگی کی تمام کائنات یہ ڈیڑہ دو گز زمین تھی جہاں ات
دن رات پڑی رہتی جنگل کی ڈراونی راتیں تنہائی کی دہشت ناک گھڑیاں آتیں

اور گزر جاتیں دن کو جب بھوک لگتی تو کبھی شہر کی طرف چلی آتی ورنہ اسی سمت رخ کر دیتی اور دور نکل جاتی مہمان نواز درخت مسافر نوازی میں کسر نہ رکھتے اور جو کچھ موجود ہوتا فراخدلی سے قدرت کی اس تصویر کے سامنے رکھتے جو کائنات کی قابل ناز ہستی تھی جاڑوں کی کڑکڑاتی سردی بادلوں کی آفت ناک گڑگڑاہٹ بجلی کی قیامت خیز چمک گیدڑوں کی چیخ دہاڑ اور سانپوں کی پھنکار کوئی طاقت ایسی تھی جو صغیرہ کو شوہر کی قبر سے چھڑوا دیتی جھاڑو نہ تھی مگر اپنے ہاتھ سے اس کو لیپتی پوتتی جھاڑتی پونچھتی کنوؤں سے پانی لاتی جنگل سے پھول چنتی اور بیگناہ شوہر کی قبر کو گلدستہ بناتی خوش ہوتی اور روتی چومتی اور ہاتھ پھیرتی اور اسی طرح جب نیند کا غلبہ ہوتا تو پائنتی پڑ رہتی جب فتنہ کم اور پھانسیاں موقوف ہوئیں تو یہ قطعہ جہاں ہزارہا بندگان خدا دنیا سے رخصت ہوئے جنگل بیابان رہ گیا۔ صغیرہ نے خود ہی چاروں طرف کچی دیواریں چنکر لکڑیوں کی چھت بنالی میکے والوں نے بہت چاہا منت کی سماجت کی سمجھایا بجھایا مگر کامیاب نہ ہوئے اور اس طرح صغیرہ بیگناہ شوہر کی قبر پر اپنی زندگی بسر کرنے لگی دنیا کی ہر چیز ترقی کر رہی تھی محسنپور کے جنگل بھی آبادی سے بدلے اور یہ حصہ جہاں برسوں بھی ٹمٹماتا ہوا چراغ نظر نہ آتا گلزار بن گیا ہر طرف آبادی ہوئی دکانیں بنیں مکان بنے یہ تھی وہ جگہ جو سموسہ کہلاتی تھی اور جہاں دو مکان وحید کے اور یہ چھوٹا سا گھونسلا صغیرہ کا تھا۔

(۸)

مس واکر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اس زمین کے دینے میں کچھ عذر ہے مگر یہ تو ثواب کی بات ہے لوگ فائدہ اٹھائیں گے ہم آپ کو اس کی پوری قیمت دیں گے۔

فرخندہ جی نہیں تکلیف نہیں ان کی عادت ہی خاموش رہنے کی ہے ان کو کوئی عذر نہیں ہوسکتا۔ قیمت کی ضرورت نہیں یہ ان کی زر خرید نہیں ہے۔ زمین سرکاری ہے

وحید آپ کو ضرورت ہی تو شوق سے لیجئے اس عورت کو میں جانتا ہوں میں اس کو اپنے ہاں جگہ دے دونگا۔

مس واکر آپ خاموش کیوں ہیں یہ قبر کس کی ہی۔

صغیرہ میں بدبجلی جاتی ہوں آپ لے لیجئے۔

مس واکر آپ اس کو کس معاوضہ پر بہ خوشی دے سکتی ہیں یہ کس کی قبر ہی۔

صغیرہ میں روپیہ کا کیا کروں گی آپ ہی کی زمین ہی لے لیجے آپ اس قبر کو توڑ دینگی

مس واکر ہاں یہاں ایک پختہ عمارت بنے گی۔

صغیرہ بہت اچھا۔

وحید مس صاحب آپ ہندوستانیوں کی عادت سے واقف نہیں ہیں یہ تو عجیب خلقت کے لوگ ہیں جس قدر انسانیت برتئے اسی قدر سر پر چڑھیں گے مستری آدنا یو۔ بیٹی تم باہر آجاؤ۔

صغیرہ یہ قبر اب ہی ٹوٹے گی۔

فرخندہ اب ہی ٹوٹے یا کبھی ٹوٹے اس میں رکھا کیا ہی قبر کی پرستش بہت ضروری ہی؟

صغیرہ نہیں تو اچھا لے لیجئے . . . . یہ قبر اب ہی ٹوٹے گی۔

وحید کہہ تو دیا کہ ہاں اب گھڑی گھڑی پوچھنے کی کیا ضرورت ہی۔

مس واکر فرخندہ بیگم آپ اتنے اس کام کو شروع کروائیے میں ذرا ادہر ہو آؤں

مس واکر چلی گئی صغیرہ نکل کر باہر کھڑی ہوئی اور اس کی آنکھوں کے سامنے وہ مٹی کا ڈھیر جس کے پھاوڑے کی ہر چوٹ صغیرہ کے دل پر پڑی برابر ہو گیا جب شام ہو چکی ہی اور مزدور چلے گئے تو وہ ایک دفعہ رات کے وقت پھر یہاں آئی بیٹھی اس کی آنکھوں سے آنسو کے چند قطرے اس مقام پر گرے جہاں مجید کی روح نے عالم بالا کو

پرواز کیا اور جہاں اس کا جسد خاکی دبا ہوا تھا وہ اٹھی اس وقت اس کے قلب کی وہ کیفیت تھی جو پھانسی کے وقت اُس پر گزری وہ سمجھتی تھی کہ شوہر ہمیشہ کو چھوٹ گیا اب اس کی ہڈیاں میرے سامنے موجود ہیں اُن کو اس کی بجائے گلے سے لگاؤں گی مگر اسوقت دنیا کی ضرورتیں بدنصیب بیوی کو ان ہڈیوں سے جدا کر رہی تھی رات اسی طرح گزری اور جب آفتاب سر پر چمکا تو اس زمین کو بوسہ دیا آنکھیں ملیں اور یہ کہکر چلی۔

اب انشاء اللہ قیامت کے روز ملیں گے

(۹)

فرخندہ کی جوانی چاروں کی چاندنی نہ تھی کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی پردہ برائے نام تھا محلہ میں تو مشکل ہی سے کوئی ایسا ہوگا جس نے اس کے چہرہ کی زیارت نہ کی ہو لیکن پر محلے کے لوگ بھی اس فخر سے محروم نہ تھے اس کے لباس کا شہرہ ہر گھر میں پہنچ چکا تھا اس کی گفتگو کا ڈھنگ اس کے ملنے کا طریقہ اس کی بات چیت سب کے کانوں میں پڑی ہوئی تھی وہ بساط تنہیر پر اکیلی نہ تھی کچھ اور لڑکیاں بھی اس کی مرید تھیں جو اس طرح کھلم کھلا تو کینچلی نہ بدل چکی تھیں مگر اس کی صحبت میں خوشی سے رہتیں اُسکے کاموں کو سراہتیں اور اس کے اطوار کو سر آنکھوں پر رکھتیں بیچارے سیدھے سادے مغلوں کی تو ہستی کیا تھی کہ اس کی شادی کا خیال بھی دل میں لا سکتے اس کی کھپت اگر ہو سکتی تھی تو اُن ہی لوگوں میں جو اس کی زندگی کے مداح اور اس کے اعمال کو جائز سمجھ رہے تھے اور جن کی زبان و قلم سے ترقی قوم کے ساتھ پہلا فقرہ یہ نکلتا تھا کہ جب تک لڑکیاں تعلیم یافتہ نہ ہوں لڑکوں کی تعلیم فضول ہے مگر جنہوں نے کبھی یہ نہ فرمایا کہ لڑکیوں کو تعلیم کس ذریعہ سے دی جائے اسی گروہ کی خواہشیں تھیں ان ہی لوگوں کے پیغام تھے ان ہی کی منت سماجت تھی اور اُن ہی کی فریفتگی و گرویدگی وحید کا یہ خیال بھی کچھ چھپا ڈھکا نہ تھا کہ میری رائے میں خاندان کی تلاش حسب نسب

کی پرچول ذات قمات کی ٹٹول فضول ہی۔ لڑکا پڑھا لکھا ہو صورت شکل کا ہو ذاتی جوہر ہوں کنبہ والے تو اتنا سنتے ہی کنارے ہوئے اور اگر کسی نے بے غیرت بنکر کبھی تو اپنا سا منہ لیکر چپکا ہو گیا ہاں منظور ہوئی درخواست تو ایک نومسلم کی جس کے باپ کا پتہ نہ دادا کا نشان مگربی اے تھا وکیل تھا اور ڈھائی تین سو روپیہ ماہوار کما بھی لیتا تھا میاں بیوی ایک دوسرے سے بے خبر بھی نہ تھے نصیر فرخندہ کو اور فرخندہ نصیر کو ایک دو دفعہ نہیں بارہا دیکھ چکے تھے اور گو ٹھیک نہیں معلوم مگر کیا تعجب ہی ایک آدہ دفعہ بات چیت بھی ہو گئی ہو کیونکہ مشن کے کاموں میں نصیر کا حصہ بھی فرخندہ سے کم نہ تھا فرخندہ کی ماں کہنے کو تو وحید کی بیوی تھی اور امید بھی یہ تھی کہ وحید اور فرخندہ کی صحبت نے پورا نہیں تو نیم تر تو بنا ہی دیا ہو گا مگر اس نیکبخت پر بچپن کا کچھ ایسا رنگ چڑھا تھا کہ وحید کی عمر سمجھاتے گزر گئی بگڑا وہ خفا وہ ہوا سمجھا کر اس نے کہا بچہا کر اس نے کہا چمکار کر کہا منت سے کہا مگر اس اللہ کی بندی پر اثر نہ ہوا وحید اور فرخندہ دونو باپ بیٹیاں اس کی نماز پر ہنستے اس کے وظیفوں پر لوٹتے مضحکہ اڑاتے ٹھٹہ لگاتے مگر وہ چھپ کر آنکھ بچا کر کوٹھری میں جاتی کمرہ میں پہنچتی اور فرض ادا کر لیتی بات قریب پختہ ہو گئی تو نصیر نے لیڈی ڈاکٹر کو اس غرض سے بھیجا کہ وہ فرخندہ کی صحت کا اطمینان کرے اور اس کی تعلیم وغیرہ کے متعلق رائے دے یہ منظر ماں کی نگاہ میں وہ ہی معنی رکھتا تھا جیسے لڑکے والیاں بات ٹھہرانے اور لڑکی کو دیکھنے کے واسطے آتی ہیں وحید نے بیٹی کی موجودگی میں بیوی سے صرف اتنا کہدیا کہ مسٹر نصیر کا خط آیا ہی آج ساڑھے تین بجے لیڈی ڈاکٹر لڑکی کو دیکھنے آئیں گی ۔

فرخندہ کے دل کی کیفیت تو آگے چلکر معلوم ہو گی کہ باپ کے الفاظ نے اس پر کیا اثر کیا مگر ماں بیچاری کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے اس کی حالت اس طالب علم سے کم نہ تھی جو امتحان کے واسطے رات بھر جاگتا اور اللہ اللہ کرتا ہی۔ بیٹی کو پاس بلایا اور

منہ پہیر کر تمام زیور ڈہیلے پائنچوں کا پاجامہ رشیمین کرتہ اور دوپٹہ دیا ساتھ ہی دبی زبان سے یہ بھی کہدیا جب میں اُن کو لیکر تمہارے کمرہ میں آؤں تو چپکی بیٹھی رہنا سلام تو جہک کر ضرور کر لینا مگر منہ سے کچھہ نہ کہنا ایسی ہی وہ بہت سر ہوں تو ایک آدہ بات کا وہ بھی رک رک کر جواب دینا باقی سب باتوں کا جواب میں خود دے لوں گی ۔

بیٹی کو ہدایت کر کے دلہن کی اماں گھر کی جہاڑو بہارو میں مصروف ہوئیں ۔ ٹھیک ٹھاک کر چکیں تو خیال آیا مٹھائی دیکھئے کتنی ساتھ لاتی ہیں سینیاں باہر نکال لوں آٹھ سینیاں دو خوان نکال کر باہر رکھے لنگی کی کپڑے بدلے اور پٹاری آگے رکھہ گاؤتکیہ کے آگے ہو بیٹھیں وقت مقررہ پر لیڈی ڈاکٹر تشریف لے آئیں یہ نام تو وحید کی زبانی بیوی نے سن لیا تھا مگر اس کا ذہن اسطرف قطعًا منتقل نہ ہوا کہ صرف ایک بیوی وہ بھی سایہ پہنے اور ہیٹ لگائے سر پر آکھڑی ہوں گی کرسیاں خدا کی عنایت سے گھر میں درجنوں اور کوڑیوں تہیں مگر اس کمرہ میں کوئی نہ تھی لیڈی ڈاکٹر سوچ رہی تھی کہ کرسی آئے تو بیٹھوں فرخندہ کی ماں منتظر تہیں کہ یہ بیٹھیں تو باتیں کروں اتنے میں سامنے کا کمرہ کہلا اور فرخندہ کاسنی ساڑہی گلابی بلاؤس زیور کا چہلا تک نہیں سر گندہا جوڑا بندہا گوڈایوننگ گوڈایوننگ کہتی ہوئی باہر نکلی دونوں نے ہاتھ ملایا اور فرخندہ نے جہٹ دو کرسیاں منگوا ایک پر آپ ایک پر لیڈی ڈاکٹر اماں بیچاری بیٹی کا منہ ہی تکتی رہیں اور ششدر ہو گئیں مگر بیٹی یا لیڈی ڈاکٹر نے بات تو درکنار اُن کی طرف آنکھہ اُٹھا کر نہ دیکھا ہیٹر کی لات گھٹنوں تک چار ثابت گلوریاں الایچیوں سمیت کشتی میں رکھہ لیڈی ڈاکٹر کے سامنے پیش کیں اور کہنے لگی زردہ بھی دوں

لیڈی ڈاکٹر تھینکس تھینکس ہم پان نہیں کہاتا ہے ۔

فرخندہ آپ کی عقل کو کیا ہو گیا بھلا یہ لوگ پان کہاتے ہیں ۔

شرمندہ و خجل سرنگوں خاموش تہیں کہ ان دونو کی گفتگو شروع ہوئی ۔

لیڈی ڈاکٹر آپ کی صحت کیسی رہتی ہو۔ کوئی شکایت تو نہیں۔

فرخندہ بہت اچھی کوئی شکایت نہیں۔

لیڈی ڈاکٹر میں آپ کے لنگر وغیرہ دیکھنے چاہتی ہوں۔

فرخندہ نہایت خوشی سے آئیے۔

لیڈی ڈاکٹر ہاں بالکل صاف ہیں میں چاہتی ہوں کہ آپ کا کچھ سلائی وغیرہ کا نمونہ دیکھوں

فرخندہ ضرور ضرور ابھی لیجئے دیکھئے یہ کروشہ کا کام ہی یہ کرتہ بہت ہی یہ سلائی ہی۔

لیڈی ڈاکٹر بہت اچھا بہت اچھا۔

فرخندہ یہ تمام اطمینان نہایت ضروری تھا لیکن میں ممنون ہوں گی اگر آپ فرمائیں کہ مسٹر نصیر کی صحت آپ کی رائے میں کیسی ہی۔

لیڈی ڈاکٹر میں نے ان کو کبھی اس خیال سے نہیں دیکھا لیکن جب سے میں اُن کو جانتی ہوں میں نے اُن کو کبھی بیمار نہیں پایا۔

دلہن کی اما اب تک تو دنگ ہی تھیں مگر جب فرخندہ نے مسٹر نصیر کہا تو اُن کو سناٹا آگیا سر پکڑ کر بیٹھ گئیں خاموش تھیں غصہ کے مارے پریشان تھیں بس نہیں چلتا تھا کہ بیٹی کو کچا کھا جائیں بہتیرے ہی دانت پیسے اشارے سے منع کیا آنکھیں نکالیں تیوری پر بل ڈالے لیکن فرخندہ نے یہ بھی نہ سمجھا کہ ما بک کیا رہی ہو اور کہتی کیا ہی لیڈی ڈاکٹر چلنے لگی تو ما بیچاری جوتی ہی ڈھونڈھتی رہی اور فرخندہ دروازہ تک پہنچا ہاتھ ملا گوڈبائی کہہ کر واپس آگئی۔

فرخندہ غضب خدا کا اس قدر ذلت اتنی رسوائی ایسی بدنامی تم سے کہا کس کمبخت نے تھا کہ تم یہاں بیٹھی رہو جب خدا نے تم کو اس قابل نہیں بنایا تو یہاں موجود رہنے کی کیا ضرورت تھی۔

ما بیٹی بیحیائی کی حد بے غیرتی کی انتہا اپنا منہ پیٹ لوں زہر کھا لوں مر جاؤں کیا

کروں توبہ توبہ یہ اندھیر یہ غضب یہ قیامت کواری بچّی اور ایسا دیدہ دلیر خدا دشمن کا بھی نہ کرے بازار والیوں کو بھی مات کیا۔

فرخندہ بس بس فضول گفتگو مطلق نہ کرو خاموش خاموش۔

(۱۰)

واکر ہال کے جلسہ سنگ بنیاد میں جس کی سکرٹری فرخندہ نصیر الحق تھی ہندو مسلمان پارسی عیسائی ہر قوم کی عورتیں شریک تھیں جلسہ کا انتظام آٹھ آٹھ روز پہلے سے شروع ہو گیا تھا رنگ برنگ کی جھنڈیاں بیلیں اور پھول چاروں طرف ہوا میں لہرا رہے تھے شامیانوں کے نیچے کرسیاں دریوں پر بینسی اسٹول میزوں پر خوبصورت گلدستے ہنڈوا منہ سے بول۔ ہاتھا بیویوں کی زرق برق پوشاکیں ساریاں اور سائے ہر طرف جگمگا رہے تھے۔ بنت الوقت سر سے پاؤں تک سوا اس کے کہ رنگ گورا نہ تھا کسی طرح مس واکر سے کم نہ تھیں مسلمان عورتوں میں صرف بنت الوقت ہی اکیلی نہ تھی اور بھی دس بارہ اس کی ہم خیال لڑکیاں کواری بھی اور بیاہی بھی ادہر ادہر چلتی پھرتی تھیں ٹھیک ایک بجے کلکٹر صاحب کی میم آ پونچیں مس واکر اور بنت الوقت نے دروازہ میں ہاتھ ملایا اور باتفاق رائے وہی صدر جلسہ قرار پائیں سب سے پہلے مس واکر نے افتتاحیہ تقریر کی جس میں بنت الوقت کی اعانت کا خصوصیت سے شکریہ ادا کیا اس کے بعد بنت الوقت نے تعلیم نسواں پر لکھی ہوئی تقریر پڑہی اور سب سے بعد صدر جلسہ نے بنت الوقت کو سونے کی گھڑی عطا فرمائی۔

جب جلسہ ختم ہوا اور بیویاں چلنے لگیں تو بنت الوقت نے اعلان کیا کہ آج بعد نماز عشاء جلسۂ مولود شریف ہے امید ہے مسلمان بہنیں شریک ہو کر اس جلسہ کی رونق بڑہائیں گی۔ اور کوشش کریں گی کہ دوسری بہنیں بھی شریک ہوں۔

اس موقع پر تو مسلمان عورتیں کچھ زیادہ نہ تھیں مگر جب بستی میں یہ خبر مشہور

ہوئی کہ آج بنت الوقت کے یہاں مولود ہے تو بنت الوقت یا وحید کی وجہ سے نہیں ذکر ولادت کی خبر سنکر بالخصوص اس وجہ سے کہ استانی رابعہ سلطان کا سکہ محسنپور میں بیٹھا ہوا تھا اور وہ تین سال بعد بیت اللہ سے تشریف لائی تھیں سینکڑوں عورتیں جمع ہو گئیں رابعہ سلطان سیدھی آدمی تھی مسلمان اس بیچاری کے فرشتوں نے بھی بنت الوقت کے ڈہنگ نہ دیکھے تھے - تین مہینہ سے آئی ہوئی تھیں اور اس کے حالات سنکر خدا یاد آرہا تھا صغیرہ کی کیفیت سنکر تو تھر تھر کانپنے لگیں کئی دفعہ ارادہ کیا کہ جاؤں دیکھوں تو سہی کیا رنگ ہے مگر جب یہ سنا کہ دروازہ پر پہرا کمرہ پر چوکیدار اطلاع کی ضرورت اجازت کی حاجت اس پر بھی فرصت شرط اور موقعہ ضروری تو دل مار کر بیٹھ گئیں اب جو بنت الوقت نے خود ہی یہ پرچہ لکھکر بھیجا -

وحید منزل - ۱۵ اکتوبر -

ڈیر استانی رابعہ - میں آج شام کو اپنی چند سہیلیوں کو چاء پر بلا رہی ہوں اس کی غرض زیادہ تر یہ ہے کہ محسنپور کی مسلمان بیبیاں جو تعلیم نسواں کو عیب سمجھتی ہیں ہماری کوششوں کو وقعت سے دیکھیں اور سمجھہ جائیں کہ جب تک وہ اس طرف توجہ نہ کریں گی مسلمانوں کی ترقی محال ہے آپ خوب اچھی طرح جانتی ہیں کہ جب تک مائیں پڑھی لکھی نہ ہوں اُن کی گودوں سے معقول بچے پیدا ہی نہیں ہو سکتے بدقسمتی سے ان جاہل اور لکیر کی فقیر عورتوں کو سوا مذہب کے کوئی چیز اپنی طرف مائل نہیں کر سکتی اس لیے میں نے مولود کا اعلان کیا ہے تاکہ بیویاں کثرت سے جمع ہوں اور آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ آپ پیغمبر اسلام کا معمولی ذکر کر دینے کے بعد مقصد اصلی کی طرف توجہ فرمائیں اور اسطرح ہم لوگوں کا ہاتھ بٹا کر ممنون کریں -

آپ کی صادق

فرخندہ (بنت الوقت)

تو اس خیال سے بہت خوش ہوئیں کہ اس بہانے جانے کا موقعہ ملا مگر بنت الوقت کی تحریر پڑہ کر تن بدن میں آگ لگ گئی جہاں اس نے پیغمبر اسلام لکہا تھا اس جگہ کو بوسہ دیا سر آنکھوں پر رکہا اور مغرب کی نماز سے فراغت پاتے ہی وہاں جا پہونچیں۔ اطلاع ہوئی تو ایک ماما نے ڈولی سے اتروا کر علیحدہ کمرہ میں لیجاکر بٹھادیا اور صرف اتنا کہا آپ تشریف رکھیے۔ آدہ گھنٹہ تک استانی جی خاموش بیٹھی رہیں پھر کسی نے آکر بات نہ پوچھی اس کے بعد بنت الوقت کے آنے کی اطلاع ہوئی تو استانی جی یہ سمجھکر کہ سامنے کی بچہ ہی گلے لگاؤں گی اس غرض سے اٹھیں مگر بنت الوقت داخل ہوئی تو صرف اتنا کہکر ہاتھ ملالیا۔

اُستانی صاحب سلام۔ آپ بہت جلد آگئیں تقریر کے واسطے ۹ بجے کا وقت مقرر ہی ابھی آٹھ نہیں بجے میں خود بھی اپنی تقریر تیار کر رہی ہوں اس لیے فرصت کم ہی میں آپ سے ٹھیک نو بجے ملوں گی۔

استانی جی منہ ہی دیکھتی رہیں اور بنت الوقت یہ جا وہ جا ساڑھے آٹھ بجے عشار کا وقت تھا مگر جا نماز تھی نہ وضو کو پانی اور کیوں ہوتا اس سرے سے اس سرے تک سب ایک ہی رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے خود ہی باہر نکلیں پانی لیا وضو کیا جانماز مانگی تو مامائیں ایک دوسرے کا منہ تکنے لگیں استانی جی بھی سمجھہ گئیں اپنا برقع بچھا کر نماز پڑہی پڑہ چکیں تو طلبی ہوئی وہاں جاکر دیکھتی ہیں تو کمرہ بیویوں سے کھچا کھچ بہرا پڑا ہی ایسی بھی تہیں جو سچے دل سے انہیں عزت سے ملیں اور خوش ہوئیں ایسی بھی جو صورت دیکھکر مسکرائیں وضع کا مضحکہ اڑایا اور ہنسیں سب سے پہلے بنت الوقت کی تقریر ہوئی جس کا خلاصہ یہ تھا ہم مسلمان ہیں اور جب تک مسلمان نہ بنیں گے ترقی نہیں کر سکتے ہماری حالت دوسری قوموں کے مقابلہ میں کتنی ذلیل کسقدر پست کیسی قابل افسوس ہی مگر کیسے تعجب اور حسرت و حیرت کا مقام ہے کہ ہمارے

. . . . کانوں پر جوں نہیں چلتی اور کبھی بھولکر بھی ہم کو اپنی ترقی کا خیال نہیں آتا احساس کا مادہ جس پر قوموں کی ترقی کا دارومدار ہی ہم . . . سے بالکل ہی مفقود ہو گیا حد یہ ہی کہ دوسری بہنیں جو ہماری ہم قوم ہیں ہموطن نہیں ہماری حالت پر روئیں اور ہماری ترقی کے واسطے کوشش کریں یہ سات سمندر پار کی رہنے والیاں اپنا عیش آرام چھوڑ چھاڑ ہمارے ساتھ لگی لپٹی رہیں ہاتھ سے پاؤں سے روپیہ سے پیسے کسی طرح ہم سے باہر نہیں اور ہماری کیفیت یہ کہ خود ترقی کرنا تو درکنار دوسروں کے احسان کا معاوضہ بھی لعن طعن سے کریں میں نے آج کے جلسہ میں کسقدر افسوس کے ساتھ دیکھا کہ ہر قوم کی خواتین حصہ لے رہی تھیں مگر نہ تھیں تو مسلمان عورتیں اور اگر تھیں بھی تو اتنی جتنی آٹے میں نمک اصل بات یہ ہی کہ ہم نے مذہب ہی کو چھوڑ دیا جو ترقی کا سرچشمہ تھا مگر آپ یاد رکھئے جب تک آپ اسلام کے اصول سر آنکھوں پر نہ رکھیں گی ترقی ممکن نہیں آپ کو استانی صاحبہ بتائیں گی کہ پیغمبر اسلام کے کارنامے کیا تھے اور انہوں نے مسلمانوں کو کیا رستہ بتایا ہی۔

اتنا کہکر نبت الوقت بیٹھ گئی تو استانی صاحبہ اٹھیں انہوں نے سب سے پہلے درود شریف پڑہی اور حاضرین سے درخواست کی کہ وہ بھی پڑہیں اسکے بعد فرمایا

عزیز بہنو تعلیم نسواں کی بابت یہ خیال کرنا کہ اسلام نے اس کی اجازت نہیں دی صریح ظلم ہی۔

اسلام نے اس کو ضروری بیان کرنے میں کسی جنس کی تخصیص نہیں کی مسلمان عورتیں بساط علم پر آفتاب و ماہتاب کی طرح چمکی ہیں اگر آج مسلمانوں میں پڑہی لکھی بیبیاں نہیں ہیں تو اسکو اسلام سے واسطہ نہیں مسلمانوں کی بربادی کا بڑا سبب محض بے تعلقی مذہب ہی اگر آج مسلمان مسلمان ہو جائیں تو دنیا بھر کی خوبیاں اور سارے جہان کی بھلائیاں اُن میں پیدا ہو جاتی ہیں اُن کا فرض تھا کہ وہ اس

جوہر آبدار کو سینے سے لگاتے اور اس کے احکام سر آنکھوں پر رکھتے مگر واقعہ یہ ہی کہ آج مسجدیں اُن کو رو رہی ہیں خانقاہیں اُن کے کہرام میں مصروف ہیں اور جو در و دیوار مسلمانوں کے نعرۂ توحید اور خشوع و خضوع سے گونجتے تھے وہاں آج فاتحہ کی کوکو بربادی اسلام کا نالہ کر رہی ہی اب تک یہ مصیبت مردوں ہی تک موقوف تھی مگر اب عورتیں بھی ایسی پست رہی ہیں اور جو ترقی کی کوشش سمجھی جا رہی ہی وہ مکمل تباہی کی ابتدا اور کامل مصیبت کا آغاز ہی۔ میں خوب جانتی ہوں اور یہ میرا عقیدہ اور یقین ہی کہ خواہ آفتاب بجائے مشرق کے مغرب سے طلوع کرے اور تارے رات کے بدلے دن کو چمکیں مگر اسلام کی پیشین گوئیاں اور مخبر صادق کا ارشاد اٹل ہی اور وہ وقت آن پہنچا ہے کہ اسلام سوا چند فقیروں غریبوں اور مسکینوں کے جنکو روٹی تک نصیب نہ ہو گی دوسری جگہ دکہائی نہ دیگا یہ ہنسنے کا نہیں رونے کا وقت ہی کہ ترقی قوم کی باگ ان لوگوں کے ہاتھ میں ہو جو اسلام سے ہزاروں کوس دور ہوں اور دوسروں کو دہوکا دینے اور پھنسانے کے واسطے ثابت یہ کرنا چاہیں کہ وہ مذہب سے باہر نہیں ہیں بی بی بنت الوقت فرماتی ہیں کہ جب تک ہم مسلمان نہ بنیں گے ترقی نہیں کر سکتے یہ ہاتی کے دانت دیکہنے کے اور دکہانے کے اور قابل لعنت اور لائق ملامت دعویٰ وہ اور عمل یہ اقوال ویسے اور اعمال ایسے کہ یہ مسلمان کا گہر مسلمانوں کا جلسہ اور جانماز تک موجود نہیں ضرورت تھی کہ اس گہر کے چپہ چپہ اور کونہ کونہ سے اسلام کی شان ظاہر ہوتی مگر حالت یہ ہی کہ گہر کے اسباب سے گہر والیوں کے لباس سے ٹہاٹہ سے سامان سے رہنے سے سہنے سے کسی چیز سے بھی معلوم ہوتا ہی کہ یہ مسلمان کا گہر ہی؟ اس پر غضب یہ ہی کہ مذہب کا دعویٰ اور اسلام کی آڑ بیویوں بہاڑ میں جائے وہ جلسہ جس میں مذہب کا یہ حشر ہو بی بی بنت الوقت شکایت کرتی ہیں کہ دوپہر کے جلسہ میں مسلمان عورتیں نہ تھیں مگر بی بی دوسروں کی حالت پر بھی غور کرو۔ خدا نے تم کو دولت دی عزت دی روپیہ دیا پیسہ دیا

گہر میں ماما دیوڑہی پر نوکر سائبان میں گاڑی اصطبل میں گہوڑا جو کہو وہ ٹہیک جو کرو وہ تہوڑا۔ مگر سارا محسن سور مرزا وحید اور بنت الوقت نہیں ان کو اپنے کاموں سے گہر کے دہندوں سے بچوں کی پرورش سے شوہر کی خدمت سے خانہ داری کے انتظام سے معاملات کی دیکہہ بہال سے اتنی فرصت نہ ضرورت کہ ان جلسوں میں جہاں زیور کی جگمگاہٹ اور کپڑوں کی ٹیپ ٹاپ کے سوا کچہہ نہ ہو شریک ہوسکیں بنت الوقت بی بی تم مسلمان ہو اور چاہتی ہو کہ میں سرور کائنات کے حالات اس وقت بیان کروں مگر کیا کروگی جانے دو میری آنکہہ سے آنسو نکل پڑے جب میں نے یہ دیکہا کہ ایک مسلمان لڑکی اس ذات پاک کو جو مسلمانوں کا سرتاج ہے صرف پیغمبر اسلام لکہہ ہی ہے اور یہ سمجہکر کہ مسلمان اس نام کے عاشق اور دیوانے ہیں بہانے سے بلاکر اپنا مقصد پورا کرتی ہے اس سے زیادہ نازک وقت اسلام پر کیا آئے گا کہ مادر گیتی جس انسان کا مثل نہ پیدا کر سکی اس کے ساتہہ مسلمان یہ سلوک کریں اور پہر مسلمان رہنا چاہیں۔۔۔۔۔۔ اور مسلمان ہونے پر فخر کریں۔ میں واقف ہوں کہ بہت سی بیویاں مشتاق ہیں کہ میں حضور اکرم کی پاک زندگی کے کچہہ حالات بیان کروں اور میری خموشی دلشکنی ہوگی مگر میں اپنی طبیعت سے مجبور اور عادت سے لاچار ہوں میرا دل نہیں چاہتا میری طبیعت گوارا نہیں کرتی کہ میں اس موقعہ پر جہاں ایسے منافق موجود ہوں ان واقعات کی توہین کروں اور اس پاک ذات کے حالات سناؤں جو حیوانوں کو انسان اور کافروں کو مسلمان بنا گئی یہ اسی رسول اکرم صلعم کا صدقہ اسی ذات کا طفیل ہے کہ تم جن کی وقعت صرف اتنی تہی کہ ماں باپ گلے گہونٹ دیں جانوروں سے بدتر اور غلاموں سے ذلیل سمجہیں آج جیتی جاگتی برابر کی شریک اور گہر کی ملکہ بنی بیٹہی ہو بیبیو ہاتہہ اٹہاؤ درود پڑہو دعائیں مانگو اور التجا کرو کہ۔

طیبہ کی خاک پاک میں آرام کرنے والے دولہا خواب راحت سے بیدار ہو اور ہماری حالت زار کو دیکہہ حب دنیا نے ہماری آنکہیں خیرہ ہمارے دل اندہے

ہمارے دماغ بیکار ہماری حالت خراب کردی ہمارا چمن ہماری اخلاقی بستیاں اُجڑ گئیں ہمارے مذہبی پھول مرجھا گئے ہمارا زیور چوری ہمارا لباس برباد اور ہماری صحبتیں جو لازوال خزانوں سے مالا مال تھیں آج تاخت وتاراج ہیں ہمارا جہاز خطرہ میں ہماری کشتی طوفان میں ہے اے امت مرحومہ کے نگہبان اب ہم تیرے کرم کے محتاج اور تیری عنایت کے خواستگار ہیں ہمارا بیڑا پار کر تیری ذات پاک بیکسوں کا سہارا غریبوں کا گزارہ اسلام تیرے در سے کلام اللہ تیرے گھر سے مظلوموں کی حمایت تیرا شیوہ مسکینوں کی اعانت تیری عادت خزائن دنیا تیرے دم سے دولت دین تیرے قدم سے رعیت کے بادشاہ بادشاہوں کے شہنشاہ بیکس کنیزوں کی گنہگار لونڈیوں کی جو تیرے حضور میں حاضر تیرے دربار میں سرنگوں دست بستہ کھڑی ہیں التجائیں قبول کر دعا میں اثر دے دنیا اور دین کے مالک طیبہ کے سدا بہار پھول شب معراج کے نوشہ اللہ کی جان مسلمانوں کے ایمان خدا کے مہمان بہترین انسان مخلوق سے اعلیٰ ملائکہ سے افضل پیغمبروں میں آخر نبیوں میں اول ہماری حالتوں پر رحم ہماری تکلیفوں پر کرم آقا خوف الہی میں گرفتار رکھ اپنی محبت میں سرشار رکھ شفیع المذنبین نیکوں میں حشر اسلام پر موت سن مولا سن اُنکی جنکا وارث تو جنکا مالک تو جنکا حاکم تو جنکا آقا تو۔

(۱۱)

ڈیر حسین بی میں یہ سنکر بہت خوش ہوئی کہ تمہارے پاپا ایسے خطرناک سفر سے مع الخیر واپس آگئے اور تم اب ایک حاجی جی کی بیٹی ہو گئیں میں ممنون ہوں کہ تم نے اسقدر موقع پر مجھے یاد رکھا لیکن میں تم کو یقین دلاتی ہوں کہ یہ سب تحائف میرے واسطے بالکل بیکار ہیں حالانکہ تمہاری نگاہ میں اُن کی بہت کچھ وقعت ہے اس لیے میں شکریہ کے ساتھ واپس کرتی ہوں اور یہ خواست کرتی ہوں کہ آپ ان کا بہتر استعمال کیجئے

آپ کو معلوم ہی کہ میں نے عمر بھر کبھی سرمہ نہیں لگایا اس لئے میرے واسطے بے سود ہی پانی جو اس ٹین کی ڈبیا میں بند ہی میں نہیں کہہ سکتی کہ صحت کے واسطے مفید ہوگا یا نہیں اور میں افسوس سے لکھتی ہوں کہ باوجود کوشش کے رغبت نہ ہوئی اسی طرح کھجوریں بھی مجھے امید ہی کہ آپ معاف فرمائیں گی اور ان کو ایسے لوگوں کو دیں گی جو پوری پوری قدر کرسکیں۔ اب میں آپکے ارشاد کے موافق آپ کی دعوت میں خوشی سے شریک ہوں گی اور وقت مقررہ پر پہنچ جاؤنگی

شام کو چار بجے بنت الوقت حسین بی کے ہاں جا پہنچیں۔ پردہ اوّل تو کوار پنے ہی میں برائے نام تھا اور شادی کے بعد تو یہ کیفیت تھی کہ ایسی ہی اشد ضرورت یا مجبوری ہوئی تو نقاب منہ پر ڈال لی ورنہ کھلے بندوں پھرتی۔ اور آزادانہ نکلئے ڈولی میں تو شاید عمر بھر سکو اتفاق نہ ہوا ہوگا پہلے بند گاڑی تھی اب ٹمٹم۔ پہنچی اسطرح کہ آنکھوں پر عینک منہ پر پوڈر ٹخنوں سے اونچے منڈے ٹانگوں میں پایجامہ جوڑا بندھا ہاتھوں میں دستانے کاجل اور سرمہ پان اور مسی توبہ توبہ نعوذ باللہ سر بھی اللہ کی عنایت سے ایسا گندھا ہوا تھا کہ سب سکتہ میں رہ گئے۔ حسین بی بیچاری کے والد تھے اگلے زمانے کے۔ جہاں کرسی فرشتوں نے بھی نہ دیکھی ہوگی۔ سفید چاندنی اور قیمتی قالینوں پر بیویاں جمع تھیں بنت الوقت نے چھوٹتے ہی حسین بی سے ہاتھ ملایا ادھر دیکھا ادھر دیکھا۔ کرسی نہ تھی تو پھر نیچے ہی بیٹھ جاتی مگر بوٹ کا اُتارنا بڑی زحمت تھا ارادہ کیا کہ اُلٹے ہی پاؤں لوٹ جاؤں مگر جانا کیا آسان تھا بیویاں سر ہوگئیں اور زبردستی بوٹ اتروا فرش پر بٹھایا میراثنیں موجود تھیں اور خوب لہک لہک کر گا رہی تھیں الا کہ میراسن بھانڈ کا طائفہ بھی موجود تھا ظالم کو وقت پر خوب سوجھی دو جلدی سے اُٹھ کوٹھری میں گھس گئیں۔ ایک تو سفید ڈاڑھی لگا سر سے پگڑی باندھ مرد بنی اور دوسری بہن آنکھوں پر عینک لگا بکرے کی طرح ہاتھ پاؤں کے بل اسطرح باہر آئی کہ اس کے گلے میں زنجیر اور اس کے ہاتھ میں

ساتھ والیاں بڑے میاں بہوت سلام والیکم۔

پیر مرد والیکم بھائی والیکم۔

ساتھ والیاں یہ آپ چاروں طرف ڈھونڈھ کیا رہے ہیں۔ کچھ کھو گیا؟

پیر مرد ہاں ہاں ہاں بہائی ہاں۔

ساتھ والیاں کیا ڈہونڈہ رہی ہیں حضرت آپ۔

پیر مرد کیا بتاؤں بہائی کچھ کہہ نہیں سکتا۔

ساتھ والیاں اجی حضرت کچھہ تو فرمایئے۔

پیر مرد ارے بہائی (بکری کی طرف اشارہ کرکے) اس کی والدہ بھاگ گئیں اُنکی تلاش میں بڈہا ہوگیا کہیں نہیں ملتیں۔

ساتھ والیاں کیا نام ہے اُن کا کچھہ اتا پتا بتلایئے

پیر مرد نام تو اللہ رسول کا ہوتا ہی مگر اُن کے تو دو نام ہیں اصلی نام تو ہائے کیا بتاؤں دیکھہ لو کسی کا کلیجہ منہ کو آتا ہی میری تو خیال کرنے سے کلیجی اور تلی۔ پہیپڑا اور گردے سینے بان میں لپٹ گئے ہائے ہائے وائے ہائے نہیں بتایا جاتا۔

ساتھ والیاں صبر کیجئے بڑے صاحب صبر کیجئے اللہ آسان کریگا۔ بچھڑوں کو وہی ملاتا ہی۔ اُن کا نام تو بتلایئے۔

پیر مرد ابھی تو سارا الغو بالمغو بامنہ ہی میں ہی اُن کا نام تو تھا۔ تعلیم نسواں بیگم اور میں پیار سے چرغینی چرغینی کہا کرتا تھا۔

ساتھ والیاں اور یہ آپکے ساتھ جانور کیا ہی۔

پیر مرد جانور ہوگی تم یہ تو تعلیم نسواں بیگم کی بچی اور میرے کلیجے کا ٹکڑا۔

ساتھ والیاں ادہو یہ انسان کی صورت ہی؟

پیر مرد کہہ تو دیا جانور ہوگی تم تمہارے باپ تمہارے دادا ہماری اولاد کو جانور سمجھتی ہو

ساتھ والیاں حضرت جی ان کا کیا نام ہی۔

پیر مرد اس کے بھی دو نام ہیں یاد رکھو ہر شریف مادہ کے دو نام ہوتے ہیں ایک کوارپنے کا اور ایک شادی کے بعد کا۔

ساتھ والیاں حضور ان کے اسم مبارک بھی فرمائیے ۔
پیر مرد سب سنبھل کے کھڑی ہو جاؤ ۔
ساتھ والیاں فرمائیے۔
پیر مرد ان کا نام ہی ترقی ۔
ساتھ والیاں خوب ترقی! حضرت دوسرا نام؟
پیر مرد سنبھلو۔ ہشیار رہنا ۔
ساتھ والیاں حضور۔
پیر مرد ...... "ہندالبہق"
ساتھ والیاں (ڈر کے مارے پیچھے ہٹکر) بہق بہق حضرت بہق ۔
پیر مرد ہاں ہاں بہق مگر کون سا بہق اُڑ جانے والا مادہ نہیں ہندالبہق
ساتھ والیاں سبحان اللہ کیا نام ہی۔ حضرت کچھ ان کے کام بھی فرمائیے
پیر مرد اے ظالموں تمکو مذاق سوجھا ہی میری طبیعت پھر بگڑ گئی ۔
ساتھ والیاں کیوں کیوں حضرت کیا ہوا۔
پیر مرد پھر اُس کی والدہ یاد آگئیں کہاں ڈھونڈھنے جاؤں تم لوگ ہماری محبتوں کو سمجھ ہی نہیں سکتے ہمارے ہاں نر مادہ ایک دوسرے کے عاشق ہوتے ہیں ۔
ساتھ والیاں بجا ارشاد ہی حضرت ۔ بیچاری مر گئی ہوگی۔
پیر مرد موت، موت کمبختوں تم سب کو وہ کسی جلسہ میں ہو گی تھیٹر میں ہو گی پارک میں ہو گی۔
ساتھ والیاں معاف فرمائیے ۔ معاف فرمائیے حضور صاحبزادی کے کچھ کام نہ فرمائے
پیر مرد اچھا لو سنو یہیں دو صفتیں ہیں جانور کی بھی اور آدمی کی بھی باتیں کرو تو ایسی کرے کہ خوش ہو جاؤ تقریر یاد کروا دو تو سینکڑوں آدمیوں میں آنکھیں بند کرکے اسطرح پڑھجاے کہ مینا بول رہی ہی۔ ملنے آؤ تو ایسی ملے اور ایسی بولے کہ جی خوش ہو جائے اور جو کام کا وقت آئے تو پھر جانور کی جانور

ساتھ والیاں جناب کا اسم مبارک کیا ہے۔ اس سے بھی محروم نہ رکھیئے۔

پیر مرد بس میرا ہی نام نہ پوچھو بھانڈا پھوٹ جائیگا اور کرکری ہو جائے گی۔

ساتھ والیاں حضور یہ نہ ہوگا فرمائیے۔ فرمائیے۔

پیر مرد میرا نام...... کیوں پوچھتی ہو!

ساتھ والیاں فرمائیں حضور فرمائیں۔

پیر مرد میری ہی وجہ سے تو اس اعلیٰ خاندان کی بربادی ہوئی میرا نام ہے مرزا تنزل ...... بس بیویو لاؤ چندے دلواؤ میں ترقی کے لیے چار بسکٹ مکھن توس اور گھاس دانہ لاؤں۔

بیویوں کے تو مارے ہنسی کے پیٹ میں بل پڑ رہے تھے اور بنت الوقت کا یہ حال کہ بس چلتا تو سب کو پھانسی دیدیتی۔ خدا خدا کر کے کہیں آدھی رات کے بعد یہ جلسہ ختم ہوا تو اپنے گھر آئی۔

(۱۲)

ویل ہم اگلے مہینے میں تمہارے ساتھ بہت کافی رعایت کر چکے لیکن تم مسلمان لوگ ہرگز رحم کے قابل نہیں اسیلیے یہ جرمانہ معاف نہیں ہو سکتا۔

خانساماں حضور میرا کیا قصور ہے کھانے میں اگر خرابی ہوتی تو بیشک میں ذمہ دار تھا لیکن برتنوں کا کام تو کلن کا ہے مجھپر جرمانہ کیوں ہو۔

بنت الوقت گستاخی کی بات مت بولو جرمانہ کلن پر بھی ہوگا تم ضرور ذمہ دار ہو وہ تمہارا ماتحت ہے اور تم اس کے ہر کام کا ذمہ دار ہے پہلی مرتبہ چھریاں اور کانٹے میز پر کیوں پہلے آئے اور آج چمچہ کیوں میلا تھا۔ بیشک تم قصوروار ہے۔

خانساماں حضور میں بہت غریب آدمی ہوں دو روپیہ میں مرجاوں گا اس مرتبہ معاف کر دیجئے آئندہ ایسی غلطی نہ ہوگی۔

بنت الوقت نہیں نہیں ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔

خانساماں تو سرکار میرا حساب کر دیجئے۔

بنت الوقت یوں تو حساب مانگتا ہی نہیں ہوگا جب تک دوسرا آدمی نہ ملے تم پولس میں بھیجدیا جائے گا اگر زیادہ بک بک کی۔

اس مائی فانڈ بخار میں کہ میں مشکل سے صرف دو چمچے سوپ کے ہضم کر سکتا ہوں اس وقت تک بھوکا پڑا ہوں اب بخار کے تیز ہونے کا وقت ہی کیا خاک پی سکوں گا صبح سے یہ وقت ہو گیا غذا سمجھو دوا سمجھو اب تک سوپ نصیب نہ ہوا تمکو ان ہی دنوں میں اس نمکحرام پر جرمانہ بھی کرنا تھا کہ وہ بھاگ جائے۔

بنت الوقت گھر کا ڈسپلن کسی خاص وجہ سے ہرگز نہیں بگڑنا چاہئے ضرور میرا فرض تھا کہ میں اس کو اس کی غفلت کی سزا دیتی مجھے خود آج ہسٹریا کا دورہ ہوتا معلوم ہوتا ہی۔

نصیر اس لیے کہ تم کو دورہ ہوگا میرا بخار تمہاری رائے میں قابل لحاظ نہیں میں بھوکا پڑا رہوں اور تمہارے ڈسپلن کی وجہ سے مجھہ بیمار کو سوپ نصیب نہ ہو اگر خانساماں نہ تھا تو تم خود بوائے کی مدد سے تیار کر دیتیں۔

بنت الوقت چاہے اس کا نتیجہ میری صحت پر کیسا ہی مضر ہوتا؟

نصیر تمہارے واسطے تو صرف ایک احتمال تھا مگر میرے واسطے تو واقعہ ہی۔

بنت الوقت میرا احتمال یقین سے زیادہ ہی علاوہ ازیں میں نے خود سوپ کبھی تیار نہیں کیا اور نہ یہ میرا کام ہی میں جو کر سکتی تھی وہ میں نے کیا صبح سے تین چٹھیاں لکھہ چکی ہوں اب ایک جگہ سے جواب آیا ہی کہ کل خانساماں آجائے گا۔

نصیر تو کیا کل تک میں بھوکا پڑا رہوں۔

بنت الوقت تم اکیلے نہ ہوگے تمہارے ساتھ میں بھی ہونگی بخار میں بھوکا رہنا مضر نہیں لیکن لیڈی ڈاکٹر کے الفاظ یہ تھے کہ ہسٹیریا کے مریض کو دورہ سے قبل ہرگز بھوکا نہ رہنا چاہیئے۔

نصیر ذرا ٹمپریچر لینا چاہتا ہوں اس وقت حرارت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

بنت الوقت بوائے بوائے صاحب کو تھرمامیٹر دیدو۔

نصیر دیکھو ۱۰۱۲۰ ہے۔

بنت الوقت ہاں اب سوپ مضر ہوگا اب نہ پینا چاہیئے۔

نصیر مگر تم اپنے واسطے کیا انتظام کروگی۔

بنت الوقت میں چار کے ساتھ فروٹ کھا چکی ہوں اس وقت زیادہ بھوک نہیں ہے

نصیر درد بہت زیادہ ہو رہا ہے تھوڑا سا مینتھول دیدو۔

بنت الوقت بوائے بوائے اس الماری میں مینتھول کی شیشی ہے صاحب کو دیدو

نصیر میرا رومال بہت میلا ہوگیا ایک اور رومال نکالدو۔

بنت الوقت بوائے بوائے ایک رومال صاحب کو دو۔

نصیر مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔

بنت الوقت ہونی چاہیئے ضرور ہوگی آج بیس دن ہوگئے خرچ کی بھی سخت تکلیف ہو رہی ہے لیڈی ڈاکٹر نے ہدایت کی تھی کہ جب دورہ کے آثار ہوں یہ مکسچر پی لینا مگر نہیں منگوا سکتی۔

نصیر وہ پندرہ سو روپیہ جو پچھلے ہفتہ میں آیا تھا سب ختم ہوگیا۔

بنت الوقت اوہ! اب تک چار سو روپیہ کا بل تو بزاز کا تھا۔

نصیر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام بدن کی روح کھینچ رہی ہے سخت اذیت ہے۔

بنت الوقت بہت سخت افسوس ہے میری خواہش ہے کہ یہ تکلیف رفع ہو اور جلد

میں اس خیال سے کلب میں بھی رنجیدہ رہوں گی۔

نصیر کیا یہ ممکن نہیں کہ تم آج نہ جاؤ۔

بنت الوقت آج تو محمودی بیگم آرہی ہیں اور صرف میری تحریک پر ورنہ اُن کے شوہر تو باپ کی وجہ سے بھیج ہی نہ سکتے تھے۔

نصیر مگر احتمال ہے کہ مجھے تمہاری عدم موجودگی میں تکلیف زیادہ ہو جائے۔

بنت الوقت میں کوشش کروں گی کہ جلد واپس آؤں میں خود اس ضرورت کو محسوس کر رہی ہوں کہ مجھے یہاں موجود ہونا چاہئے مگر واقعات ایسے آپڑے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں محمودی بیگم کے خسر کل آجائیں گے اور اُن کی موجودگی میں قطعاً ناممکن ہے کہ وہ کلب میں آسکیں علاوہ ازیں میں اپنے الفاظ دے چکی ہوں کہ ضرور پہنچوں گی باوجود اس اندیشہ کے کہ دورہ نہ ہو جائے میں ضرور جاؤنگی تاکہ بات میں فرق نہ آئے۔

نصیر میں تمہاری رائے سے اختلاف نہیں کرتا اور کوئی وجہ نہیں کہ کروں لیکن مجکو اس وقت سے ڈر لگ رہا ہے جو آنے والا ہے۔ کل پانچ بجے کے قریب مجھے فٹ ہوا تم جس وقت آئی ہو اس وقت میں ہوش میں آچکا تھا مگر اس تکلیف کے خیال سے میں کانپ جاتا ہوں جو کل مجھپر گذری تم اتنا انتظام کرتی جاؤ کہ نوکروں کے علاوہ کوئی عزیز بھی آج میرے پاس موجود رہے۔

بنت الوقت اگر تم ایک معمولی فٹ سے اس قدر خائف ہو تو میں ہرگز جانا پسند نہیں کرتی الفاظ کی وقعت محمودی کی محبت یقیناً تم سے زیادہ نہیں ہو سکتی میں اسکو اپنا فرض سمجھتی ہوں اور میری رائے میں ہر شریف عورت کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ وہ شوہر کی رضامندی پر اپنی تمام خوشیاں قربان کردے میں موجود ہوں اگرچہ یہ ظاہر ہے کہ تمہاری اس وقت کی تکلیف میں دیکھنا نہیں چاہتی اور دیکھ بھی نہیں سکتی

چنانچہ کل ہی جب میں آئی ہوں تو باوجود اقاقہ کے اس حالت تک کو نہ دیکھہ سکی اور پائین باغ میں چلی گئی۔

نصیر میں تمہاری محبت اور عنایت کا بہت بہت ممنون ہوں مگر یہ نہیں چاہتا کہ تمہاری تکلیف کا باعث ہوں تم جاؤ اور کلب میں شریک ہو ایسی حالت میں کہ وعدہ کر چکی ہو تمہارا جانا ضروری ہے۔

بنت الوقت تم غور کرو میں ہر طرح تمہاری راے پر عمل کرنے کے واسطے تیار ہوں

نصیر یہی بہتر ہوگا کہ تم جاؤ اگر ایسی ہی زیادہ ضرورت ہوئی تو میں بوا ے کو بھیجدوں گا۔

بنت الوقت تو میں لباس تبدیل کرلوں۔

نصیر۔ ضرور۔ میری زبان خشک ہو رہی ہے بات نہیں ہو سکتی۔ آج کونین کا جز غالبًا زیادہ تھا ایک چمچہ دودہ دیدو۔

بنت الوقت بوائے۔

بوائے حضور۔

بنت الوقت صاحب کو دودہ دو۔

بوائے دودہ تو حضور آج نہیں آیا بس چار کے واسطے آیا تھا۔

بنت الوقت گدہا کیوں نہیں آیا

بوائے حضور نے حکم دیا نہ دام دیئے

بنت الوقت الو کا موافق بات مت کرو دو روپیہ جرمانہ چلو بہاگو۔

بوائے غریب پرور میں علم غیب تو پڑہا نہیں سرکار حکم دیتیں دام دیئے جاتے میں دودہ لے آتا یوں حضور مالک ہیں ساری تنخواہ کاٹ لیں۔

بنت الوقت۔ گستاخی کا بات مت بولو تم اندہا نہیں ہے تم نہیں جانتا صاحب

کا دودہ آتا ہی۔ تم کو دام مانگنا چاہئے تھا تم نے غفلت کی اس کا مزا بھگتو۔

بوائے تو حضور دو کیا۔ ساری تنخواہ کاٹ لیجئے۔

بنت الوقت ہم مارے ہنٹر کے کھال اُڑا دیں گے اگر بیہودہ بات بولا اب کہیں مانگتا

نصیر بہت سخت تکلیف ہی

بنت الوقت میں کپڑے بدل لوں۔

اتنا کہکر بنت الوقت دوسرے کمرے میں گئی منہ ہاتھ دھویا بال بنائے کپڑے بدلے چار بجے کے قریب آئی تو نصیر بخار میں لوتھ تھا دودھ بوائے کی غفلت سے نہ تھا یا بنت الوقت کی یہ تو نصیر جانے مگر ہم نے جو دیکھا اور جو جانتے ہیں وہ یہ ہی کہ اتنی جھک جھک اور پٹ پٹ ہوئی مگر دودھ پھر بھی نہ آیا نہ معلوم اس کی ذمہ داری کس پر ہی بنت الوقت کی عنایت کا بار ضرور نصیر کی گردن پر ہی کہ تیار ہو کر آئی تو پہلا خیال دودھ پہلی بات دودھ اور پہلا حکم دودھ۔

بوائے بوائے ویو بوائے چلو جلد چلو بوائے دودھ لاؤ جلد لاؤ بوائے بولئے۔ بوائے ہو تو بولے چھہ روپیہ تنخواہ ایک پہلے کٹا دو آج کئے تین باقی تھے اور مہینہ میں دن ابھی جہاں نو دن میں تین کٹے وہاں اکیس دن میں تو گرہ سے بھی خبر نہیں کتنا کچھہ دیکر پیچھا چھٹتا۔ ہنٹر کا نام سنکر سیدھا ہو لیا اب جو بنت الوقت دیکھتی ہی تو خانساماں ہے نہ بوائے ایک نرس البتہ بال بنانے والی اندر رہ گئی اور باہر صرف سائیس نصیر کو کئی آوازیں دیں تو اس نے آنکھہ کھولی۔

بنت الوقت بوائے سور بھی بھاگ گیا میں اُدھر سے خانساماں اور بوائے کا انتظام کرتی آوں گی اور دودھ بھی خود ہی لے آوں گی۔

نصیر تم کو اختیار ہی

بنت الوقت۔ اچھا میں جاتی ہوں۔

(۱۴۳)

ڈیر مسٹر احسن! چوری اور سرزوری ظلم کرو اور پروانہ ہو حق مارو اور شاہ بنو

آج احسن زمانی سے ملاقات ہوئی۔ تین سال بعد دیکھا تھا قیاس چاہتا تھا دل کہتا تھا توقع پوری تھی اور امید کامل کہ یہ چراغ جو کوارپنے ہی میں روشن ہو چکا تھا تمہارے ہاں پہنچکر چاند کی طرح چمک رہا ہوگا مگر افسوس سے سنا اور حسرت سے دیکھا توقع غلط اور امید جھوٹی نکلی صورت تھی نہ رنگت پھول تھا نہ نکہت ایک ڈھانچ تھا جس میں سانس اور جسم تھا جس میں جان کے سوا کچھ نہ تھا وہ جوہر مٹ گئے وہ چہل ختم ہوئی دل مردہ صورت افسردہ جوش ٹھنڈا اور امنگیں برباد ہو چکی تھیں دیمک کی طرح بچے دشمن کی طرح گھر اور موت کی طرح زندگی لپٹی ہوئی تھی کیسا تغیر کتنا فرق اور کیا انقلاب ہے زندہ مردے سے بیوی لونڈی سے اور مالک غلاموں سے بدتر تھی صرف شادی نے آزاد کو قیدی انسان کو جانور اور ہیرے کو پتھر بنا دیا کھانے کا ہوش تھا نہ پہننے کا زیور کی پروا تھی نہ کپڑے کی ایک محدود چار دیواری میں جس طرح شیر پنجرے میں سر پھوڑتا ہے اس کی ہستی تمہارے اسلام پر ناز کر رہی تھی مجھے معلوم ہے تم نمازی ۔ میں جانتی ہوں پابند شرع اور مجھے خبر ہے کہ تم پورے وظیفی ہو مگر تعجب اس حالت اور افسوس اس حرکت پر ظلم کی انتہا ستم کی حد سوچو اور شرماؤ غور کرو اور روؤ کیا کیا اور کیا کر رہے ہو ایک کواری بچی ایک معصوم ہستی ایک بیگناہ انسان ایسا مجبور اتنا لاچار اور یہاں تک محکوم ہو جائے کہ سانس لے تو پوچھکر اور قدم اُٹھائے تو اجازت سے تمہاری آنکھوں پر پردہ تمہاری عقل پر پتھر پڑ گئے تمہارے اسلام میں فرق تمہارے ایمان میں خلل تمہاری طینت میں خرابی اور تمہاری طبیعت میں خودغرضی آئی تم اپنے وعدے بھولے اور اقرار فراموش کیے۔ یہ بچی قوم کی عاشق اور مذہب کی شیدا تھی مگر آج کے جلسہ میں جو کانفرنس کا آخری اجلاس تھا اور جو سماں اب سرزمین جھنجھنور کی آنکھیں کبھی نہ دیکھیں گی

شرکت کے نام سے ایک ٹھنڈا سانس بھر کر خاموش ہو گئی میں نے استفسار کیا اصرار کیا مگر میرے سوال کا جواب خاموشی اور میری درخواست کا نتیجہ وہ نگاہ تھی جس میں تمہاری حکومت ناجائز کا اظہار اور اپنی بیکسی کا اشارہ تھا۔

ڈیر احسن سنتی ہوں تحصیلدار ہو چکے ہو گا ہو گے مگر معزز اہلکار اور سرکاری عہدہ دار کا ایمان اسقدر کمزور اس درجہ ذلیل توبہ توبہ نعوذ باللہ عورت انسان ہے جانور نہیں اور بیوی شریک زندگی ہے محکوم نہیں ہمیشہ کی رفیق عمر بھر کی ساتھی زندگی کی ہمراز مگر اس لیے کہ کمزور ہے لونڈی نہیں اور اس لیے کہ بے بس ہے غلام نہیں اسلام مدعی ہے عورت کی حمایت کا اور آج ہم میں یہ ان جائی قبضہ میں آئی مگر اس دن کو کہ بات کرے تو روئے اور سانس لے تو جھینکے۔

میری پیشین گوئی لکھہ لو اور یاد رکھو کہ صفیہ احسن تھوڑے روز کی مہمان اور چند روز کی مسافر ہے پردہ نے اس کی صحت ظلم نے اس کی حالت اور غصب حقوق نے اس کی کیفیت بدترین کردی وہ عنقریب تم سے رخصت اور بہت جلد دنیا سے وداع ہونے والی ہے۔ مگر ہماری نگاہ میں اسکی موت کا سبب اس کی مصیبتوں کی وجہ اور اس کی تکلیفوں کا باعث تمہاری زندگی ہوگی اور گو تمکو اپنی جان تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہو مگر یہ نہ بھولنا کہ تمہاری زندگی پر ظلم کا ایک دہبہ خود غرضی کا ایک الزام اور نفس پروری کی ایک ایسی تصویر ہوگی جس کی جھلک سے دوست اور جس کے خیال سے دشمن تک پناہ مانگیں گے۔

تمہاری

بنت الوقت

فرخندہ بہن خیالات کی بلند پروازی اور تمدن کی جدت طرازی سبحان اللہ ماشاء اللہ دل پھڑک گیا طبیعت خوش ہو گئی خدا عمر میں ترقی اور کوشش میں برکت دے کہ تمہارے دم سے قوم کی حالت درست اور مسلمانوں کی مصیبت دور ہو۔ جو

کہتی ہو وہ ہو جائے اور جو چاہتی ہو وہ پورا ہو۔ مگر بہن اس آڑ کے قربان اس بہانے
کے تصدق اور اس پناہ کے نثار ضرورت اپنی اور خدمت قوم کی خواہش اپنی
اور کوشش مذہب کی کام اپنا اور نام اسلام کا جہلا جہلی سے لباس چمک دمک کے
زیور نئے نئے فیشن اور طرح طرح کی ترکیبیں انواع و اقسام کے کہانے اور رنگ برنگ
کے کپڑے ہارمونیم کے جلسے پیانو کی تقریبیں سہیلیوں کی دعوت اور سیر و سیاحت
خدا کی قدرت مذہب کی خدمت ٹھیرے۔ لچھوں کے پاؤں گھڑیوں کے ہاتھ
جھومر کے ماتھے اور پر رنگ کے کان خدا کی شان اسلام کے ارکان قرار پائیں ایمان سے کہنا
اس مجمع میں کتنی نماز پڑہی کس قدر خیرات کی کے مرتبہ درود بھیجی اور کس کس معاملہ میں کلام اللہ
سے صلاح لی مانا تمہاری عقل زیادہ تمہاری فراست بڑی تمہارا علم وسیع اور تمہاری
تحقیقات اعلیٰ مگر بہن فرخندہ دوسروں کو بھی اندھا نہ سمجھو تم مسلمان سہی مگر کیا اسلام اسی
کا نام ہے اور مذہب کے یہی معنی ہیں کہ دوسروں کو پھنسانے اور دیوانہ بنانے میں اس کی آڑ
پکڑو یہ ہوئی بہاڑ میں گئی تمہاری ترقی اور اسلام اس اسلام کو جو خدا سے بیگانہ اور بھلی چنگی
عورت کو تم جیسا دیوانہ بنا دے تمہاری اصلی غرض تمہارا واقعی منشا تمہاری حقیقی خواہش
اتنی صرف اتنی اور درحقیقت اتنی کہ اخباروں میں تمہارا نام آئے، رسالوں میں تمہارے
کام چھپیں۔ تقریریں کرو اور تحریریں پڑھو گہنے دکہاؤ کپڑوں پر اتراؤ اور برابر والیوں سے
ملو غریبوں سے اکڑو کہاتی پیتیوں کی خوشامد دولتمندوں کی مدارات غریبوں سے وحشت
رانڈوں سے نفرت عزیز بہن عورت اور مرد کی ترقی میں آسمان زمین کا فرق ہے انکی
لامذہبی لاپروائی ہے۔ کم توجہی ہے آفت ہے یا مصیبت ہے مر کر یا گر کر کھپ گئی اور کھپ
رہی ہے اور کھپ جائے گی مگر تمہاری منافرت مذہبی تمہارے بچوں کو تمہاری نسلوں
کو تمہاری قوم کو تمہاری ملت کو امت مرحوم کو مسلمانوں کو تہس نہس کر دیگی خوب سوچ لو
اور ہماری بات بھی لکھ لو زمانہ اس کی صداقت مجھکو اور تم کو نہیں آنے والی نسلوں کو

اور مسلمانوں کو دکہا دیگا۔ تمہارے اعمال و افعال تمہارے گن اور کرتوت تمہاری کوششیں اور تجویزیں تمہاری رائے میں ترقی کے پیش خیمہ اصلاح کا ذریعہ اور بہبودی کا زینہ ہیں مگر میری رائے میں تم قصر اسلام کی ان بنیادوں کو ہلا رہی ہو جنپر کلمہ توحید کا دارومدار ہے میں نے اور تم نے نہیں لیکن اسلام نے وہ وقت دیکہا ہے جب کہ مردوں میں منافق اور بے ایمان موجود تھے مگر عورتوں کی صدائے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صداقت کی ہوا میں اسطرح گونجتی تھی کہ دنیا سناٹے میں رہ جاتی تھی۔ تاریخ دیکھو پڑہو اور غور کرو خود حضور اکرم کا عہد خلیفہ دوم کا دور دورہ عباسیوں کا جاہ و جلال تمکو بتا دیگا کہ ترقی کرنے والی قوم کی عورتیں دوران کامیابی میں بساط حیات پر کیا پایہ رکہتی تہیں اور اُنکا تعلق مذہب سے کیا تھا فرخندہ واقعات شاہد ہیں کہ اُن کا زیور مذہب اُن کا لباس مذہب اُن کی ترقی مذہب اور کوشش ترقی مذہب اُن کا ہر قدم اُن کا ہر خیال اُن کا ہر قول اُن کا ہر فعل المختصر اُن کا ہر سانس مذہب کے دائرہ میں تھا یہ تو میں جانتا ہوں کہ اُن کے بدنام کرنے مذہب کو ننگو بنانے اور مسلمانوں کی ناک کٹانے میں تم نے کوئی دقیقہ نہیں چہوڑا۔ اٹکمٹ گہر کے بورڈ کی طرح نماز پڑہنے کی جگہ کا تختہ بہی......

پنڈال میں ضرور ہوگا مگر تمہاری باتیں بتا رہی ہیں تمہارے اقوال کہہ رہے ہیں کہ تم اس کا فرنقال سے زیادہ وقعت نہیں رکہتیں جو لامذہبوں کے ہنسانے کو مسلمان کی نقل کرتا ہو۔ صفیۃ النسا بیگم میری عزیز بیوی جس طرح میکے میں بزرگوں کی آنکہہ کا تارا تہی۔ اسی طرح آج بہی سسرال کا مول ہے میکہ اس پر نازاں تھا سسرال اس پر فخر کرتی ہے بچے اور گہر اور زندگی جن کو تم نے دیمک دشمن اور نفرت سے تعبیر کیا پیاری صفیہ کے واسطے اور اسی کے واسطے کیا ہر عورت اور عورت نہیں ہر بیوی اور بیوی نہیں ہر شریف زادی کے لیے مایۂ ناز ہیں مجہے معلوم ہے اور تم سے زیادہ مجہے خبر ہے اور تم سے بہتر کہ صفیہ خدا اس کو خوش رکہے اپنی حالت میں خوش اور اپنے گہر میں شاد ہے

اس کے ہر بچے پر ایک ماما اور اس کی ذات کے واسطے تین چھوکریاں موجود ہیں بیس
ہزار کی جائداد آٹھ ہزار کا زیور اور دس ہزار نقد کی اس وقت صرف اکیلی بیاری صفیہ
مالک ہے وہ اپنی مرضی کی مختار اور اپنے مزاج کی بااختیار ہے۔ وہ تین بچوں اور ایک
اپنے دم پر چار سو روپیہ ماہوار صرف کرتی ہے میں خدا کا شکر ادا نہیں کر سکتا جس نے مجھکو
اس قابل کیا کہ اس کی اتنی خدمت کرسکوں میری رائے میں تمہارا خیال جھوٹا
اور تمہارا قیاس لغو ہے اس کے جوہر جو کوارتپنہ میں ماند تھے اب چاند کی طرح چمک
رہے ہیں کوارپتہ کی کلی سسرال میں پھول بنکر مہک رہی ہے اور اس کا ثبوت اس سے
زیادہ کیا ہوگا کہ میں اس کی صورت کا عاشق اور نام کا دیوانہ ہوں اور اس وقت کہ وہ
دیکھتی ہے نہ سنتی علی الاعلان کہتا ہوں کہ خدا بیوی دے تو صفیہ جیسی۔

فرخندہ بہن تغیر صورت قانون قدرت ہے۔ جب تم نے دیکھا خود بچہ تھی آج
تین بچوں کی ماہ ممکن ہے چہرے پر وہ تازگی نہ رہی ہو۔ جو تم نے دیکھی لیکن اس کا ذمہ دار
میں نہیں۔ دھڑکن کا مرض ترقی کر گیا ہے حکیم شفاء الدین کا علاج ہے میں کہہ نہیں سکتا
شاید کپڑے میلے ہوں لیکن فرخندہ کیا کہہ رہی ہو پچھلے مہینے جب میں محسنپور گیا ہوں
بارہ سو روپیہ کا کپڑا میرے سامنے خریدا تھا۔ کیونکر مان لوں کہ تم سچی ہو تم کہتی ہو
جلسہ کی شرکت پر خموشی تمہاری حکومت اور اس کی مجبوری کا اظہار تھا۔

میں تمہاری رائے میں مسلمان نہیں ہوں مگر تم کو مسلمان سمجھتا ہوں مسلمان
ہو تو یقین کرنا صفیہ اگر شریک ہوتی تو مجھے یقیناً خوشی ہوتی مگر شریک نہ ہونے سے
اور بھی زیادہ خوشی ہوئی میں نہیں چاہتا کہ وہ ہر معاملہ میں میری اجازت کی محتاج رہے
مگر یہ اس کا جوہر شرافت ہے کہ وہ میری رائے اپنی رائے سے میرا خیال اپنے خیال
سے اور میرا فیصلہ اپنے فیصلہ سے بہتر سمجھتی ہے۔ میں نہیں چاہتا مگر تم بیشک یہی ہو میں
ہرگز خواہشمند نہیں مگر تمہارا قیاس درست ہے کہ صفیہ خدا اس کو دین دنیا میں خوش

سکے واقعی یہ چاہتی ہے کہ سانس بھی لے تو میری صلاح سے میں نے اُس کا کوئی حق غصب نہیں کیا اور وہ شرع اسلام کے عطا کردہ تمام حقوق کی مالک گھر کی ملکہ اور سفید و سیاہ کی بااختیار بیوی ہے مذہب اُس کی رگ رگ میں اسلام اُس کی گھٹی میں خدا کی عظمت رسول کی محبت اُس کے دل میں اس طرح جاگزیں ہے کہ وہ سلیقہ شعار عورت فرمانبردار بیوی اطاعت گزار بہو اور سمجھدار ماں بن گئی میں کیا میرا تمام خاندان میرے ماباپ میرے بہن بھائی میرے نوکر چاکر میرے بال بچے عزیز اقارب ہمسایہ پڑوسی اس کی انسانیت کا کلمہ پڑھ رہے ہیں۔

تمہاری زبردست بحث پردہ پر ہے اور تم چاہتی ہو کہ پردہ تمہاری طرح مسلمانوں سے رخصت ہو میں جانتا ہوں اور واقعات مجھے یقین دلا رہے ہیں کہ یہ جوہر جس نے مسلمانوں کی اچھی بُری لاج تھوڑا بہت بھرم رکھ لیا تھا مسلمانوں سے وداع ہو رہا ہے اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ پردہ کی خوبی سے تاریخ اسلام قطعاً محروم ہو گی وہ تمہارے خیال میں مبارک مگر میری رائے میں وہ منحوس گھڑی ہو گی کہ مسلمان اس وقت کو روئیں گے اور نہ پائیں گے اگر میری رائے سچی ہے اور خدا نہ کرے کہ سچی ہو اگر میرا خیال درست ہے اور خدا مجھے اس سے پہلے موت دے کہ یہ درست نکلے تو تم دیکھ لینا کہ جس قوم میں آج ہزارہا اللہ کی بندیاں ایسی موجود ہیں جن پر اسلام فخر اور مسلمان ناز کر سکتے ہیں اور یہ وہ گروہ ہے جس پر باوجودیکہ حیات انسانی کی ممکن مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ گئے جو معصوم بچوں کو کلیجہ سے لگائے بھوکی راتیں اور خطرناک دن کاٹ رہی ہیں لیکن اس فقیری غربت اور افلاس میں کہ مٹھی مٹھی بھر چنوں کو ترس رہی ہیں اور مامتا بھری آنکھیں پھولوں سے لالوں کو بھوکا پیاسا دیکھتی ہیں عصمت کا لعل بیش بہا ان کی ٹوٹی دیواروں اور پھٹے کپڑوں اور فاقہ زدہ چہروں کو منور کر رہا ہے۔ وہاں پردہ رخصت ہوتے ہی گو تمہاری کوشش کے بموجب دولت کی ریل پیل ہو جائے لیکن یہ مسلمانوں کا مایہ ناز

زمانہ آبحیات ہو جائے گا اور انصاف کی آنکھیں ان چند سطروں کو پڑھ کر منہ پیٹیں گی اور پردے کو چراغ لیکر ڈھونڈھینگی۔ مگر نظر نہ آئے گا۔

خدا تمہاری کوششوں میں برکت تمہارے ارادوں میں ہمت تمہارے اعضا میں طاقت دے مگر خدا کا واسطہ ہماری زندگی تک ہمارے گھروں کو اس بلا سے محفوظ رکھو اور ہماری حالت پر رحم کرو۔ والدہ احسن۔

(۱۴)

گیارہ برس سے زیادہ شادی کو گزر گئے مگر سچ یہ ہے کہ ایک دن بھی صحت اچھی نہ رہی کبھی اطمینان نصیب ہی نہ ہوا۔

بنت الوقت اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہو سکتی۔ شادی سے قبل میں نہایت تندرست لڑکی تھی۔ لیڈی ڈاکٹر کی رائے موجود ہے۔ اب یہ جو کچھ باعتبار صحت تغیر ہوا اس کی وجہ ظاہر ہے کہ صرف شادی ہو سکتی ہے۔ میری مستقل بیماری نے مجھ ہی کو پریشان کیا تمہارے اطمینان سے کیا واسطہ صحت اور علالت انسانی افعال نہیں قدرت کے انتظام ہیں۔ بیماری کی میں شکایت کر سکتی ہوں نہ کہ تم۔

نصیر۔ مجھ سے واسطہ کیوں نہیں مجکو یقیناً تمہاری بیماری سے کوفت ہوتی ہے۔ کبھی یہ دیکھا ہی نہیں کہ تم کو کوئی شکایت نہو۔ نقاہت کیا ہوئی وبال جان ہوگئی کہ ہر وقت کمزوری۔ ہر وقت ہسٹریا کا فٹ اور ہر وقت دھڑکن کا اندیشہ۔

بنت الوقت تو اس کا علاج کیا ہو سکتا ہے۔ مجکو اجازت دو کہ میں اپنے ماں باپ کے یہاں چلی جاؤں اور آیندہ تم میری بیماری کے اثرات سے محفوظ رہو۔

نصیر۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے۔ میں ہرگز یہ نہیں چاہتا اور یہ نہیں کہتا مگر یہ دیکھتا ہوں کہ پچاس روپے کے قریب قریب ہر مہینے میں دوا کا بل ہوتا ہے۔ سال گزشتہ کی آمدنی نو ہزار چار سو تھی۔ اس سال کہ ابھی چار مہینے باقی ہیں آٹھ ہزار روپے کے قریب

آچکا ہی مگر کیفیت یہ ہی کہ ایک پیسہ پاس نہیں اور قرض کا بوجھہ روز بروز بڑہتا چلا جا رہا ہی تبدیلی آب و ہوا بظاہر تو معمولی بات تھی مگر دس روز میں نو سو روپیہ اُٹھ گیا۔ ان باتوں کا آخر کیا انجام ہو گا۔

بنت الوقت تم ایسی حالت میں کہ مجکو فٹ شروع ہو رہا ہی کیوں ایسی جگر خراش گفتگو کرتے ہو؟

اس قدر گفتگو کے بعد نصیر خاموش اُٹھکر اپنے کمرے میں آ بیٹھا۔ ابھی دو چار ہی لمحہ گزرے ہوں گے کہ نرس گھبرائی ہوئی آئی اور کہا۔ سرکار جلدی لیڈی ڈاکٹر کو بلائیے بیگم صاحب کو فٹ ہو گیا اتنا سنتے ہی بدنصیب نصیر کے ہاتھ پاؤں پھول گئے چٹھی لکھکر آدمی کو دی اور گاڑی بھیجی کہ لیڈی ڈاکٹر فوراً آئے۔ آپ ادہر آیا تو بنت الوقت بیہوش پڑی تھی۔ آوازیں دیں ہاتھ پاؤں دیکھے۔ لیونڈر سنگھایا مگر بیوی کو حرکت نہ ہوئی۔ لیڈی ڈاکٹر کے آنے سے وہ بھی بمشکل تمام آنکھہ کہلی تو اس طرح کہ زار و قطار آنسو جاری تھے

لیڈی ڈاکٹر ضرور کوئی بات بیگم صاحب کے کھلاف ہوا۔

نصیر جی ہاں گفتگو تو اسی قسم کی تھی۔

لیڈی ڈاکٹر ویل پھر ہم کو کیا دوس آپ ذمہ دار ہی۔ آپ کو معلوم ہی آپ کا میم صاحب بہت جلد اثر مانتا ہی۔ پھر آپ احتیاط نہیں کرتا۔

نصیر جی ہاں غلطی ہوئی۔

لیڈی ڈاکٹر آیندہ بہت احتیاط کیجیے کوئی بات ایسا نہو۔

نصیر بہت اچھا۔

لیڈی ڈاکٹر یہ تین تین گھنٹہ بعد دوا دو۔

لیڈی ڈاکٹر چلی گئی۔ نصیر اپنی حرکت پر نادم۔ گفتگو پر خجل نیچی گردن کیے ہوئے بیوی کے حضور میں حاضر تھے کہ وحید کے آنے کی اطلاع ہوئی اور تھوڑی دیر بعد وہ اندر

داخل ہوا۔ اس طرح کہ ایک چٹھی اس کے ہاتھ میں تھی اور خوشی کے مارے باچھیں کھلی جاتی تھیں۔

کیوں بی بی کیسی طبیعت ہی؟

نصیر ابھی فٹ ہوا تھا۔

وحید اوہ۔ اب طبیعت درست ہی۔

بنت الوقت جی ہاں مگر نقاہت بہت ہو گئی ہی۔

وحید تم تبدیلی آب ہوا کے واسطے شملہ کو گئی تھیں وہاں کے جوائنٹ مجسٹریٹ صاحب کی میم نے تمہاری بہت کچھ تعریف کلکٹر صاحب کو لکھی ہی میں گج گیا تھا تو وہ بہت خوش تھے۔ یہ چٹھی از راہ کرم مجکو عنایت فرما دی دیکھو تمہاری بابت کیا لکھا ہی۔

"آپ کے ضلع کی مشہور لیڈی بنت الوقت نہایت مستعد اور قابل قدر عورت ہی میں ملکر بہت خوش ہوا۔ اور یہ دیکھکر کہ وہ ہر وقت تعلیم نسواں میں منہمک رہتی ہی بیحد مسرت ہوئی مجھکو اس خیال سے شروع میں کچھ تکلیف ہوئی کہ تم نے پردے کو مطلق علیحدہ کر دیا۔ مگر جب زیادہ غور کیا تو یقیناً خوشی ہوئی۔ اور میں تم کو مبارکباد دیتا ہوں کہ تم نے ایسی اچھی شہرت حاصل کی۔

بنت الوقت میں درحقیقت اُن کی میم صاحب سے ملنے گئی تھی۔ صاحب سے صرف پانچ منٹ برقع اور نقاب میں بات چیت ہوئی تھی وہ بہت معقول آدمی ہیں۔

وحید ہاں ایک بات مجھے اور کہنی تھی۔ مسز یوسف کا خط آیا ہی اُن کو ایک نرس کی ضرورت ہی جو بال بنانے جانتی ہو۔ تم اپنی نرس سے دریافت کرو کہ اگر یہ کسی کی سفارش کر سکیں۔ اُنھوں نے یہ بھی لکھا ہی کہ اگر کوئی اور انتظام نہو سکے تو ایک ہفتہ کے واسطے کوئی ایسی نرس آجائے جو میری نرس کو بال بنانے سکھائے۔

بنت الوقت میری نرس دو سو پچیس قسم کے بال بنانے جانتی ہی مگر افسوس

میں ایک وزر کے واسطے بھی اسکو نہیں بھیج سکتی۔ ہاں کوئی دوسرا انتظام کر دوں گی۔ اگر آپ کچھہ دیر ٹھریں تو میں آپ کو بالوں کا نمونہ دکھاؤں۔

ہسٹریا کی مریض اُٹھکر بیٹھ گئی۔ نرس کنگھی برش وغیرہ لیکر آئی۔ بالوں کے نمونے شروع ہوئے۔ اور والد بزرگوار بیٹھے نرس کی صناعی کی داد دیتے رہے۔ دو گھنٹے اسی طرح گزرے۔ اس کے بعد کہانا مانگا گیا۔ میاں بیوی آمنے سامنے اور مرزا وحید ایک طرف بیٹھے۔ اور کہانا شروع ہوا۔ کہانے سے فارغ ہوکر نصیر کچہری چلا گیا تو بیٹی نے باپ سے کہا

بابا! مجھے آج بہت تعجب ہوا آپ کہانے میں بہت غلطیاں کرتے ہیں مجکو ناگوار ہو رہا تھا کہ خانساماں اور بوائے دونوں مسکرا رہے تھے کیا آپ کو ہمیشہ اردو کہانے کا اتفاق ہوتا ہے۔

وحید میں انگریزوں سے ملتا جلتا تو بہت رہتا ہوں مگر کہانے کا اتفاق اُن کے ساتھ کبھی نہیں ہوا۔ تم نے مجکو اسی وقت بتا کیوں نہ دیا۔

بنت الوقت۔ میں نے چاہا تھا مگر سر پروہ دونو موجود تھے اس لیے کچھہ کہہ نہ سکی آپنے بڑی فاش غلطیاں کیں اور ایک بہت موٹی غلطی یہ تھی کہ مٹر کے دانے آپ نے چمچے سے کہائے۔ حالانکہ وہ کانٹے سے کہانے چاہئیں۔

وحید مٹر کے دانے اور کانٹے سے؟ ذرا منگوانا تھوڑے سے دانے اور کانٹا۔

بنت الوقت لیجیے۔

وحید۔ لو اوّل تو اس پر آتے ہی دو تین ہیں اور جب تک منہ میں لیجاؤں دونوں پھسل جاتے ہیں۔

بنت الوقت زور سے قہقہہ لگا کر۔ آپ کو عادت نہیں ہے۔ دیکھئے مجھہ سے ایک بھی نہیں پھسلتا۔

وحید۔ بھائی میں ایسی عنایت سے باز آیا۔ آئندہ کہانا مجھے نہ کہلانا۔ مگر دانوں کا

پھسلنا میرے بس کا روگ نہیں ہے۔

وحید اُٹھکر گھر گیا۔ بنت الوقت عینک لگائے ڈرائینگ روم میں آرام کرسی پر لیٹی اخبار پڑہ رہی تھی کہ بوائے نے آکر ایک چٹھی دی اور بنت الوقت نے چٹھی کھولی تو لکھا تھا

ڈیر بنت الوقت۔ میں نے ابھی ابھی ٹیلیگرام دیکھا کہ عرفان پور میں سخت آگ لگی اور تمام گاؤں جلکر راکھہ ہوگیا۔ لوگ مارے مارے پھر رہے ہیں۔ یہ بہت دردانگیز وقت ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم فوراً اپنی بہنوں کی مدد کے واسطے کھڑی ہوجائیں۔ میرا خیال ہے کہ آج ہی ایک غیر معمولی میٹنگ کا اعلان ہو۔ آپ مجھہ سے بہت جلد ملئے۔

احمدی احمد بیگ

اوہ۔ اوہ نرس! غضب ہوگیا۔ کوئی ہے فوراً گاڑی تیار کرو۔ جلدی۔ بہت جلدی اوہ مصیبت سخت مصیبت!

ہسٹریا کی مریض قومی ہمدردی سے فوراً بے چین ہوئی اور سیدھی احمدی بیگم کے پاس پہنچی۔

مسسز غضب ہوا میں نے تار نہیں دیکھا۔ جلدی دکھاؤ۔

احمدی بیگم یہ دیکھو۔

بنت الوقت اوہ۔ غضب غضب! یہ قیامت! ابھی جلسہ کا اعلان کرو۔ جلسہ کا اعلان ہوگیا چار بجے کے قریب لیڈیز کلب میں عورتیں جمع ہونا شروع ہوئیں۔ کارروائی کا وقت ساڑھے چار تھا۔ سب سے پہلے پریسیڈنٹ کا انتخاب ہوا۔ اس کے بعد بنت الوقت نے جو اس مصیبت کے جلسہ میں بھی لباس و فیشن کے اعتبار سے بینظیر تھی کھڑے ہوکر کہا۔

یہ کارروائی اس لیے کہ ہم مسلمان ہیں کلام اللہ سے شروع ہوتی ہے اور میں یہ رکوع پڑہتی ہوں۔

ہیرا بیسہ

رکوع پڑھا گیا اور سب آنکھیں بند کیے چپکی بیٹھی سنتی رہیں اس کے بعد بنت الوقت نے تقریر شروع کی۔ تقریر میں کلام اللہ کی آیتوں کا بھی حوالہ تھا اور مذہب کا بھی۔ جہاں مذہب یا کلام الٰہی آجاتا چاروں طرف سے تالیاں بجنے لگتی تھیں۔

تقریر کے بعد چندہ شروع ہوا۔ دو سو گیارہ روپے جمع ہوئے۔ جس میں پچاس بنت الوقت اور پچیس احمدی بیگم کے تھے۔ رقم چونکہ ناکافی تھی۔ اس لیے احمدی بیگم اور بنت الوقت نے تجویز کی کہ گھر گھر مانگیں اور اس طرح نہ صرف ایک قومی فرض ادا کریں بلکہ بندگان خدا کو مصیبت سے رہائی دلوائیں۔ اس تجویز میں بھی خاص کامیابی ہوئی۔ جب یہ دونوں احسن کی بیوی کے پاس گئیں تو اس نے نہایت فراخدلی سے سو روپیہ اس شرط پر دیے کہ اُس کا نام نہ ظاہر ہو۔ اس کے بعد بنت الوقت نے کہا۔

کاش ہماری طرح تم بھی آزاد ہوتیں۔ اور تمہارا پالا بھی ایسے شوہر سے پڑتا جو عورت کی قدر و منزلت سے واقف ہوتا۔ تاکہ تم بھی ان قومی کاموں میں ہماری مددگار ہوتیں اور وہ جوش جو تمہارے دل میں پہلے سے موجود تھا اچھی طرح ظاہر ہوتا میں نے تو بھائی احسن کو ایک خط بھی لکھا تھا اور اُنہوں نے اوٹ پٹانگ جواب بھی دیا۔ مگر میں زیادہ بحث کرنے والی کون۔ ہاں تمہاری حالت دیکھکر افسوس ضرور ہوتا ہی کہ کیسی بُری طرح ایک انسان کے تمام جذبات پامال ہوگئے۔ تم نے روپیہ دے تو دیا مگر کہیں ایسا نہو کہ وہ بگڑیں۔ تم لوگ تو ایک پیسہ بھی بلا اجازت نہیں اُٹھا سکتے کیسی افسوس کی بات ہی کہ بیوی شوہر کے قبضہ میں اس بُری طرح پھنس جائے کہ سوائے چند محدود تعلقات کے دنیا کے کسی معاملہ سے واسطہ ہی نہو۔

احسن زمانی جو خط تم نے اُن کو لکھا تھا وہ اور اس کے جواب کی نقل میرے پاس موجود ہی۔ میں تمہاری ہمدردی کی ممنون ہوں۔ لیکن تم نے میری حالت کا اندازہ

کرنے میں غلطی کی۔ میں اگر یہ نہیں کہہ سکتی کہ تم سے زیادہ، تو یہ یقیناً کہہ سکتی ہوں کہ اپنی اس زندگی میں تم سے کم خوش نہیں ہوں۔ برا نہ مانتا۔ فرق صرف اس قدر ہی کہ میں شوہر کو خوش کر کے خوش ہوں۔ اور تم نے اپنی خوشی کے مقابلہ میں شوہر کی خوشی نظر انداز کردی۔ میں کہاتی ہوں۔ میں پہنتی ہوں تم سے بہتر یا بدتر۔ پلاؤ یا روکھی روٹی۔ زرلفبت یا گاڑہا۔ مگر کہلا کر اور پہنا کر میں اس کو اپنے واسطے بہت قابل شرم سمجھتی ہوں کہ میرے سر پر سو روپیہ کا دوپٹہ اور پاؤں میں بارہ روپے کا بوٹ ہو مگر جس کی وجہ سے مجکو یہ نصیب ہوا۔ اس کا لباس مجھہ سے بہتر نہ ہو۔ میں اپنا فرض یہ سمجھتی ہوں کہ جس طرح بچوں کی محبت کرنے والی ماہوں۔ اسی طرح شوہر کی خدمت کرنے والی بیوی ہوں میں اس غرض سے پیدا کی گئی ہوں کہ بچوں کو مسلمان بناؤں اور اس واسطے بیاہی گئی ہوں کہ شوہر کی آسائش کو اپنی آسائش پر مقدم سمجھوں مجکو دنیا میں خوش رہنے کا حق ضرور حاصل ہی۔ مگر اس وقت جب میری ہستی میرے شوہر کی خوشیوں اور مسرتوں میں اضافہ کرے۔ میں تم پر اعتراض نہیں کرتی اور نہ اپنی زندگی پر فخر کرتی ہوں لیکن اتنا ضرور سمجھتی ہوں اور کہوں گی کہ میں صرف اسی بیوی کو بیوی سمجھہ سکتی ہوں جو شوہر کی کم از کم اتنی رضامندی حاصل کرلے جتنی میں۔

بنت الوقت مجھے تعجب ہی کہ تم اس کیڑے کی طرح جو صرف اپنی ایک انچ زمین کو بہت بڑی کائنات سمجھتا ہی۔ اپنی موجودہ حالت میں خوشی کا اظہار کرتی ہو۔ میں تم کو معذور سمجھتی ہوں۔ کیونکہ تم اس کے سوائے اور کہہ بھی کیا سکتی ہو۔ کیا اطاعت شوہر کے یہ معنی ہیں کہ عورت اپنی تمام وقعت خاک میں ملادے اور اپنی ہستی اُس پر قربان کردے اور اگلے زمانہ کی جاہل عورتوں کی طرح دنیا کی نعمتوں کو ترستی ہوئی مرجائے

احسن زمانی۔ اگلے زمانہ کی عورتوں کا ذکر کیوں کرتی ہو، وہ اگر تمہاری رائے میں جاہل اور بدنصیب تھیں تو تمہاری رائے تم کو مبارک رہی، مگر ذرا اس تحریر کو ملاحظہ

کیجئے۔ دیکھئے مسلمان ان مرنے والیوں پر کس طرح نوحہ کر رہی ہیں۔

تمدن جدید کے شیدائیو! تمہارا ارشاد سر آنکھوں پر مگر تھوڑی دیر کے واسطے مہر تامل منہ پر لگالو۔ انصاف کے کان کھولو اور صداقت کی آنکھوں سے دیکھنا یہ ہی سرزمین ہندوستان ہے۔ جہاں عروس مغرب کی شاہانہ سواری گزرنے کے بعد دلہنوں کے ہاتھ رنگ حنا کو ترس جائیں گے۔ بہار مشرق کا لباس خزاں ہوگا اور اس باغیچۂ حیات میں جہاں نظام خانہ داری کے پھول کھل رہے ہیں۔ نااتفاقی کی خاک اُڑے گی۔ اطمینان کی چڑیاں ہوا اور عاقبت اندیشی کی لہریں فنا ہونگی پریشانی کی آندھیاں آئیں گی۔ اسلام کے جھکڑ چلیں گے۔ اور نشاط زندگی کا ہر تیر جو آج مذہب کے رنگ میں شرابور ہے صداقت سے ہزاروں کوس دور ہوگا۔ لو سامنے دیکھو اور اس آبادی پر نظر ڈالو مگر یہ یاد رکھنا کہ بیسویں صدی عیسوی کے چہرہ پر سبزۂ شباب آگیا ہے۔ مگر اس بستی میں وہ عورتیں آباد ہیں جو اذان کی آواز سنتے ہی ڈوپٹے سنبھال لیتی ہیں۔ اور جس وقت موذن کا پیغام توحید فضائے حیات میں گونجتا ہے تو حقیقی عظمت کی سچی تصویر اُن کی آنکھوں میں پھر جاتی ہے یہ خوف کی چادروں سے اپنے سر ڈھانک لیتی ہیں۔ جل شانہ کہکر اُٹھ کھڑی ہوتی ہیں۔ حیات انسانی کی ہر ضرورت دنیائے فانی کی ہر محبت کو اور جسد خاکی کی ہر طاقت کو احکام قدرت پر قربان کردیتی ہیں۔ ان کے دل یوم الحق کے اندیشے سے اُن کی طبیعتیں رحلت کے خوف سے لرز جاتی اور کانپ اُٹھتی ہیں اور اُن کے سر عاجزانہ حاکم حقیقی کے حضور میں جھک جاتے ہیں۔ شام ہوگئی مٹی کے چراغ اُن کے گھروں میں جل گئے یہاں برقی روشنی اور کافوری شمعیں نہیں ہیں۔ مگر تلاش کی آنکھوں سے دیکھنا اس روشنی میں قدرت کے بڑے بڑے خزانے اور انسانیت کے اعلیٰ اعلیٰ نمونے نظر آئیں گے یہ وہ وقت ہے جس کو بیسویں صدی دور جہالت سے تعبیر کرے گی۔ مگر ایمان کا فیصلہ اپنا

منہ پیٹ لیگا۔ اور علی الاعلان کہیگا کہ جو پھول عالم خزاں میں مہک گئے اور جو شمعیں عہد تاریک میں روشن ہوئیں آج دنیا اُن سے محروم ہی۔

نشۂ ترقی کے سرشار جوانو! غور سے دیکھ لو۔ دنیا ان صورتوں کو ترسے گی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھو گے اور یہ مکھڑے نظر نہ آئیں گے یہ صحبتیں ختم اور یہ سماں برہم یہ وہ وقت ہی جس کے ہر لمحہ سے یہ وہ گھر ہیں جن کے ہر ذرے سے صدائے ایمان کان میں آئیگی یہ وہ بیویاں ہیں جن کے بچپن پر والدین کی خدمت نے دعاؤں کے پھول قربان کیے جن کی وداع پر عزیزوں اور پڑوسیوں کی آنکھوں نے محبت کے آنسو گرائے ان کی پالکیاں بیلوں اور جھالروں سے نہیں خلوص اور صداقت کے پھولوں سے آراستہ تھیں۔ ان کے جہیز میں سامان ظاہری کے ساتھ غریبوں کی التجائیں اور رانڈوں کی آرزوئیں موجود تھیں ان کا کوار پتہ کچھ شک نہیں کہ ماں کے گھر بیٹی گوڈر لپیٹی" تھا۔ مگر اُن کے اعمال گدریوں کے لال تھے۔ اُنہوں نے عجز کی پیشانی بزرگوں کے سامنے جھکائی اور شفقت کا ہاتھ چھوٹوں کے سر پر پھیرا ان کا گوہر عصمت کچی پکی دیواروں اور ٹوٹے پھوٹے گھروں میں صدف کی طرح محفوظ رہا۔ اسلام کی عینک سے دیکھو۔ ان پاؤں میں حقیقت کے دریا لوٹ رہے ہیں، یہ وہ قدم ہیں جو کوارپتے میں گھروں سے باہر نہیں نکلے ماں باپ کی قدردانیوں نے ان کی ہستیاں سر آنکھوں پر رکھیں۔ اور دنیا بھر کی راحتیں اُن کی چار دیواری میں فراہم کر دیں۔ یہ جاہل نہیں پڑھی لکھی ہیں۔ کلام اللہ ان کا دستور العمل، اسلام ان کا مذہب، یہ مسائل سے باخبر اور احکام سے آشنا ہیں۔ ان کی زبانوں نے فضائل اسلام کے سبق پڑھے ان کی آنکھوں نے عظمت شوہر کے منظر دیکھے۔ ان کے کانوں نے ماہیت دنیا کی کہانیاں سنیں اور جب ان مہمانوں کی رخصت کا وقت قریب آیا تو زمانہ نے شباب کے ساتھ ہی کامیابی حیات کا سہرا اُن کے سر باندھ دیا۔ اُن کے منہ میں زبانیں ضرور تھیں مگر خُلق کی

چاشنی اور ہمدردی کی شیرینی میں ڈوبی ہوئی۔ اُن کے منہ پر آنکھیں موجود تھیں لیکن شرمِ حیا کے سرمے سے آراستہ اُن کی باتیں میٹھی اُن کی نگاہیں نیچی اُن کی صورتیں بھولی اُن کی باتیں سیدھی۔ یہ میکے سے رخصت ہو چکیں مگر بقائے دوام کے خلعت لیکر۔ اُن کوارتبہ ختم ہوا۔ مگر اُن کے مخلص ہاتھ اس چمنستان فانی میں ایسے بیج بو گئے ہیں جو مدۃ العمر رنگ برنگ کے پھول کھلائیں گے۔

جراثیم امراض جو دورِ ترقی میں حیاتِ نسوانی کا لازمہ ہوں گے اور علالت کا مستقل دیو مہیب جو تعلیم یافتہ بیویوں کا ہمراز ہو گا۔ ان بیچاریوں سے ہزاروں کوس دور ہے۔ اُن کی علالت بھی اُن کی صحت سے بہتر اور اُن کی خموشی اُن کی گویائی سے اعلےٰ۔

لو ہشیار ہو مجلس فانی قریب آ گئی۔ دل بھر کر دیکھ لو چاند مدہم ہوا چاندنی پھیکی پڑی تارے جھلملا گئے۔ چراغ ٹمٹماتے ہیں۔ رات گزر گئی۔ اور یہ پھول جو ساری رات مہکے۔ اب مرجھاتے ہیں۔ اُن کی سادگی پر نہ جاؤ اُن کی باتوں پر نہ ہنسو۔ یہ دنیائے نسواں کی وہ مورتیں ہیں جن کے منہ سے باتوں میں پھول جھڑتے ہیں اور جن صورتوں پر ادائیگی فرائض کا مینہ برس رہا ہے اُن کے سفید بالوں میں خلوص کی کنگھی ہے اور اُن کے پاک ہاتھوں میں صداقت کے گلدستے مرغ کی اذان نے اُن کو بستر استراحت سے بیدار کیا۔ رات اُن کی زندگی پر مرحبا کہتی ہوئی رخصت ہوئی اور صبح صادق نے جانماز پر اُن کا استقبال کیا۔ میرے دوستو ادب کے ہاتھ اُٹھاؤ اور ان بزرگ ماؤں کے سلام کو جھک جاؤ۔ جنہوں نے شوہروں کے آرام پر اپنی راحتیں قربان کیں اور اپنے ہاتھ سے پکانا فخر سمجھا۔ بہتر سے بہتر کھلایا اور اچھے سے اچھا پہنایا بچی بچائی کھائی اور پرانا دھرانا پہنا مگر کام کے وقت اور ضرورت کے موقع پر۔ جب مایوسی نے کمر ہمت توڑ دی تو اُن نیک کوکھ کی بیٹیوں اور شریف

بیویوں نے اشرفیاں نکالکر آگے رکھدیں۔ آسمانی فرشتوں نے اُن کی خدمات پر آفریں کہی اور بزرگوں کی پاک روحیں اُن کی زندگی پر فخر کرنے لگیں اُن کی خموشی اور سنجیدگی پر نہ جاؤ۔ یہ گہروں کی بااختیار شہزادیاں شوہروں کی لونڈیاں ہیں یہ طرار ہوں ان میں چٹک مٹک نہ سہی مگر اُن کی پیشانیاں دیکھو نسوانیت کے جھومر جگمگا رہے ہیں۔ ترقی اُن کی جہالت پر قربان ہوگی اور تصنع اُن کی سادگی کی بلائیں لیگا۔ اُن کی کتاب حیات میں بڑے بڑے کارنامے ہیں۔ اُن کے باغیچہ زندگی میں سدا بہار پھول ہیں۔ اُن کے جسد خاکی کی تہ میں ممتاز راز ہیں۔ یہ یتیموں کی مائیں ہیں۔ یہ عزیزوں کی عاشق ہیں یہ رانڈوں کی وارث ہیں یہ خدا کے نام پر قربان ہونے والی نور کی پتلیاں اور شوہروں کی پرستش کرنے والی خدا کی بندیاں ہیں۔ یہاں ظاہری ٹیپ ٹاپ نہوا وپر کی شوں شاں نہ سہی مگر ان گہروں میں سب کچھ ہے۔ یہاں زندگی کی بہاریں ہیں۔ جینے کا لطف اور رہنے کا مزا ہے۔ ان گہروں میں برکت اور گہر والیوں پر خدا کی رحمت ہے۔

دیکھو وہ جلوہ ختم ہو رہا ہے اور وہ متبرک ہستیاں بے ہند لی سی تصویر رہ گئیں بزرگ ماؤں ذرا صبر کرو اپنے قدم آگے بڑھاؤ کہ میں اُن کو بوسہ دوں اپنے ہاتھ میرے سر پر رکھو میں جانتا ہوں تمہاری نورانی صورتیں اب نہ نظر آئیں گی مگر تمہاری زندگیاں زندہ رہیں گی۔ تمہارے مبارک ہاتھ جو چراغ جلائیں گے جب تک یہ روشن ہیں سہلام زندہ رہیگا۔ اور جن گہروں میں ان چراغوں سے چراغ جلیں گے وہ نمونہ جنت ہوں گے۔ اچھا میری ماؤں رخصت ہو۔

بنت الوقت مجھے تو اس مضمون میں ایک بات بھی کام کی نظر نہ آئی میں نہیں سمجھتی کہ ان عورتوں میں وہ کون سی خوبی تھی جو ہم میں نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جو زندگی ہم بسر کر رہی ہیں اس کا پرچھاواں بھی اُن پر نہ پڑا۔

احسن زمانی مجھے بحث کی ضرورت نہیں ایسا ہی ہوگا۔

(۱۵)

اسلام ہو یا عیسائیت میرا تو ایسے مذہب کو سلام ہے جس میں عورت اسطرح مرد پر حاوی ہو کہ اس غریب کی زندگی بھی تلخ ہو جائے۔ میری حالت یہ ہے کہ چھہ سات سو روپیہ ماہوار کی آمدنی پر میرا خیال ہے کہ مجھ سے زیادہ بدنصیب انسان دنیا میں نہو گا بچہ تو کوئی ہے نہیں بیوی کو جب دیکھتا ہوں مریض اور جب سنتا ہوں بیمار۔ اُن کے بیرونی اخراجات میں کسی طرح کا فرق نہیں آتا ایک دم پر چار نوکر ہیں اور آیا الگ ہے۔ اگر بیوی کے یہی معنی ہیں کہ وہ شوہر کے کھانے کپڑے آرام آسائش دکھہ سکھہ رنج وراحت کسی چیز سے واسطہ نہ رکھے تو مسلمان بیوی سے بدتر دنیا میں کوئی بیوی نہیں ہو سکتی اسلام میں کچھہ ظاہری خوبیاں ایسی ہیں جن کی وجہ سے میں قائل ہوا۔ مگر مجھکو ہرگز یہ معلوم نہ تھا کہ اندرونی عذاب اس قدر تکلیف دہ ہے اور مرد کے صرف یہ معنی ہیں کہ وہ عورت کی نازبرداری میں اپنی عمر برباد کر دے۔

احسن آپ کو معلوم ہے نبت الوقت میری رشتہ میں بہن ہے اس سے پہلے بھی میں نے آپ کی زبان سے اسی قسم کے الفاظ سنے مگر میرا رشتہ پڑا ہے۔ میں ہمیشہ خاموش رہا آج جبکہ آپ اپنی تکلیفوں کا بار اسلام پر رکھتے ہیں تو میں کہتا ہوں اور نہایت تعجب سے کیونکہ ماشاء اللہ آپ قانونی آدمی ہیں کہ ایک تن واحد کی حالت کا اسلام سے کیا واسطہ۔

نصیر ایک تن واحد نہیں صاحب میں تو عام طور پر مسلمانوں کی حالت یہ ہی دیکھہ رہا ہوں آپ میرے ساتھ صبح کو لیڈی ڈاکٹر کے یہاں چلکر دیکھئے اور پھر ڈاکٹروں پر بھی ایک نظر ڈالیے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ مسلمان مردوں اور عورتوں میں بیماری کے اعداد کیا ہیں اور اس تناسب نے شوہروں کو کسقدر

بیچین کررکھا ہی۔

احسن آپ اسلام کو گاجر مولی نہ سمجھئے میں آپ سے سچ کہتا ہوں ان معاملات کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔

نصیر افسوس میں آپ سے متفق نہیں ہوں آپ کے پاس دعوی کا ثبوت نہیں صرف زبانی دعویٰ ہی اور میرے سامنے ذاتی تجربہ اور مشاہدہ۔

احسن آپ اپنے تجربہ کو تو معاف فرمائیے مگر مہربانی فرماکر مشاہدہ کی تفصیل کیجئے

نصیر میں نے جسقدر مسلمان خاندان دیکھے قریب قریب سب کی اندرونی حالت ایسی ہی ہی کس کس کا نام لوں۔

احسن آپ جن لوگوں کو مسلمان سمجھتے ہیں اسلام کی اُن کے ہاں کیا شان دیکھی میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ میرا منہ کھلوائیں مگر آپ نے زبردستی مجھے چھیڑ کر مجبور کیا آپ نے جس قدر خاندان دیکھے اور جن جن سے ملاقات ہوئی وہ سب آپ کی بیوی صاحبہ کے ملنے والے ہوں گے اور ظاہر ہی کہ اُن کے حالات بھی اسی قسم کے ہوں گے لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ عام طور پر مسلمانوں کی یہی کیفیت ہے مسلمانوں کے گھر اگر آپ کا وہاں تک گزر ہو سکے آپ کو نمونہ جنت ملیں گے بشرطیکہ اُن کا نظام خانہ داری اصول اسلام کے موافق ہو یہ تمام خرابیاں جنہوں نے زندگیاں تلخ کردیں صرف اسی ٹی لیتا میں ہیں جس سے آپ کو پالا پڑا اور جو موجودہ تعلیم نسواں کا شیدا اور ترقی کا دلدادہ ہی۔ آپ کو معلوم ہی میں تعلیم نسواں کا کتنا زبردست حامی ہوں اس وقت ایک چھوڑ تین تین مدرسے میری نگرانی میں کام کررہی ہیں جہاں پہلا سبق مذہب ہی۔ لیکن موجودہ تعلیم جو لڑکیوں کو دی جارہی ہی مسلمانوں کے حق میں سم قاتل ہی۔ جن مصیبتوں کو آپ پیٹ رہی ہیں یہ ابھی تک تو خاص ہیں لیکن مسلمان اگر اسی طرح منہ میں گھنگنیاں بھرے بیٹھے رہی تو یقیناً عام ہوں گی۔ موجودہ طریقہ تعلیم

کا پہلا نتیجہ مذہب سے منافرت ہی اور جب مذہب ہی نہ رہا تو جو کچھ بھی انجام ہو وہ ظاہر ہی۔ لطف یہ ہی کہ ظالم درحقیقت تو مذہب کو علٰحدہ کر رہی ہیں اور ظاہر یہ کرتے ہیں کہ ہماری تعلیم کا منشا مذہب سے الگ نہیں ہی میں نے حال میں ایک کتاب دیکھی جس میں ایک لڑکی مغربی خصائل میں سر سے پاؤں تک ڈوبی ہوئی تھی اور علی الصباح نماز اور کلام مجید ناغہ نہ کرتی تھی۔ بہلا خدا کو دیکھا نہیں عقل سے پہچانا کوئی لڑکی بھی اس قسم کی آج تک دیکھنے میں آئی یوں کہنے کو جو چاہے سو کہہ لو مگر تمدن جدید کا پہلا اثر وداع مذہب ہی اس لیے آپ کی شکایت کا اسلام سے مطلق واسطہ نہیں میں کہہ تو نہیں سکتا اور مجھے کہنا چاہیے بھی نہیں لیکن اب کہ آپ مذہب کو ذمہ دار قرار دیتے ہیں میں کہتا ہوں کہ اگر آپ کسی ایسے خاندان میں نکاح کرتے جہاں تمدن جدید کے قاتل اژدہے کی پھنکار کان میں نہ آتی تو لاریب آپ ایسی بیوی دیکھتے کہ جو سچی مسلمان ہوتی اور جس کا یہ عقیدہ ہوتا کہ اگر سجدے کا حکم کسی انسان کے واسطے دیا جاتا تو عورت کو اپنے شوہر کا۔ میں جانتا ہوں اور دعوے سے کہتا ہوں کہ اسلام نے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ عورت کے حقوق کی حمایت لی۔ اور حفاظت کی مگر اس خوبصورتی اور حسن تدبیر سے کہ زندگی کو سچ مچ زندگی بنا دیا۔

نصیر تو آپ کا منشا یہ ہی کہ میں نکاح ثانی کر لوں۔

احسن میں یہ نہیں کہتا اور گو اسلام نے اسیلیے کہ وہ دین فطرت ہی آپ کو اسی دن کے واسطے نکاح ثانی کی اجازت دی مگر اس مسئلہ کو آپ خود طے کیجیے مجھے چونکہ دس بجے کلکٹر صاحب سے ملنا ہی۔ اس لیے اب اجازت دیجیے۔

نصیر بہت اچھا مگر میں چاہتا ہوں پھر کسی وقت آپ سے اس سلسلے میں گفتگو کروں۔

احسن ہاں ضرور۔

بنت الوقت کے حالات واقعات کے ساتھ ہی ساتھ یوں نافیسو ماردی ہورہے تھے پندرہ سال کا پورا زمانہ ایسی صورت اور اس حالت میں کہ بال نہیں بچہ نہیں اسطرح گزرا کہ کمبخت نے کبھی بھولکر بھی نصیر کی آسائش پر توجہ نہ کی ہاں یہ توقع ہمیشہ رکھی اب یہ وہ جانے یا اس کا خدا کہ جائز تھی یا ناجائز کہ نصیر کی طرف سے نازبردار میں فرق اطاعت میں کمی اور محبت میں کسر نہ رہنے پائے ہم کو بنت الوقت سے بدظن ہونے کا کوئی حق نہ سہی ۔ یہ بھی تسلیم کہ وہ بارہ مہینے کی بیمار اور مستقل مریض تھی۔ اس سے بھی انکار نہیں کہ مزاج کی کڑوی تھی اور تیہے کی تیز لیکن یہ سمجھہ میں نہ آیا کہ اختیاری بخار اور فوری فٹ کیا معنی رکھتا تھا۔ آنسو تو خیر اختیاری تھے رونا منہہ پر تھا مگر ذرا طبیعت بگڑی اور حرارت جہاں کوئی بات خلاف مزاج ہوئی اور دورہ مطلق قیاس میں نہیں آسکتا نصیر بھی آخر انسان تھا کہاں تک مصیبت بھگتتا اور کب تک ناز اُٹھاتا روز روز کی جھک جھک اور ہر وقت کی پٹ پٹ بدنصیب زندگی سے بیزار تھا ہر وقت اپنے کمرہ میں اکیلا بیٹھا اپنی تقدیر پر روتا۔ اس مغائرت پر بھی افسوس یہ ہے کہ بنت الوقت نہ پسیجی اور نصیر سوکھکر کانٹا ہوگیا مگر اس کے گنوں میں فرق نہ آیا سینکڑوں تدبیریں اور ہزاروں جتن کیے مگر ایک کوشش بھی کارگر نہ ہوئی شام کے وقت وہ ایک روز ہوا خوری کے واسطے باہر گیا۔ جب کہانے کے وقت نہ پلٹا تو بیرا اِدہر اُدہر دیکھنے چلا سب جگہ پوچھا اور ہر شخص سے دریافت کیا مگر اس کا پتہ نہ ملا۔ رات صبح ہوئی اور صبح شام ۔ تین دن اور تین رات اسی طرح گزرے چوتھے روز کی ڈاک میں بنت الوقت کو یہ خط ملا "میں دنیا سے نہیں مخمنیور سے جاتا ہوں۔ تمکو میری وجہ سے تکلیف پہنچی اب انشاء اللہ تم میری صورت نہ دیکھو گی"۔

نصیر کی مفارقت کے بعد مرزا وحید بھی زیادہ روز تک زندہ نہ رہا۔ اس کی موت نے غضب یہ ڈھایا کہ رواج کے موافق بنت الوقت ترکہ پدری سے محروم کی گئی اور چند ہی روز میں اُس کی حالت بچی سے بھی بدتر ہو گئی۔ اب البتہ اس کو معلوم ہوا کہ یہ بہن برباد کر گئے تھے۔ بدقسمتی سے کوئی ہنر بھی ہاتھ میں نہ تھا کہ پیٹ پال لیتی جب فاقوں تک نوبت پہنچ گئی تو مشن میں پندرہ روپیہ ماہوار کی نوکر ہوئی جن ہاتھوں میں سینکڑوں روپیہ کی کوئی وقعت نہ تھی وہاں مہینہ بھر کی محنت کے بعد پندرہ روپیہ حقیقت ہی کیا رکھتے تھے زندگی وبال اور جان اجیرن ہو گئی۔ دن رات روتی اور پچھتاتی مگر یہ سب بے سود اور بیکار تھا چند ہی روز میں ڈھانچ رہ گئی اور انجام یہ ہوا کہ جس رستے سے گزر جاتی لوگ اس عبرت کی تصویر کو دیکھنے کھڑے ہو جاتے۔

سراب مغرب

مصور غم علامہ راشد الخیری کی وہ تصنیف ہے جس کا دنیائے نسواں کو مدتوں سے انتظار تھا اور اردو لٹریچر جس کے واسطے بیچین تھا تعلیم نسواں کے مسئلہ میں اس فیصلہ کی اشد ضرورت تھی کہ غیر مسلم ذرائع سے مستفید ہونا کہاں تک جائز ہے حضرت مصنف کا فیصلہ قابل دید ہے قصہ اس قدر دردانگیز اور عجیب ہے کہ ہر لفظ کلیجہ کے پار ہوتا ہے اور آنکھیں روتے روتے طوفان بپا کر دیتی ہیں سراب مغرب کتاب نہیں ایک جادو ہے جسکو پڑھ کر ناظر ساکت ہو جاتا ہے۔ اکرم کے ہاتھوں آبروئے سادات کا انجام فیشن جدید کے نتائج۔ پارٹیز کا حشر دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے مولانائے محترم کی تصنیف کا اعلان کے بعد نام تک نہیں رہتا اسلئے اگر درخواست فی الفور نہ بھیجی گئی تو تاجر کا ذمہ دار

انتباہ و اطلاع

بنت الوقت کا دائمی حق اشاعت علامہ راشد الخیری نے مجھے دیدیا ہے اسلیے کوئی صاحب اسے یا اسکے کسی حصے کو بطور خود چھاپنے کا ارادہ نہ کریں ورنہ اخلاقی و قانونی جرم کے مرتکب ہونگے۔ ہاں کتب فروش حضرات اس سے فائدہ اُٹھانا چاہیں تو معقول کمیشن پر اس کی جلدیں دفتر خطیب و نظام المشائخ دہلی سے خرید سکتے ہیں

(جس کتاب پر پبلشر کے دستخط نہ ہوں وہ مسروقہ سمجھی جائے گی)

خاکسار

محمد الواحدی مالک و اڈیٹر خطیب و نظام المشائخ دہلی

سات روحوں کے اعمالنامے

عالم ارواح کی سیر کرنی ہو یا پردہ موت کو ہٹا کر کچھ دیکھنا ہو تو سات روحوں کے اعمالنامے ملاحظہ فرمائیے جو علامہ راشد الخیری مدظلہ کا وہ معرکتہ الآرا مضمون ہے جسکو پڑھکر ہر ناظر کی دہاڑ بندھ گئی اور اُدھر مارے ہنسی کے پیٹ میں بل پڑ گئے۔ راز و نیاز کے چوچلے عشق و محبت کے کرشمے خانہ داری کے مناظر غرض انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس سے سات روحوں کے اعمالنامے محروم ہوں۔ یہ مضمون رسالہ خطیب میں مسلسل نکل چکا تھا مگر اسکی طلبی اس قدر زیادہ ہوئی کہ آج اسے کتابی صورت میں شائع کرنا پڑا۔ اس مبحث پر جناب مصنف نے ایسے لطیف اور پر مغز نظارے دکھائے ہیں کہ حیات و ممات دونوں کی سچی تصویریں آنکھ کے سامنے پھر جاتی ہیں ضخامت ۷۲ صفحے قیمت علاوہ محصول ۱۰ ؍ اور اس کے علاوہ علامہ راشد الخیری کی ہر کتاب صرف اس پتہ سے منگائیے

منیجر خطیب و نظام المشائخ دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سات روحوں کے اعمالنامے

تصنیف

مصور غم علامہ راشد الخیری مدظلہ

مصنف صبح زندگی، شام زندگی، الزہرا، سراب مغرب، بنت الوقت وغیرہ

یادگار شمس العلماء ڈاکٹر نذیر احمد مرحوم

جسے

ملا محمد الواحدی

نے شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ ہجری مطابق مئی ۱۹۱۹ء میں بصورت کتاب

تیسری مرتبہ

اپنی درویش پریس دہلی میں چھاپ کر شائع کیا

قیمت فی جلد ۱۲ علاوہ محصول ڈاک

اطلاع

"مسائل وحوں کے اعمال نامے" کا دائمی حق اشاعت جناب ملا نا راشد الخیری نے مجھے دیدیا ہے۔ اس لیے کوئی صاحب اسے یا اسکے کسی حصے کو بطور خود چھاپنے کا ارادہ نہ کریں۔ ورنہ اخلاقی و قانونی جرم کے مرتکب ہوں گے۔ ہاں تاجران کتب اس سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو معقول کمیشن پر اس کی جلدیں دفتر خطیب و نظام المشائخ دہلی سے خرید سکتے ہیں۔

خاکسار واحدی مدیر خطیب و نظام المشائخ دہلی

خطیب و نظام المشائخ

خطیب ہفتہ وار رسالہ ہے اور نظام المشائخ ماہوار۔ حضرت خواجہ نظامی، مولانا راشد الخیری، مولانا نیاز۔ مولانا عارف، مولوی فاضل عرشی، خان بہادر میرزا سلطان احمد، حکیم ناصر نذیر فراق، ماسٹر واسط بسواقی، مولانا اکبر (لسان العصر) مولانا قیصر، مولانا سیماب۔ ڈاکٹر اقبال، مسٹر آصف، مولانا مراقب ربانی، مولانا برق (پرنسپل مدرسہ الٰہیات کانپور) مولانا شفیع الدین مرادابادی، مولوی نورالدین گوجرانوالہ، مولانا امجد حیدرآبادی، مولانا ذہین حیدرآبادی مسٹر برنی بی اے، مسٹر ادیب بی اے، قاضی بدرالحسن بدر جلالی بی اے، مرزا محمد ہادی عزیز، مولانا سید محمد فضل شاہ (سجادہ نشین جلالپور شریف) مولوی محمد عظیم واعظ اسلام، مولانا اوج گیاوی مولانا ارشاد نظامی، پروفیسر ظہور ایم اے، مولانا حسرت موہانی، مولانا سید ظفر احسن پھلواری وغیرہم ان دونوں کے قلمی معاون ہیں۔ خطیب کا چندہ سالانہ ؏ ششماہی ۱۲؍ ہے۔ نظام المشائخ کا چندہ سالانہ ؏ ششماہی ۸؍ ہے۔ کوئی صاحب ایک ساتھ دونوں کے خریدار بنیں تو انہیں سالانہ ۸؍ اور ششماہی ۴؍ کی رعایت مل سکتی ہے بشرطیکہ اس اعلان کا حوالہ دیا گیا ہو۔ منیجر خطیب و نظام المشائخ دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۱)

حصیرۃ اللیل یعنی وہ ایک خاص رات جس میں چند لمحہ کے واسطے رب الایتھر (ایتھر کا پرورش
کرنیوالا) مادہ جس پر فضائے دہر کا اطلاق ممکن ہے) خلائے آسمانی میں ظہور کرتا ہے، اجرام فلکی کے
سر پر تھی، اور یہی ہے وہ رات جس کی ایک ساعت قانون قدرت کے قطعاً خلاف، ہر
سو سال کے بعد اپنی حرکت بند کرتی ہے، تحریک، کشش، جذب، گردش، ہر طاقت مفقود
ہوکر محض اس مجموعہ کے تابع ہو جاتی ہے جس کا وجود ایتھر میں ہے، اور یہی وہ وقت ہے جو حقائق
دہر میں خاتمہ دنیا یا قیامت کا باعث ہوگا، آسمانی دنیا پر سکون مطلق طاری تھا
تاروں کی جماعت جو اس وقت میلوں کے فاصلہ پر منتشر دکھائی دیتی ہے صف بستہ
و متصل خاموش و سرنگوں تھی، ہوا کا گزر مطلق نہ تھا، آبشار تھم چکے تھے، پہاڑوں پر
سناٹا تھا، مگر چاند دہری فرشتوں کی زندگی کے واسطے کچھ آہ حسین پہنچا رہا تھا دفعتہً
بغیر کسی رگڑ یا اتصال کے ایک شعلہ چمکا۔ کہ نباتات ساکت ہو گئی، چاند ٹھہر گیا، تاروں
کے پاؤں اپنی جگہ سے سرک گئے، پہاڑ گر گر اٹھے پانی میں تلاطم مچ گیا، اور ایک
متفقہ آواز بلند ہوئی۔

ہولم، ڈرولم، سبوس　　　پاک، بلند، پرورش کرنیوالے

یہ ہی رب الایتھر کا وجود تھا جلالی، قدرت اور تمکنت شاہنشاہی کو لیا ہر گر بولنے دو قہقہے اس شعلے سے نکلے اس اطمینان پر یہ تمام مخلوق جس کا خون خشک ہو رہا تھا خوشی سے اچھل پڑی اور سوائے اس ایک چاند کے جس کا نام مرقان تھا سب سجدے میں گر پڑے۔

ہولم، ڈروم، سبرلوس!

شعلے کی حرارت تیز ہوئی، غضبناک چنگاریاں اڑنے لگیں، قریب کا بڑا حصہ جل کر خاک سیاہ ہوگیا، اور وہ تمام ذرات جو سجود شاد کام تھے، اس فوری تغیر سے متاثر ہو کر دم بخود رہ گئے، غضب الٰہی لمحہ بہ لمحہ زیادہ ہوا، چنگاریاں خوفناک انگارے بن گئیں، اور ایک ایسی دہشتناک آواز برآمد ہوئی کہ ہر ذرہ دہل گیا۔

کریسی، میسکریو ...... نافرمان مرقان

شعلہ فرو ہوگیا۔ مگر ملائکہ دہر کا داروغہ تند و تیز آنکھوں سے طیش میں بھرا مرقان کی طرف گیا۔ ایک زبردست جھٹکے میں اسکو اپنے سامنے گرا لیا اور حکم دیا ہمارے رب سے نافرمانی کرنے والے کمینے، رذیل و ذلیل مخلوق اٹھ اور اپنی غلطی کی سزا بھگتنے کے واسطے رب الایتھر کے حضور میں حاضر ہو۔

مرقان کی تمام قوتیں سلب کر لی گئیں، زبردست زنجیریں اس کے پاؤں میں ڈالدیں، اور ہر طرف سے اس پر نفرین و ملامت کے نعرے بلند ہونے لگے۔

زیرلو زیرلو زیرلو

لعنت لعنت لعنت

اور وہ اس مجسم ملعون کو دو انگلیوں میں لیکر فضائے آسمانی میں اڑا، ایک مقام پر معلق ٹھہرا اور [illegible] ہر گز [illegible] رب الایتھر کی [illegible] چنگاریاں سے خاکستر ہو جائے اس [illegible] اگر کسی [illegible] رحم کا مستحق نہیں تھا مگر اس لیے کہ تو پھر بھی تیری

سفارش پر آمادہ ہوں، گناہ کا ارتکاب تجھ سے ہو چکا، اس سے انکار اور بالخصوص ایک جلیل القدر مالک کے سامنے غلطی ہے، عفو قصور کی خواہش کر شاید سزا کی سے خفیفت ہو جائے۔

اتنا کہتے ہی داروغہ نے پھر مرقان کو پنجے میں پکڑا۔ اور اڑا کر پھر جا کر وہ ایسی جگہ پہنچا جہاں نور کے خوشنما پرنے ہوا سے آہستہ آہستہ اتر رہے تھے، اور ہر طرف ہری فرشتوں کی فوج رب الاتیہر کے جلو میں حاضر تھی۔ مرقان کے پہنچتے ہی وہی متفقہ آواز اٹھی،

زیرلو زیرلو زیرلو

لعنت لعنت لعنت

یہاں فرش زمین کی بجائے رنگ برنگ کے پھولوں کا آسمان تھا۔ داروغہ اترا اور مرقان کو کھڑا کر کے کہا۔ اس نافرمانی کا جو تجھ سے رب الاتیہر کے حضور میں سرزد ہوئی، تجھ کو کیا بدلا ملنا چاہیئے، گو تو اپنے قصور پر نادم ہے مگر کوئی وجہ نہیں کہ سزا سے محفوظ رہے۔

ٹھنڈی ہوا کے ایک جھونکے نے آسمان کی زمین کو جو جبین عروس تھی معطر کر دیا۔ اور ملائکہ دہری جو رب الاتیہر کے رازوں سے واقف تھے، اس نافرمان مرقان پر آواز بلند نفریں کرنے لگے۔

کچھ دیر غور و تامل کے بعد مرقان نے اپنی آنکھیں جو غور و خوض میں سر بصف تھیں بلند کیں۔ ہر طرف نگاہ دوڑائی، اور نہایت دلیری سے کہا۔

یقیناً میں کسی سبب جرم کا مرتکب نہیں ہوں، اس لئے کہ بچپن میں ہمیشہ اپنی ماں سے لڑ جھگڑ کر سنتا رہا اپنے دوستوں سے اور اب جوانی میں شب و روز اپنے ہم جنسوں سے اس مخلوق کا مضحکہ سنا، جو تمہارے رب الاتیہر کو مافوق الفطرۃ طاقت ازلی و ابدی بادشاہ و رب سمجھتا [illegible] یہ جس حالت میں اس بکل کا

جو رب الاتیھر سے تعبیر کیا جاتا ہے، ایک جز ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ میں اس کی پرستش کروں

سولیمیو اسٹر کیو

کرو جو کر سکتے ہو،

گنہگار، بدبخت، نمک حرام

لے جاؤ سامنے سے غارت کرو.......... پھینکدو!

(۲)

دوزخ کے ایک ادنیٰ طبقہ میں مرقان پابجولاں مقید ہے اور اس وقت کا منتظر ہے جب آفتاب برج ثور میں پہنچے۔ کیونکہ یہی وقت اس کے فیصلہ کا مقرر ہوا ہے اس کے ہم جنس دوسرے چاند اور چھوٹی قوم تارے،، نیز ملائکہ دہری باوجود تنفر کے اس کی تکلیف سے متاثر ہیں، مگر اول تو کسی کو اپنے فرض منصبی کی ادائگی سے اتنی فرصت نہیں کہ اس سے بات کرے۔ دوسرے پہاڑوں کے زبردست پہرے میں کس کی مجال تھی کہ پر مار سکتا۔ ایک دن آدہی رات کے وقت جب قمر کلاں بساط دنیا پر اچھی طرح جگمگا رہا تھا طبقہ دوزخ کے "سب پرائکٹر" نے مرقان کو باہر نکالا، اور یہ حکم سنایا۔

"اس نافرمانی کی پاداش میں جو تجھہ سے رب الاتیھر کے حضور میں سرزد ہوئی تو ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے آسمانی دنیا سے محروم کیا جاتا ہے۔

مرقان نے نہایت استقلال سے یہ فیصلہ سُنا مخلوق آسمانی میں قریب قریب ہر متنفس کو اس سے تھوڑی بہت محبت تھی اور اسی لیے جم غفیر اس فیصلے کے واسطے دوزخ کے کمپونڈ میں جمع تھا۔ حکم سنتے ہی سب سناٹے میں رہ گئے، اور اتیھر نگ کرسٹر کے چیف سکرٹری کی اجازت سے یہ تجویز ہوئی کہ ایک الوداعی ڈنر مرقان کو کل دہریہ سوسائٹی کی طرف سے دیا جائے اس اوپن ائر میٹنگ میں شاہ بلوط اور زیتون کے سرسبز شامیانے چاروں طرف نصب کیے گئے، للی اور صنوبر کے پھولوں سے

لوڈنیس کی نشست گاہ آراستہ کی گئی، حوریں چونکہ پردہ نگرتی تھیں، اسلئے ایک خاص حصہ لیڈیز آف دی سکائی کے واسطے مخصوص کردیا گیا۔ جلسہ کا وقت آیا تو لاکھوں قسم کے چاند تارے، ہزاروں دہری فرشتے اور حوریں آکر جمع ہوئے سب سے پہلے پریسیڈنٹ کے انتخاب میں اختلاف رائے ہوا، زیادہ تر ووٹس قمرکلاں کے فیور میں تھے، مگر بحث یہ تھی کہ جب پیارا مرقان ہم سے جدا ہو کر دنیا میں بھیجا جاتا ہے اور یہ میٹنگ اسی کے آنر میں ہے تو صرف اس لئے کہ زمینی دنیا کی جنس لطیف عورت ہے پریسیڈنٹ کوئی حور ہونی چاہیئے۔ اس بات کے زبان پر آتے ہی حاضرین اسی طرف کو جھک گئے اور کثرت رائے سے ایک حور کرسی صدارت پر رونق افروز ہوئی۔

مرقان کے دوستو! عزیزوں اور ہم جنسوں نے اپنے اپنے رنج و غم کا اظہار کر کے مرقان کو الوداع کہا۔ اور جب یہ رنج و غم کی اسپیچیں ختم ہو گئیں تو پریسیڈنشل ایڈریس اس طرح سے شروع ہوا۔

"ہم اپنے نوجوان دوست مرقان کو گو اس لحاظ سے ہمدردی کا مستحق نہ سمجھیں، کہ انہوں نے ہمارے خالق الموجودات کی نافرمانی کی، مگر ہمکو یقین کامل ہے کہ ہمارے محترم سیکرٹری ٹودب الاتیھر کی عنایت سے ان کی مصیبت کا زمانہ جلد ختم ہو جائے گا۔ میں نے ان سے وعدہ لے لیا ہے کہ اگر مرقان انسانی دنیا کا کوئی بہترین تحفہ ہمارے سامنے پیش کریگا تو یہ اس کے عفو قصور کے سفارشی ہونگے، چنانچہ انہوں نے میری موجودگی میں ملک الموت کو حکم دیا ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً دنیا میں مرقان کی تسلی و تشفی کرتے رہیں"

اس سے پہلے کہ ہم اپنے مرقان کو رخصت کریں، میں ان سے درخواست کرتی ہوں، کہ ہم سب من جملہ دوسری اشیاء کے انسانی دنیا کے اس تعلق سے واقف ہونے کے زیادہ مشتاق ہیں، جو مرد عورت میں قائم ہے، اور اگر مرقان صرف

اسی راز کا پتہ لگا سکے، تو وہی ہم ہوں گے، اور وہی عرفان، وہی آسمانی بادشاہت ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ انسان کیوں ہمکو نہفتہ خیال کرتا ہے؟ اور پھر تیغ پار والی ... کی ردوں کا سارا طبقہ اس کے واسطے کیوں ریزہ کر دیا گیا۔

(۳)

کوہ بلسینیا کا لامتناہی سلسلہ دور تک چلا جا رہا ہے، خودرو پھولوں پر طائران خوش الحان کی چہک اور درختوں پر فاختہ کی کوکو، مشاہدہ بینا کے واسطے عجیب سبق ہے، دریا کی لہریں، لہروں کی ترقی و تنزل، ان کی ابتدا اور انتہا، عروج و انحطاط ان کا وجود اور فنائے بے ثباتی دنیا کا پیام پہنچا رہا ہے، دامن کوہ میں ایک گاؤں آباد ہے، پانچ چھ ہزار جھونپڑیاں، بساط زمین کے اس حصہ پر موجود ہیں، یہاں کی تمام مخلوق اپنے مشاغل میں منہمک اور ضروریات زندگی کی تکمیل میں مصروف ہے، آفتاب غروب ہو چکا، پرند اپنے آشیانوں میں دبک کر بیٹھ گئے، اور زلف شب کمر تک پہنچ گئی، رات سائیں سائیں کر رہی تھی، ہر طرف سناٹا تھا اس اندھیرے گھپ میں عرفان کو صرف ایک جھونپڑی میں چراغ ٹمٹماتا دکھائی دیا، اندر پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک ضعیف العمر انسان ہائے قوم ہائے قوم کے نعرہ لگا رہا ہے اس کا اضطراب لمحہ بہ لمحہ تیز ہو رہا تھا اور قلب کی حالت اس قدر متغیر ہو جاتی تھی کہ وہ دیوانہ وار اسی عالم خیال میں سر پکڑ کر بیٹھ جاتا تھا، چند مسلمان صورتیں اس کے سامنے خاموش تھیں وہ کبھی وعظ کہتا، کبھی نصیحت کرتا، کبھی روتا، اور کبھی ہائے کے نعرے مارتا، لوگوں سے پوچھتا عزیزوں سے مشورہ لیتا کہ کس طرح قوم اس نکبت افلاس سے باہر نکلے، مرید اس کی گریہ وزاری میں ساتھ تھے، رات اس کے سامنے اسی کرب میں صبح ہو گئی اور علی الصباح یہ فدائے قوم اپنے مریدوں کی جماعت ہمراہ لیکر خلق اللہ کی اصلاح کو نکلا، سب سے پہلے وہ رئیس الدہر کے مکان پر پہنچا، مطربان خوش الحان موجود

جام تجربت نا آشنا رہا۔ انواع و اقسام کی نعمتیں میسر تھیں۔ وہ چل بسا نصیحت الغم
یہ کیفیت دیکھکر رویا۔ اور بولا۔

اے شخص اپنی حالت پر رحم کر اور اس ام الخبائث سے توبہ کر یہ وہ شے ہے جسکا ایک قطرہ اگر دریا میں گر پڑے تو پانی حرام ہو جائے۔ بدن سے چھو جائے تو کاٹکر پھینکدینے کے قابل ہو۔ خدا سے موت کو برحق سمجھ اور یاد رکھ دوزخ بھی تجھ جیسے پلیدوں سے امان مانگے گی یقیناً تیرا یہ ناپاک جسم جہنم کو نجس کرنے والا ہے ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے لیکن وہ وقت دور نہیں کہ زبان بند ہو جائے۔ ہاتھ پاؤں کام نہ دیں۔ اور توبہ کا وقت بھی ہاتھ سے نکل جائے

ولن یؤخر اللہ نفسا اذا جاء اجلها واللہ خبیر بما تعملون

چند روزہ زندگی اور اس عارضی عیش پر بھول کر تو خدا کے احکام کو بھول گیا۔ اور ابدی عذاب گوارا کیا۔ نماز روزہ جھوٹ حسد غیبت سب کی عذاب کے بعد مغفرت ہے اور ہوسکتی ہے مگر تو شرابی اور شراب کی کیونکہ اسکی عاقبت خراب کرتا ہے اگر اب بھی سچے دل سے توبہ کرلے اور آئندہ کے واسطے عہد کرلے تو توبہ کا دروازہ کھلا۔ اور اس کی رحمت کا جوش موجود ہے وہ تو ایسی پاک اور بے نیاز ذات ہے کہ تیرے سر جھکانے کی دیر ہے، تو ایک بالشت سبقت کرے وہ ایک گز آگے بڑھے خدا کے رحم و کرم اور اپنے اعمال و افعال کا خیال آتے ہی رئیس المدینہ کا نشہ ہرن ہو گیا۔ آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ اور عذاب آخرت اس کے سامنے نمودار ہو گیا چیخیں مار کر روتا رہا۔ ہرچند قلب کو تسکین دیتا تھا۔ مگر کسی طرح صبر نہ آتا تھا۔ کچھ ایسا خدا کا خوف اس کے دل پر بیٹھا کہ اسی طرح چیخیں مارتا مارتا مر گیا۔

عرفان نے صاحب کی لاش اپنے ہاتھ میں لی اور خیال کیا کہ میں ایک ادنیٰ

سی نافرمانی پر اس قدر سزا کا مستوجب ٹہیرا لیکن یہ شخص جو مسلمان ہی اور جس کا خدا پر یقین کرنا فرض ہی اس کی تمام عمر نافرمانی میں بسر ہوئی ، اس سے زیادہ تعجب انگیز شے آسمانی دنیا پر اور کیا ہو سکتی ہی، تہوڑی دور آگے بڑہا تہا کہ ایک مکان سے رونے پیٹنے کی آواز آئی، یہ بہی اپنی نوعیت میں مرقان کے واسطے انوکہا سماں تہا اندر پہنچا وہی ضعیف العمر مولانا دم توڑ رہی تہے، مرید روتے تہے اور دیواروں سے ٹکریں مارتے تہے، مرقان بڑے میاں کی عظمت اور انکی ہمدردی کا پہلے ہی قائل ہو چکا تہا۔ ادہر ان کی روح جسد خاکی سے علیحدہ ہوئی ادہر مرقان نے دوسرے ہاتہ میں اس کو بہی لیا اور روانہ ہوا،

اس سے پہلے مرقان کو اس خدمت کے انجام دینے کا اتفاق نہ ہوا تہا اور یہ پہلا موقع تہا کہ ایک چہوڑ دو دو روحیں مرقان کی مٹہیوں میں تہیں خدا معلوم ان کو چڑیاں سمجہا یا سپرٹ خیال کیا، کہ کہیں اڑ نہ جائیں اور بیٹہے بٹہائے مفت کی ندامت حاصل ہو، چاروں طرف دیکہا مسجد میں ایک بدہنی رکہی ہوئی تہی، ٹونٹی میں ڈاٹ لگا۔ دونوں روحیں اس میں بند کر لیں، اور منہ پر چینی ڈہک دی۔

رئیس کی روح بڑے میاں کی تنومند روح کو دیکہکر سہم گئی، الفربہ خواہ مخواہ مرد آدمی، بڑے میاں کی روح نے آدہی سے زیادہ جگہ بندہنے میں گہیر رکہی تہی رئیس کی روح کو جو مرقان نے اوپر سے چہوڑا تو دہڑ سے موٹی روح پر اس طرح جا پڑی جیسے بٹیر پر باز گرا، موٹی روح تاڑ تو فوراً گئی، مگر ایک ایسی غضبناک نگاہ سے دیکہا کہ دبلی روح تہرا اٹہی

موٹی روح تو اندہا ہی۔ یہ نہیں دیکہتا کہ کوئی دوسرا بہی بیٹہا ہی یا نہیں۔

دبلی روح مجہے خبر نہ تہی، للہ معاف کیجیے۔

موٹی روح اب سب خبر تجہے دوزخ میں ہو جائے گی۔

دبلی روح کیا جناب کا بہی انتقال ہو گیا۔

موٹی روح بہشت الو، ہم کہیں مرا کرتے ہیں، تجھے دوزخ تک پہنچا کر چلے آئیں گے
دبلی روح تو جناب میرے ساتھ مردوں کی طرح کیوں بند ہیں۔
موٹی روح اب بتاؤں کیوں بند ہیں، ہماری بات کا یقین نہیں کرتا، ابے ہم چھوٹے ہیں، اسلئے کہ تو بھاگ جائے، چل پاؤں دبا، اور رستے بھر ہماری خدمت کر۔
دبلی روح اگر جناب ....
موٹی روح ابے بک کیا رہا ہے، جناب، جناب، آگے تو کہہ کیا کہتا ہے۔
دبلی روح اگر جناب ....
موٹی روح لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، کیا بدتمیز شخص ہے، آگے تو بک کیا بکتا ہے۔
دبلی روح اگر جناب ....
موٹی روح اب کے ایسا تھپڑ دونگا کہ چہرہ بگڑ جائے گا، ابے مر کر بھی بدمعاشی سے باز نہیں آتا۔ اگر جناب اگر جناب بکے جاتا ہے، اگر جناب ...... کیا شراب پلا دوں۔ کیا کر دوں۔
دبلی روح جی نہیں توبہ توبہ صرف اس قدر عرض کرتا ہوں، کہ اگر جناب ...
... ...

دبلی روح کا یہ کہنا تھا، کہ موٹی روح نے اس زور سے دبلی روح کے ٹکر دی کہ کروٹ میں جا گری، مرقان اپنی دھن میں مست، بدھنی، ہتیلی پر لیے چلے جا رہے تھے، کہ بدھنی کو جنبش ہوئی۔ اور ساتھ ہی بدھنی ٹوٹ کے زمین میں، گرتے ہی چار ٹکڑے، اور دونوں روحیں جدھر جس کا منہ اٹھا سب، ہی چلیں۔
اب تو مرقان کی جان نکل گئی، کہ یہ خواہ مخواہ کیا مصیبت آئی۔ پہلے تو دونوں کو ڈانٹا، کہ ٹھہر جاؤ۔ آگے نہ بڑھنا، مگر اسے کیا معلوم کہ انسان اشرف المخلوقات

مگر جب پاس بھی نہ ٹھہری تو بے تحاشا لپکا، مگر عجیب تماشا تھا موٹی روح کی طرف دوڑتا تھا تو دبلی غائب اور دبلی کو پکڑتا تھا تو موٹی ندارد، آخر دبلی کو چھوڑ موٹی کے پیچھے ہو لیا، روح کی طاقت پرواز کتنی ہی تیز ہو، مگر مرقان بھی آدمی نہ تھا۔ جا ہی پہنچتا تھا کہ طرف۔ مگر بڑے میاں بھی اڑتے تھے، یہیں سے پر تول کر نیچے ہوئے آگے آگے وہ اور پیچھے پیچھے مرقان، سطح زمین کے قریب پہنچکر بڑے میاں تو پھر اوپر اور مرقان دھم سے زمین میں، چوٹ بھی خاصی لگی اور جلا بھی خوب، مگر بڑے میاں کہیں کے کہیں پہنچ چکے تھے۔ گر جھاڑ جھوڑ اٹھا اور پھر لپکا، مگر تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ سامنے پہاڑ آیا، اور موٹی روح بالکل ہی غائب ہو گئی، پھر پکڑ کر چوٹی پر بیٹھ گیا نہ موٹی ہی رہی نہ دبلی، رہ گئے تو فقط مرقان، آدھی رات کا سنسان وقت اور بد نصیب مرقان اپنی تقدیر پر رو رہا تھا، ادھر سے ملک الموت بھی آ پہنچے اور مرقان کو خالی دیکھ کر سر پر دو ہتڑ مارتے ہی کہنے لگے۔

روحیں کہاں ہیں؟

(مرقان سے جھجک کر) روحیں .... موجود ہیں۔

ملک الموت موجود ہیں، کہاں ہیں۔؟

مرقان .... دیتا ہوں۔

ملک الموت تو کیا جیب میں ہیں یا کھو دیں۔

مرقان ....

ملک الموت ارے کمبخت، بول تو سہی اڑ گئیں

مرقان ....

ملک الموت اجی حضرت میاں مرقان صاحب فرمایئے تو سہی کیا گزری

مرقان کیا عرض کروں جی ہاں اڑ گئیں۔

یہ سنتے ہی ملک الموت تو بہت ڈر گئے اور دونوں کی جانیں [illegible]
لی گیا ہی کو اپنے گھر کے کوٹھے پر کیا بیٹھی تھی [illegible] مگر جونہی [illegible]
یہ ملک موت [illegible] کچھ دن کے بعد [illegible]
[illegible] بڑے میاں [illegible] ہوئے ہیں [illegible]
آسمان پر چلے اور مرقان [illegible] ساتھ۔

انسان کو ملک الموت کو رحم آئے کبھی [illegible] عجیب پیرا کر
مرقان کی [illegible] ملک الموت نے قریب پہنچ کر [illegible]
ہاتھ میں [illegible] اور مرقان نے [illegible] کے پاس [illegible] انسانی [illegible]
یہ [illegible] کیا [illegible] کو بہت [illegible]

مرقان [illegible] تو [illegible]
[illegible] انسانی دنیا [illegible]
[illegible]
[illegible] اور [illegible] مرقان [illegible]
[illegible] مولانا کی [illegible]
[illegible]

یہ گنہگار روح اس ظالم شخص کی ہے جس نے بادشاہ بنکر خلق اللہ کو گمراہ کیا
[illegible] کی محبت [illegible] گمراہ اور اس
کا [illegible] فریب تھا ان تمام باتوں کی تہ میں شہرت اس کا مقصود اور [illegible]
اس کا [illegible] تھی اس نے نہایت بیدردی سے [illegible] اپنے نفس کے [illegible]
غریبوں کے [illegible] کاٹے مسجدوں مدرسوں یتیموں اور [illegible] کے نام
[illegible] روپیہ اڑایا اور دین کی جائداد [illegible] مکان بنوائے ہمیشہ عیوب کی

تلاش اور برائیوں کا پرچول اس کا وطیرہ رہا۔ اس نے سنت رسول کے نام سے عمر بھر بکی کئے اور اس کی زندگی کا سب سے بدتر کارنامہ جو آخری عمر میں اس کے سیاہ دامن پر کلنک کا ٹیکہ ہر اس طرح شروع ہوتا ہی۔

صبح کی چھوٹی نماز سے فارغ ہوکر یہ کم بخت ایک روز صحن مسجد میں اس توقع پر ٹہل رہا تھا، کہ کوئی نیا شکار آکر پھنسے کہ دفعۃً ایک حسین عورت آتی ہوئی دکھائی دی بدنصیب تھی مگر خنص، پریشان تھی لیکن سچی، انتہائے مصائب نے اس کے مزاج میں توحش پیدا کردیا تھا، اور مفارقت حبیب قریب تھا کہ اس کی دیوانگی کا باعث ہوجائے، متمول رئیس کی بیٹی تھی، مگر تقدیر کی ہیٹی، شوہر کی موت نے آنکھوں میں دنیا اندھیر کردی، دن کا بڑا حصہ مطالعہ کائنات اور رات کا اکثر وقت یاد دلدار میں بسر کردیتی، پہلو میں غیور دل اور دماغ میں نفیس خیالات موجود تھے، سمجھتی تھی کہ یہ تعلقات فانی، یہ ہستی ناپائدار اور یہ محبت جھوٹی ہو، مگر انسان تھی، قلب مضطرب میں مادہ احساس موجود تھا اور شوہر مہجور کے خیال کا پاس لازمی، زندگی کی کٹھن منزلیں، اور جوانی کا پرآشوب زمانہ آنکھ کے سامنے تھا۔ کچا ساتھ تھا، اور گو زر و جواہر کی کمی نہ تھی مگر ایک معصوم بچہ کے سوا کوئی والی وارث نہ تھا، ڈرتی تھی، کہ کہیں قدم نہ ڈگمگا جائے، اور میدان حشر کی اس گھڑی میں جب شوہر سے آمنا سامنا ہو، شرمندہ کھڑی ہوں۔ آنکھ لگ جاتی تو ان ہی تفکرات میں سوتی، اور اٹھ بیٹھتی، تو ان ہی خیالات میں منہمک رہتی، ساری ساری رات اور پورے پورے دن خوف خدا سے تھراتی، لرزتی اور کانپتی، جب دل کی حالت زیادہ خراب ہوئی، تو قصد کیا کہ بچہ کو ساتھ لوں اور بیت اللہ چلی جاؤں مکہ معظمہ کا وسیع میدان میرا مسکن، اور مدینہ منورہ کی مقدس گلیاں میرا نشیمن ہوگا۔ شوہر کا خیال، میرا لال میرے پاس ہوگا، اللہ اللہ کروں گی، اور اس وقت کی منتظر رہوں گی جب شوہر کی اس امانت کو کلیجے کے ٹکڑے کو زندہ چھوڑ کر، خدا کے حضور میں

حاضر ہوکر اپنے محبوب سے ملوں، بچہ کو کلیجے سے لگائے، ان ہی خیالات میں غلطاں پیچاں صبح سے شام تک جنگلوں میں ماری ماری پھرتی، خدا کی شان تھی جس بی بی کے گھر پر ہاتھی جھوم رہے تھے، کڑکڑاتے جاڑوں میں آفتاب اس کے جسم کو سردی سے محفوظ کرتا، غروب آفتاب کے بعد رات کو آتی، اور محلسرا کے کسی گوشہ میں پڑ رہتی، موذن اذان دیتا۔ چڑیاں مخلوق خدا کو صبح کا پیام پہنچاتیں اور اچھی بیوی کی یہ سچی تصویر دولت لٹے جواہرات پر لات مارا پنی بیش بہا دولت کو گود میں لے نکل کھڑی ہوتی۔ ایک وزیر اس کا گذر اتفاق سے اس طرف ہوا۔ ظالم مولانا مدت سے تاک میں تھا۔ دیکھتے ہی منہ میں پانی بھر آیا، دیوانہ وار لپکا۔ اور سلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہکر مسجد میں لے آیا، کیسا نازک وقت تھا۔ کہ ایک طمع دنیا کا بندہ، حرص دولت میں اندھا۔ ایک بھولی بدنصیب لڑکی کو شیشہ میں اُتار رہا تھا۔ جانتا تھا کہ اگر لڑکا زندہ رہا تو میرا افسوں بیکار ہوگا، حصول مقصد کے تمام ذرائع بتا کر جب سنگدل اس مضمون پر پہنچا تو آسمان کے تمام فرشتے تھرا اُٹھے۔

"خدا نے اپنے پاک بندوں پر محض انکی آزمائش کے واسطے مصیبتیں نازل کیں رسول اللہ نے ہمیشہ فاقے کیے۔ حضرت یعقوب سے یوسف کو چھڑوا کر اندھا کر دیا حضرت ابراہیم کو نمرود کے ہاتھوں آگ میں پھکوایا، حضرت اسمٰعیل کو پیدا ہوتے ہی لق ودق میدان میں بے آب ودانہ چھوڑ دیا۔ حضرت ایوب کے تمام جسم میں کیڑے ڈالدیئے، اور حضرت ابراہیم سے اسمٰعیل کو ذبح کروایا۔ یہ ہی پیغمبری کی اصلی نشانیاں ہیں، اور اگر تو خدا کی مرضی حاصل کرنا چاہتی ہے تو اس بچے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر، اور خدا پر قربان کردے۔

ذبح کا نام آتے ہی ماہتا کی ماری ماں نے بچہ کو جو کلیجے سے لگا دودھ پی رہا تھا

سے سینے سے چمٹا لیا اور ششدر مولانا کی صورت دیکھنے لگی۔

مولانا۔ اگر منت ہے تو بسم اللہ کر میں تیرا ہاتھ بٹا لونگا، خدا کی خدا خدائی آسان نہیں ہے، یہ دنیاداروں کے واسطے یہ مصیبت ہے مگر اس کی ترسانی کی بات ہے اور دنیا میں شوہر بھی ملے، بچہ بھی ملے، اور ہمیشہ ہمیشہ کو جیتا رہ۔

عورت۔ اب عالم دین تمام شہر آپ کا مرید ہے۔ آپ جو فرماتے ہیں، درست ہے مگر میرا دل نہیں مانتا، جس طرح گزرے گی گذار لوں گی۔

مولانا۔ کیوں تم لوگ دنیا کے جھوٹے ڈھکوسلوں میں پھنستے ہو، اور خدا کو بھول کر ابدی عذاب مول لیتے ہو۔ وہ عذاب جس سے چھٹکارا نہیں، وہ مصیبت جس کا خاتمہ نہیں، اور وہ تکلیف جس کا علاج نہیں، اگر یہ بچہ خود خدا نے لے لیا تو تو کیا کر لیگی۔ جب تمہاری موت اس کے اختیار میں ہے تو خود ہی کیوں نہ حاضر کر دے کہ دونوں جہان میں عزت آبرو سے بسر ہوئے اور آسمان کی تمام روحیں تیرے آستانہ کو پہنچ ہو لیا۔

عورت .... (خاموش)!

مولانا۔ لا! بچہ مجھے دے، اور خدا کی قدرت دیکھ۔

عورت نے جوش میں آ کر اپنی خامیہ سمجھ کر خدا کی رضامندی کی امید میں اس زبردست قربانی پر آمادہ کرتی تھی، مگر جب بچہ کی محبت کا جوش آتا تھا تو بیتاب ہو جاتی تھی، آخر اس نے چند لمحہ کی دہشت والی حجرہ میں گئی، بچہ کو اٹھا کر پیار کیا، اس کے ننھے ننھے ہاتھ اپنے گلے میں ڈالے اور کہنے لگی، نہیں نہیں میں کس دل سے اپنے بچہ کو ذبح کروادوں مجھے اس خیال سے میرا کلیجہ نکلا جا رہا ہے۔ حسرت نصیب بچہ ٹکر ٹکر ماں کی صورت پر ٹکٹکی لگائے دیکھ رہا تھا، اور اس معصوم کی نگاہیں ان سے التجا کر رہی تھیں کہ مجھکو ظالم کے ظلم سے بچا۔ کلیجہ سے چمٹائے باہر آئی، اور رو کر کہا۔

،، جھنجھوڑ نہیں ،،

مولانا :- اری بدنصیب تجکو صرف شیطان بہکا رہا ہے، جس نے حضرت بی بی
بہکایا تھا، تین دفعہ جلد لاحول پڑھ اور بچہ مجھے دے ...... مولانا نے بڑھ کر
بچہ گھسیٹ لیا، بچہ رویا تو ممتا کی ماری ماں کا کلیجہ نکل پڑا، بیقرار ہوکر آئی، بچہ کو
لینا چاہتی تھی، مگر ظالم مولانا نے تیز چھری نکالی،

بولو دغاباز انسان بتا، کہ کیا گذری ہوگی، اس ماں کے دل پر جب تو نے
جھٹکا دیا اور اس کے کلیجے کا ٹکڑا زمین پر ڈالکر اس کی آنکھوں کے سامنے دوبارہ
چھری اس کے گلے پر رکھدی۔

مرقان ہم تمام فرشتے آسمان سے اس واقعہ کو دیکھ رہے تھے ہمارے دل
معصوم لال پر کٹ گئے، مگر اس ظالم کا دل نہ پسیجا، بدنصیب ماں کی نگاہ اپنے
لال کے چہرے پر تھی، وہ اب بالکل ساکت ہوگئی تھی، کہ اس شقی القلب نے چھری
پھیر دی، خون کی دھار زور سے نکلا، ممتا کا جوش اٹھا، اور جن چھاتیوں سے
دودھ نکلتا تھا، ان سے بھی خون کا فوارہ چھوٹا، ایک چیخ مارکر بچہ کی لاش پر گری
اور ٹھنڈی ہوگئی،

مرقان یہ ہے وہ روح جس سے بہتر روح تجھکو دنیا میں مل سکی۔ اپنے زمانہ کی
رشی کے حالات میں جس کو تو بدترین خیال کر رہا تھا اور انسانی خصائل کا اندازہ کر
اس شخص کی عمر کا قریب قریب تمام حصہ مے خواری اور بدنگری میں بسر ہوا
اور وہ چیز جو قطعاً حرام کر دی گئی تھی، اس نے مطلق اس سے پرہیز نہ کیا۔ مگر اس کے
دل میں خدا کا خوف ہمیشہ جاگزیں رہا، اور خلق اللہ کی خدمت سے اس نے کبھی پہلو تہی
نہ کی، شام کو جس وقت نوجوان بن ٹھن کر، اور ضعیف العمر اپنی ضرورتوں کے واسطے
بازاروں میں نکلتے، تو یہ اس تلاش میں پھرتا، کہ اس مخلوق کا پتہ لگائے

جس پر آنے والی رات فاقہ کی مصیبت ڈالے گی، یہ کیچڑ میں لتھڑے پتھڑے یتیم بچوں کو گود میں اُٹھاتا اور ان کے گھر پوچھتا، رانڈوں اور دکھیاری عورتوں کے گھر معلوم کرتا، اپاہجوں مظلوموں، بے کسوں کے حالات دریافت کرتا۔ اور اسی طرح روزانہ ہر محلہ میں جاتا اور شام تک رہتا، رات کو جب خدا کی دی ہوئی نعمت انواع واقسام کے کھانے اس کے سامنے آتے، تو ان میں سے تین حصّہ اُٹھا لیتا، اور ایک حصّہ چھوڑ دیتا۔ یہ تین حصّے اور روپیہ پیسہ کی پڑیاں لے کر اب ان دروازوں اور گھروں پر پہنچتا۔ جن کا حال معلوم کر چکا ہو۔ وہاں جا کر ان مظلوموں کے ساتھ روتا اور منت سے جو کچھ پاس ہوتا پیش کرتا۔ بیسیوں یتیم روزانہ اس کے ہاتھ سے پیٹ بھر تے اور بہت سی رانڈیں اس کی بدولت اطمینان سے سوتیں، اپاہج اس کے نام پر عاشق اور بیمار و ناتواں سچے دل سے اسکو دعائیں دیتے، رات کو یہ شخص اپنے گھر پر آکر کھانا کھاتا، شراب پیتا، اور اسی حالت سکر میں روتا گڑگڑاتا سجدہ میں گر پڑتا،، اس کی زندگی کا سب سے اہم واقعہ یہ ہے۔

" ایک روز اسی طرح رات کو یہ شخص اپنے گھر واپس آرہا تھا، کہ ایک ٹوٹے ہوئے مکان میں سے اس نے رونے کی آواز سنی، آسمان ابر آلود ہی نہیں، بارش خاصی ہو رہی تھی بجلی تھم تھم کر اور بادل رُک رُک کر چمک اور گرج رہے تھے، مکان کا صرف ایک کواڑ تھا، اور ہوا کی شدت سے اس کی ڈھڑ ڈھڑ ایک بیوہ عورت کا جو اپنی پانچ برس کی بچّی کو لیئے بیٹھی تھی، کلیجہ دہلا رہی تھی، رات آدھی سے زیادہ گذر چکی تھی، اور قریب قریب بساط دنیا کا ہر متنفس نیند کی لپیٹ میں آچکا تھا مگر جاگ رہی تھیں تو یہ دو ماں بیٹیاں جن کے سر پر کوئی وارث تو در کنار، دنیا میں کوئی اتنا نہ تھا کہ ان کے حال پر دو آنسو گرائے، لڑکی بچہ تھی، ماں کا دل اس وقت پوا ہو رہا تھا، اور ڈر کے مارے جان نکلی جاتی تھی۔ ایک کواڑ وہ بھی

بے اَنْدِی کی، ڈرتی تھی، گھبراتی تھی، تڑپتی تھی، اور روتی تھی، ہم ہم کر صحن میں آ جاتی تھی ذرا سا کھٹکا ہوتا تو کلیجہ بلیوں اچھلنے لگتا تھا۔ یہ شخص کچھ دیر وہاں کھڑا رہا اور جب بچی کی گریہ و زاری کسی طرح ختم نہ ہوئی، تو اس نے دل کڑا کر کے باواز بلند کہا۔

"دروازہ پر تشریف لائیے"

اتنا سنتے ہی بیچاری کی جان نکل گئی، وہ تھر تھر کانپنے لگی، اور گھبرا کر پوچھا،

"کون ہے"

شخص "ایک لمحہ کے واسطے یہاں آئیے"، عورت کی روح فنا ہو رہی تھی وہ جانتی تھی، کہ خدائے پاک کی ذات کے سوا اس وقت دنیا والوں میں سے کوئی ایسا نہیں جو مجھ کو اس ظالم سے بچا سکے، نہ معلوم کون ہے چور ہے ڈاکو ہے کیوں آیا ہے کیا غرض ہے، محلہ کے آدمیوں کو چیخ کر آواز دی، مگر رات کا وقت بارش موسلا دھار کون سنتا تھا، اور کیا ہو سکتا تھا مجبور دروازے تک آئی اور کہا، کون ہے کیا ہے۔

شخص اگر اس گھر میں کوئی مرد نہیں ہے، تو میں تمہارا بھائی ہوں، ایک بچہ اتنی دیر سے رو رہا ہے، اگر میرا فانی جسم جو ایک روز اس قابل ہو جائے گا کہ کیڑے کھائیں اس بچہ کو کچھ مدد دے سکے، میرے ہاتھ پاؤں اگر اس معصوم کے دکھ کو رفع کر سکیں، اور میں روسیہ گنہگار تمہارے کچھ کام آ سکوں، تو اے بہن مجھ کو حکم دے کہ میں تعمیل کروں، میں چور نہیں ہوں تم ہراساں نہ کرو، بدمعاش نہیں ہوں مطمئن رہو، خدا کی نافرمانی کے واسطے زندہ ہوں، اگر تم مجھ سے کچھ خدمت لو، تو مجھ سے زیادہ خوش نصیب شخص کون ہوگا۔

عورت ششدر تھی، کہ یہ کون شخص ہے اور کیا کہہ رہا ہے، مہینہ زور سے

پڑ رہا تھا، اور دونو کپڑے بھیگ رہے تھے۔ کچھہ دیر تک وہ خاموش رہی اور پھر کہا نہیں ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت نہیں۔ آپکا احسان ہے آپ جائیے!

عورت کا فقرہ ختم نہ ہوا تھا۔ کہ اندر سے بچی نے نہایت درد سے رو کر کہا،

"اماں میری چوڑیاں آ گئیں"

شخص آپ میری طرف سے مطمئن رہیں، اس وقت دنیا عالم خواب میں ہے مگر ایک زبردست طاقت والا مالک میرے دل کی کیفیت سے واقف اور میری حالت کو دیکھہ رہا ہے، میں اس آدہی رات کے وقت میں اسی کو گواہ کرتا ہوں کہ میں دھوکا نہ دونگا۔ تم میری بہن ہو، جو امکان میں ہے، وہ مدد دونگا۔ خدارا یہ بتا دو کہ بچی کیسی چوڑیاں مانگ رہی ہے؟

عورت ہماری داستان مصیبت تمہارا دل دہلا دے گی، ہم تمہاری عنایت کے شکر گزار ہیں، بھائی جاؤ! اپنا کام کرو، مینہ پڑ رہا ہے، مفت میں بھیگ رہے ہو، خدا تم کو خوش رکھے۔

شخص بہن میں نے تم کو ابھی خدا کا واسطہ دیا ہے، اور پھر دیتا ہوں کہ مجھہ پر بھروسہ کرو اور للہ مجکو اپنے درد میں شریک کرو۔

عورت اگر تم سچے ہو اور مجھہ دکھیاری بیوہ اور اس یتیم بچی کے ہمدرد، اور مجھہ جیسی عورت کو جو سچ مچ مصیبتوں کی پوٹ ہے دھوکا نہیں دیتے، تو شوق سے اندر آجاؤ مگر یاد رکھنا۔ انسانی دنیا مصیبتوں کا پہاڑ مجھہ پر توڑ چکی ہے، اب نئی مصیبت تمہارے سامنے میرا خاتمہ کردے گی، اور اس ننھی سی جان کا خون تمہاری جان پر ہوگا آؤ اندر آجاؤ۔

عورت نے ایک چادر سر پر اوڑھ لی، مٹی کا ایک چراغ ٹمٹما رہا، اس شخص کے زیادہ اصرار سے اس نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور کہا!۔

میں نام تو نہ بتاؤں گی۔ مگر ایسے شوہر کی بیوی ہوں، جس کے دسترخوان سے
سینکڑوں اللہ کے بندے روزانہ پیٹ بھرتے تھے۔ لیکن جب تقدیر نے پلٹا کھایا
اور موت میرے شوہر کو مجھ سے جدا کر گئی۔ تو یہ بچی جو آج پانچ سال کی ہے، دوسرے
برس میں تھی۔ اثاثہ ہمارے پاس کافی تھا۔ مگر لوگوں نے ہم سے بے ایمانی کی اور
ہمارا مال غصب کر لیا۔ مفلسی میں عزیزوں نے ہم سے آنکھیں پھیر لیں۔ کچھ عرصہ
تک زیور سے کام چلایا۔ مگر وہ بھی کب تک چلتا۔ ختم ہوا۔ تو میں نے اپنے ہاتھ پاؤں
سے کام لیا۔ دن بھر تو پیالے سیتی ہوں۔ اور جو کچھ خدا دیتا ہے کھا لیتی ہوں۔ اور اس
بچی کو کھلا دیتی ہوں۔ میرے بنے ہوئے زمانہ کی ایک بڑھیا ماما کبھی کبھار آجاتی
تھی۔ میں نے اس سے التجا کی، کہ وہ میرے پاس سو رہا کرے۔ اس نے میری
درخواست منظور کی اور میری تنہا راتیں اس کے ساتھ بسر ہونے لگیں۔ اور میرا غم اس کی
بدولت غلط ہونا شروع ہو گیا۔ آج صبح کو بڑھیا اپنے ایک پہلوان بیٹے کو لیکر آئی
اور کہا چار روپیہ مہینہ کے حساب سے پانچ مہینے رات کے سونے کی تنخواہ بیس روپے دیدو
میں حیران تھی، کہ میں نے یہ وعدہ کبھی نہیں کیا۔ مگر اس کے لڑکے نے غل مچانا شروع
کیا اور کہا میں گھر میں گھس کر برتن بھانڈے اٹھا لیتا ہوں۔ محلہ والے جمع ہوئے
میں نے بڑی بی کے سونے کا اقرار کیا۔ اور سب نے ملکر دس روپیہ پر فیصلہ کر دیا۔ بھائی
اب ہمارے ہاں تانبہ کا برتن کوئی نہیں۔ البتہ چند مٹی کے برتن موجود ہیں۔ مگر
اس بچی کے پاؤں کی چار چوڑیاں بڑی بڑی مصیبتوں اور سخت تکلیفوں میں بچا کر
رکھی تھیں۔ وہ بڑی بی نے زبردستی اس کے پاؤں سے اتار لیں۔ بچی سب لوگوں کا
منہ دیکھتی رہی۔ اور وہ چوڑیاں جو میں نے کئی روپیہ کی بنوائی تھیں پڑوس کے ایک
شخص نے دس روپے دیکر لے لیں۔ یہ بچی ہے بہتیرا سمجھاتی ہوں نہیں بہلتی۔
یہاں تک پہنچکر عورت کا دل بھر آیا۔ اس کی آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے

مگر ضبط کیا، اور خاموش ہوگئی، بچی سوگئی، مگر دفعۃً چونکی اور اٹھ بیٹھی ایک غیر شخص کو دیکھتے ہی فوراً کہنے لگی،

اماں میری چوڑیاں لائے ہیں

موذن اذان دے رہا تھا، کہ یہ شخص اس آدمی کا پتہ پوچھکر جس نے چوڑیاں لی تھیں روانہ ہوا، دیکھا تو وہ نماز کے واسطے بمشکل راضی تھے بہت منت سے کہا۔

" دس روپے لیجئے اور وہ چوڑیاں دیدیجئے"

نمازی صاف انکار کر گیا، اور بمشکل پندرہ روپیہ پر چوڑیاں دینے کو رضامند ہوا۔ ... بی بی نے جسوقت وہ چوڑیاں اس بچی کو پہنائیں ہیں اور اس نے اچھل کر کہا ہے

" اے بی اماں میری چوڑیاں آگئیں "

اس کی قیمت تمام انسانی دنیا بھی نہیں ہے، مرتفان یہ بہترین روح ہے، جو خدا کے ... سے ڈر کر مری۔

کمبخت مرے کم بخت مولینا، تو جس نے جوانی میں مدتوں ڈاڑھی منڈوائی اور ایک نماز بھی سچی نہ پڑھی۔ تجھ کو کیا حق تھا۔ کہ وہ عورت کے اس فعل پر اعتراض کرے، جو حقوق العباد میں شامل نہیں ہے۔

گرسنہ خوری طعنہ مزن مستاں را　　گر توبہ دہد توبہ کنم یزداں را

تو فخر کنی کہ من مے نہ خورم　　صد کار کنی کہ مے غلام است آں را

مرتفان کی یہ کوشش بیکار رہی، جاؤ پھر تلاش کرو، اور انسانی دنیا کا ایک ایسا تحفہ لاؤ، جو تمہارے عفو قصور کا باعث ہو سکے۔

(۴)

تاج گنج سے تھوڑی دور ایک آراستہ پیراستہ عالیشان محلسرا آسمان سے کھڑی باتیں کر رہی ہے جمنا کی لہریں، باد صرصر کی اٹکھیلیوں سے مدہوش ہو کر جہاں

جھوم جھوم کر دوش ا حسینہ بانو پر قربان ہوتی ہے۔ وہاں ایک سرسبز گھاس کے تختہ
پر جو والدین کی سیر رات کا ابتدائی حصہ ہے۔ مگر چاند کی روشنی کلسر کے باغ باغ سا
سرو کے درخت سے چھن چھن کر ایک اپنا نور سے چہرہ پر پڑ رہی ہے۔ یہ ایک چودہ برس کی
ایک بھولی نا تجربہ کار لڑکی ہے۔ اس کے کپڑے معمولی بلکہ میلے، اسکا جسم زیور
آرائش ظاہری سے نا آشنا، مگر حسن کہیں ہی ہے، لیکن ایک جوان حنا حنا جسکے
عطر کی لپٹوں اور پھولوں کی مہک نے باغ کو بھی مات کر دیا۔ اس کے پاؤں پر
سر رکھے رو رہا ہے۔ یہ حالت چند لمحہ طاری رہی، اور اس کے بعد اس لڑکی نے ایک
ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔

بھائی اکرم! خدا کے واسطے اٹھو تو سہی بتاؤ میں کیا کروں، دیکھو کتنی دیر
آئے ہوئے ہو گئی۔ اگر کہیں ابا جان پوچھ بیٹھے، تو کیا ہو گا۔ بس تم جاؤ اب نو بج
رہے ہیں ان کے آنے کا وقت ہے میں جاتی ہوں۔

اکرم (میری چچا زاد بہن) للہ میرا قول لو، اور اپنے ہاتھ سے میرے کلیجہ میں بھونک
دو۔ ہائے کیا کروں، دنیا مر رہی ہے مجھے موت نہیں آتی حسینہ میں کچھ نہیں
جانتا ہوں صرف اس عورت کی پرستش کرونگا۔

حسینہ بھائی! آؤ بتاؤ میں کیا کروں ہم کس غضب میں پھنس گئی، میں یہ
پرستش ورستش کیا جانوں، تم سر اٹھاؤ، دیکھو گڑ گڑ ہو رہی ہے۔ ابا جان کی گاڑی
آگئی، اچھے بھائی اکرم سر اٹھاؤ!

اکرم تم نے جہاں اتنا رحم کیا ہے وہاں اتنا رحم اور کرو کہ رات کو جب سب
سو جائیں تو چند لمحہ کے لیے اس چہرہ کی زیارت پھر کرا دینا۔ ورنہ علی الصباح تم میری
لاش یہاں پڑی ہوئی دیکھو گی۔ دیکھو یہ سنکھیا میں کئی دن سے جیب میں ڈالے پھر رہا
ہوں مجھے دین دنیا کا ہوش نہیں میری حالت ساعت بساعت ردی ہوتی جا رہی ہے

آج چار روز سے میں نے کھانے کی طرف آنکھہ اُٹھاکر نہیں دیکھا، کسی سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا، پلاس سے پلک جھپکانی حرام ہے، بس تمہاری یاد تمہارا خیال اور تمہاری تصویر ہو۔ حسینہ! مجھپر رحم کرو۔ اس صورت پر قربان ہوں گا۔ بس نہیں چلتا کہ یہ ٹکڑا کلیجہ میں رکھہ لوں، مجھے کیا خبر تھی، کہ بچپن کی وہ بھولی بھولی باتیں جوانی میں مجھپر یہ ستم ڈھائیں گی، اور میں صرف اسی کام کا رہ جاؤنگا، کہ حسینہ کو سامنے بٹھاکر اس کی عبادت کروں۔

حسینہ رات کا میرا آنا تو بہت مشکل ہو۔ اگر ذرا سا کھٹکا بھی ہو گیا، اور کسی کو خبر ہو گئی تو کیا ہو گا، تم وہیں چل کر سو رہو، اماں جان کہہ رہی تھیں، کہ اکرم کا جی خبر نہیں اب کیسا ہو، دو دن سے نہیں آئے۔

اکرم نہیں نہیں! بہن! بس تم اتنا رحم کرو، اگر تمکو میری اس حالت سے ہمدردی ہو اور مجھہ کو زندہ دیکھنا چاہتی ہو، تو جس طرح ہو، ایک دفعہ صورت دکھا جانا، ورنہ یہ لاش صبح تک اسی جگہہ تمہارے انتظار میں پڑی ہوئی ملے گی۔

حسینہ اکرم بھائی! میری عقل کام نہیں کرتی، کہ کیا کروں۔ اے ہے! پیچھے گاڑی آگئی میں جا رہی ہوں۔

(۵)

ناموَر سردار حاتم بے کا تیسرا اور سب سے چھوٹا لڑکا طلعت بے جس کے حسن کا سکہ تمام ملک میں بیٹھا ہوا ہو۔ ایک قہوہ خانہ کے پاس گھاس کے ایک سرسبز قطعہ پر خاموش بیٹھا ہوا ایک مشہور قحبہ کی لڑکی منیرہ سے جس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی باتیں کر رہا تھا۔

طلعت منیرہ! میری رائے میں اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی، ایک عورت کو کسی مرد کی بیوی بننے سے جو حق حاصل ہوتے ہیں، میں نہایت خلوص سے

ان سب کا تہِ دل سے وعدہ کرتا ہوں، اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی یقین دلاتا ہوں کہ میں باقاعدہ طور پر کسی دوسری عورت کا شوہر زندگی بھر نہیں ہو سکتا۔ مگر میں مجبور ہوں اپنے باپ کے حکم اور لاچار اپنی ماں کے اصرار سے کہ وہ باوجود سخت کوشش کے رضامند نہ ہوئے، اور اسی تحریک کا نتیجہ ہے کہ میں قطعاً غیر متوقع اتنی دور دراز جگہ بھیجا جا رہا ہوں۔ فرنی سب کوششوں کا نتیجہ ایسا نہ تھا، کہ اس کی شرکت کے واسطے مجھ کو حکم دیا جاتا۔

منیرہ اس خیال کے دہرانے کی چنداں ضرورت نہیں معلوم ہوتی، تم باوجود اس حیثیت کے کہ میں تمکو پسند کرتی ہوں مجھسے یہ توقع نہیں کر سکتے کہ میں تمہارے ناجائز مطالبات پر دم بھر کے واسطے بھی غور کروں، مجھکو اپنے جذبات اپنی خواہشوں اور اپنی ضروریات کا قتل کر دینا بہت مناسب معلوم ہوتا ہے، بمقابلہ اس کے کہ میں اپنے باپ کی شہرت پر بٹہ لگاؤں۔ تم نے آج پھر وہی گفتگو کر کے میرے خیالات کو تکلیف پہنچائی۔

طلعت منیرہ! میں ایک عرصہ دراز کے واسطے تم سے اب جدا ہو رہا ہوں یہ رات اس سے پہلے کہ آفتاب کا استقبال کرے، مجھ کو تم سے کوسوں دور کردیگی یہ تھا وہ خیال جو اس نازک وقت میں برسوں کے ارمان کو زبان پر لے آیا۔

منیرہ نہیں، اگر تم کو میری دل آزاری کا خیال ہوتا، تو یہ تجویز زبان پر دوبارہ نہ آتی، میں تمہارے مقابلہ میں ایک غریب باپ کی بیٹی اور کم حیثیت انسان ہوں، مگر اعزاز انسانیت کا معیار نہیں۔ یقیناً میں تمہارے خیالات کی اسقدر دل آزاری کبھی جائز نہ سمجھ سکتی خیر مضی ما مضی، تمہاری ٹرین ٹھیک تین بجکر بیس منٹ پر روانہ ہوتی ہے، اور مجھے امید نہیں کہ میں اس وقت اسٹیشن پر پہنچ سکوں۔

طلعت اس وقت تمہارا آنا مناسب بھی نہ ہوگا کیونکہ بہت سے ایسے لوگ اسٹیشن پر موجود ہوں گے جن کی نگاہوں میں تمہاری موجودگی باوقعت نہو۔

مغیرہ میں خود سمجھ سکتی ہوں۔

طلعت اچھا مجھے اب چلنا چاہئے، گیارہ بج چکے ہیں۔

مغیرہ مجھے تمہارے روکنے کا ایسی حالت میں کہ تم جانا چاہتے ہو کوئی حق نہیں ہے

طلعت (ہاتھ بڑھا کر) خدا حافظ!

مغیرہ اچھا اگر تمہاری یہی خوشی ہے، تو خدا حافظ۔

(۲)

قرقاش کے وسیع میدان میں ہزارہا بندگان خدا دونو طرف سے اپنے وطن پر جانیں قربان کرنے کو موجود ہیں، آفتاب کے نکلتے ہی سنگینوں کی چمک نے تمام میدان کو جگمگا دیا، دشمن کی تعداد کتنی ہی کم کیوں نہ تھی، مگر وطن کا جوش ایسا نہ تھا، کہ سلطنت آسانی سے کامیاب ہو جاتی، دفعتہ اُن کے کمانڈر نے ایک موثر تقریر کے بعد حملہ کا حکم دیا، سلطنت نے بھی اس وقت خوب داد شجاعت دی، دن بھر خون ریز جنگ جاری رہی، یہاں تک کہ آفتاب کی تیز شعائیں دھیمی پڑ گئیں اور جب اس پر بھی لڑائی ختم نہ ہوئی، آفتاب آنکھ سے اوجھل ہو گیا، تو طلعت بے نے بے جگری سے چار پانچ زبردست حملے دشمن پر کیے، اور اس کا خیال تھا کہ اب اندھیرے میں آخر حملہ دشمن کے پاؤں اُکھاڑ دے گا، مگر ایک شخص نے مقابل میں آکر تلوار کا ایک ایسا ہاتھ مارا کہ طلعت کے سخت زخم آیا، اور وہ اسی حالت میں بے ہوش ہو کر گھوڑے سے گر پڑا، رات زیادہ آگئی تھی، معرکہ دوسرے روز کے واسطے ختم ہوا، اور طلعت بے اسی میدان میں بے ہوش پڑا تھا، کہ ایک سپاہی اسکو اُٹھا کر راتوں رات کہیں کا کہیں پہنچ گیا، زخموں کی حالت روز

بروز خراب ہوتی رہی تھی، مشہور ڈاکٹر علاج میں سرگرمی سے مصروف تھے، مگر افاقہ کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ دماغ پر ایسا سخت صدمہ پہنچا تھا، کہ بسا اوقات اسکی باتیں مجنونانہ اور اس کی حرکتیں دیوانہ وار ہوتی تھیں۔ بالآخر اس لازم سپاہی کو بھی مایوسی ہوئی، اور اس نے سمجھہ لیا کہ اب طلعت کی حالت روبہ صحت نہیں ہوسکتی تدیمی نمک خوار تھا، اور جو مال و متاع پاس تھا، وہ سب ختم کرچکا اور اب صرف اس قدر باقی رہ گیا کہ دونو وطن پہنچ سکیں، مگر راستہ کی زحمت اور مسافرت کی تکان ایسا خطرناک سماں آنکھہ کے سامنے تھا کہ ہمت نہ پڑتی تھی گو ڈاکٹروں کی رائے میں ابھی مایوسی کے آثار موجود نہ ہوئے تھے، مگر سپاہی کی ہمت بالکل ٹوٹ چکی تھی، بالآخر اس نے مصمم عزم کیا، کہ علی الصباح طلعت کو لیکر روانہ ہو جائے، لیکن رات ہی کو یہ خبر تمام شہر میں مشہور ہوگئی، کہ دشمن کا قبضہ دریائے میلٹ پر ہوگیا، اور تمام رستے بند ہوگئے۔ مجبور قصد فسخ کرنا پڑا، اور وہ روپیہ جو سفر کے واسطے رکھا گیا تھا، پھر تیمارداری میں صرف ہونا شروع ہوا۔ اس مرتبہ بھی دماغ کی حالت اصلاح پر نہ آئی۔ اور ساتھ ہی بخار کا ایسا زبردست حملہ ہوا کہ سپاہی کے رہے سہے ہوش و حواس جاتے رہے۔ یہ بخار اکیس روز کے بعد رفع ہوا۔ تو طلعت یوں تو بظاہر تندرست تھا، مگر اس کی صورت مردوں سے بدتر تھی فقط آنکھیں باقی رہ گئی تھیں جو ڈگر ڈگر کرتی تھیں۔ ماں میں بھی اتنی طاقت نہ تھی کہ پورے لمحہ بھر کے واسطے اچھی طرح کھل سکیں۔

رفتہ رفتہ زخم اچھے ہونے شروع ہوئے، طاقت بھی کچھہ آنے لگی تو طلعت کو اس سپاھی کے حالات معلوم کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ صورت پہلے کی دیکھی ہوئی تھی مگر پہچان مطلق نہ سکتا تھا، دو ایک دفعہ خود ہی سوال کیا۔ مگر یہ دیکھہ کر کہ سپاہی نے چیں بہ جبیں ہوکر ٹالدیا خاموش ہوگیا۔ لیکن دل میں ایک کریدنی ہر وقت لگی

رہتی، کہ یہ شخص جس نے اپنے تمام عیش و آرام مجھپر قربان کر دیے، جس کی بدولت میری جان میں جان آئی، کون ہی، اور میں اس کے احسانات کا کیا معاوضہ کر سکتا ہوں، ہر چند دماغ پر زور دیتا مگر مطلق پتہ نہ لگا سکا۔ ایک روز وہ عالم تنہائی میں بیٹھا منیرہ کی کچھ چٹھیاں پڑھ رہا تھا، کہ دفعتہً اس کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے اور ارادہ کیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو راتوں رات یہاں سے بھاگ کر گھر پہنچے، گو راستہ خطرناک تھا، مگر دونو کامیاب ہوئے، اور کسی نہ کسی طرح بچ بچا کر وطن کی سرحد پر جا پہنچے، اس وقت سپاہی تھوڑی دیر کے لیے آنکھ سے اوجھل ہوا، اور زنانہ لباس میں سامنے ہو کر کہا، میں وہی کنیز منیرہ ہوں اب خدا تمہارا وطن تمکو مبارک کرے میں رخصت ہوتی ہوں۔

(۷)

نصیرہ بہن آج آٹھ دن سے میں دیکھ رہی ہوں کہ روز رات کو ساری رات اس ہمسائے والے مکان میں سے رونے کی آواز آتی ہی، اور اس زور سے کہ کلیجہ پر چوٹ لگتی ہی، نہ معلوم کون اللہ کا بندہ ایسا مصیبت کا مارا ہی کہ جس کو پلک سے پلک جھپکانا حرام ہی، یہ مکان ہمارے ہوش سے آباد ہی کچھ آج کل کا بسا بھی نہیں کہ نئے لوگ ہوں، مگر اتنی بات ضرور ہی کہ جو کوئی بھی رہتا ہے، برسوں گذر جانے پر بھی آج تک ملنا جلنا تو درکنار، کبھی کسی بچے کی، بڑے کی، عورت کی مرد کی ہوں تک نہ سنی سوائے اس گریہ وزاری کے کہ جس سے میرا کلیجہ دہلتا ہی۔ کل ادہر تو مجھکو اماں جان کی بیماری کا فکر بندھا ہوا تھا، اُدہر سے جو یہ دردناک صدا آئی ہی، تو کلیجہ تھامے رہا تھا کہ بلیوں اچھل رہا تھا۔ کہتی تھی، کہ پر ہو لے تو اٹھکر پہنچ جاؤں، ہمارا فرض ہی کہ ہم اپنے پڑوسی کو جو کچھ ممکن ہو مدد دیں، اگر تم مناسب سمجھو تو ہم دونو

نصیرہ۔ بوا چلنے میں تو ہرج نہیں۔ مگر پرایا گھر۔ انجان لوگ کیا خبر آنے دیں نہ آنے دیں۔ تم ابھی کہتی تھیں کہ برسوں ہو گئے مگر دیوار بیچ ہے آج تک یہ نہ جانا کہ کون ہیں کیا کرتے ہیں۔ چلنے کو چلی چلو، مگر نہ گھسنے دیا تو بڑی کرکری ہوگی۔

اسلم۔ ہم اپنا فرض ادا کریں، کرکری کیا ہوگی۔ نہ آنے دیں گے چلے آئیں گے مگر مردانہ ہوا تو بڑی مصیبت ہوگی۔ نگوڑے مردوں کی جھڑکیاں کون سنے گا

نصیرہ۔ جب ارادہ کیا ہے تو بسم اللہ کرو۔ اوکھلی میں سر دیا، تو دھمکوں سے کیا ڈر۔ مگر ڈولیوں میں چلنا ٹھیک نہیں۔ یہ برقعہ اوڑھ لو، مردانہ ہوگا۔ لوٹ آئیں گے۔

اسلم۔ لے بہن نہیں۔ دن دہاڑے برقعہ میں۔

نصیرہ۔ ہرج کیا ہے۔ ڈولی میں چلنا تو ہرگز مناسب نہیں۔ محلہ بھر کو خبر ہو جائیگی

اسلم۔ اور جو کسی کو خبر ہو گئی تو۔

نصیرہ۔ نیک کام کو چلی ہو، اللہ نیت کے حال کو جانتا ہے، تو چلتی ہو تو اٹھو

اسلم۔ چلو!

دونوں نے برقعہ اوڑھا۔ اور جلدی سے نکل کر بیچ والے دروازے میں پہنچیں تو وہی درد انگیز رونے کی آواز آ رہی تھی، پہلے دونوں نے مشورہ کیا اور پھر جھانک کر دیکھا تو آدمی نہ آدم زاد ایک عورت نہایت بری حالت میں میلے کچیلے کپڑے پہنے پرانے دھرانے بچھونوں میں پڑی ہائے ہائے کر رہی ہے۔ اس کا چہرہ اتفاق سے دروازے کی طرف تھا، ان دونوں کو دیکھ کر اس نے پوچھا، اور کہا بیویو اگر آنا چاہتی ہو، تو شوق سے اندر آؤ۔ دونوں اندر گئیں، کوئی اچھی جگہ اندر بیٹھنے کو نہ تھی، بورئیے بھی ٹوٹ کر زمین سے بدتر ہو گئے تھے۔

اس عورت نے دونوں کو بیٹھنے کے واسطے کہا۔ اور یہ خاموش بیٹھ گئیں۔

جب تھوڑی دیر گذر گئی تو اس عورت نے کہا، بیویو! آپ نے [illegible]

کی، کیا غرض ہے، کہاں رہتی ہو، کس کے پاس آئی ہو۔

نصیرہ ہم آپ کے پڑوسی ہیں آپ سے ملنے کو بہت روز سے جی چاہتا تھا، مگر ہمت نہ پڑتی تھی آج دل کڑا کرکے آگئے، اور احسان مند ہیں کہ آپ نے اندر آنے کی اجازت بھی دے دی۔

عورت میں اس محلہ میں مدت سے ہوں، اس سے پہلے کبھی آپنے تکلیف نہ فرمائی، ان دنوں میں آپکا جی کیوں مجھ سے ملنے کو زیادہ چاہا،

نصیرہ اگر ناگوار نہو، تو ہم مفصل کیفیت عرض کردیں۔

عورت ناگوار کیا ہوگا۔ میں اس درجہ کو طے کر چکی کہ کوئی بات گوارا۔ یا ناگوار ہو۔

نصیرہ یہ تو آپ نے ایک معمہ فرمادیا۔ انسان زندگی میں کس طرح ایسے درجے کو طے کرسکتا ہے۔

عورت خیر اس بحث کو جانے دیجئے، اس میں کیا رکھا ہے، آپ اپنے آنے کی وجہ فرمائیے۔

اسلم چند روز سے ہم اس گھر سے ایسے دردناک رونے کی آواز سنتے ہیں کہ بدن پر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، اور آپ یقین کیجئے کہ نیند قطعی اڑ جاتی ہے۔ کئی دفعہ یہ قصد کیا۔ کہ اسی وقت آئیں، اور آپ سے ملیں مگر رات کا وقت ہوتا ہے۔ شاید آپ آنے کی اجازت نہ دیں، نہ آسکے۔

عورت آپ مطمئن رہیں کہ آیندہ آپ کو ایسی تکلیف نہ ہوگی، اور آپ تشریف لے جائیں۔

نصیرہ ہم ابھی چلے جاتے ہیں، لیکن اس آنے سے جو ہماری غرض تھی، وہ پوری نہیں ہوئی۔

عورت آپ اپنی غرض بھی فرمائیے۔

اسلم کیا ہم اس رونے میں کچھ مدد دے سکتے ہیں۔ کہ وہ تکلیف کسی طرح کم ہو۔ اتنا سنتے ہی عورت کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اس کا نڈھال چہرہ غصہ سے تمتما اُٹھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی آنکھیں اب نکل پڑیں گی، اور وہ تھوڑی دیر خاموش رہی۔ غصہ ضبط کیا اور کہا۔

"آپ ہماری مدد کو آئی ہیں"

میں آپ کی شکر گزار ہوں، مگر آپ کی ہمدردی کی محتاج نہیں۔

کوٹھری میں سے کسی کے کھانسنے کی آواز سنکر اسلم اور نصیرہ دونوں نے برقعہ سنبھال کر اوڑھ لیا، اور کہا کاش ہم اپنی ایک بہن کو کچھ مدد پہنچا سکتے، تو ہم سمجھتے کہ ہم سے زیادہ خوش نصیب کوئی نہیں، لیکن یہ ہماری بدنصیبی ہے، کہ آپ ہم کو اپنی تکلیف میں شریک نہیں کرتیں۔

عورت میری داستان مصیبت ایسی نہیں کہ کوئی اس میں شریک ہو سکے یا اب اس کو ہلکا کر دے، جو مصیبت آ گئی، اب کسی طرح ٹل نہیں سکتی، جو تیر کمان سے، جو بات زبان سے نکل چکی اب اس کا واپس آنا مشکل ہے، بہنو! میں بیمار ہوں، اور اب میرا آخر وقت ہے، صرف میرے پاس ایک چیز ہے، جس کو میں کسی امین کے سپرد کرنا چاہتی ہوں۔ مگر آہ اس کم بخت دنیا میں انسان .... امین .... عورت کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے، اس کا دل بھر آیا، اس نے پھٹی ہوئی دری کے نیچے سے ایک تصویر نکالی، اور کہا،

"امین، امین، بہتر امین"

عزیز بہنوں! میں تمہاری ہمدردی کی دل سے ممنون ہوں، یقین کرو

کرو، کہ تم میری مصیبت میں کام نہیں آسکتیں، اور ایک تم کیا کوئی بھی نہیں آسکتا
تم میری مصیبت سننے کے بعد ہمدردی تو درکنار، شاید مجھ سے ہزاروں کوس
دور بھاگ جاؤ، مجھے وہ مرض ہے کہ میری ہوا سے، میں وہ بیمار ہوں کہ اس باسے
اور میں وہ کم بخت ہوں جس کی صدا سے دنیا کانوں پر ہاتھ دھرے گی، تم میرے
رونے سے متاثر ہوئیں، انسانیت کا فرض ادا کیا، شکرگذار ہوں۔ اور
یقین دلاتی ہوں کہ اب یہ آواز نہ سنو گی، بے چینی کے نالے، بے صبری کی
فریاد، بے کسی کا شیون، بے بسی کی زاری، عالم بے خودی میں زبان تک
آگئی، تکلیف ہوئی، بیویو! معاف کرنا، اچھا سلام۔

عورت کے تیور بگڑے جاتے تھے، اس کے قلب کی کیفیت عجیب تھی
مصیبت میں غصہ اور پریشانی میں جرأت اس کی گفتگو سے ٹپک رہی تھی، اور
گو اس کا لباس کثیف، اس کی صورت رذیل، اسکا گھر ذلیلوں کا ذلیل تھا، مگر
اقبال اس کے چہرے سے ظاہر اور رعب اس کی شکل سے عیاں تھا، وہ کبھی
روتی تھی اور کبھی غصہ میں تھرا اٹھتی تھی، مگر کمزوری کا یہ عالم تھا کہ ذرا جوش میں
اٹھتی، تو چکر آتے، اور بیٹھ جاتی۔

نصیرہ بی بی، ہم ابھی چلے جاتے ہیں، لیکن آپ سے ایک دفعہ پھر منت سے
التجا کرتے ہیں، کہ وہ اپنی امانت ....

عورت ہٹو، ہٹ جاؤ، اس ذلیل دنیا کی کم بخت دغاباز روحوں ہٹ
جاؤ، دنیا کے بسنے والے بے ایمانو! تکلیف نہ دو، چھوڑو! للہ مجھے چھوڑ دو
اے بیویوں رحم، اے بیگموں کرم، اے بڑوسنو بخشش! (تصویر نکال کر)

ہاں! ہاں! لے تیرے امین! امانت ....

عورت کا چہرہ غصہ سے پھر لال ہو گیا، گر یہ کیفیت تھوڑی دیر رہی، اور

اس کے بعد آنسو کی جھڑیاں بہ گئیں، وہ ایک چیخ مار کر یہ کہتی ہوئی گری
بہنوں، اب اس زخم پر نمک نہ چھڑکو

تم شوہروں کی بیویاں، بچوں کی مائیں، ساسوں کی بہوئیں، نندوں کی بھاوجیں ہو، رات سر پر آرہی ہے، اب جاؤ ایسا نہ ہو، ایک ذلیل، کمینہ، بدترین عورت کی وجہ سے تم کو تکلیف پہنچے، میری ہمدرد بہنو! جاؤ اپنے اپنے گھر سدھارو رات میری ہمدرد ہوگی، اور رات کا اندھیرا میرا مونس تارے مجھ پر لعنت بھیجیں گے آسمان اور ہوا کا ہر ٹھنڈا جھونکا مجھ پر ملامت کرے گا۔

اس وقت اسلم اور نصیرہ دونوں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

ہم کسی قابل نہیں، مگر خدا کا واسطہ بی بی ہم سے خدمت لو، اور ہم کو اپنی کیفیت سنا دو، عورت سنبھل کر بیٹھ گئی، اور جوش میں دیوانہ وار کہنے لگی۔

سنتی ہو! سنو! میں آہ میں کون ہوں، کیا ہوں، جانتی ہو، نہیں جانتی، میں اس باپ کی بیٹی ہوں، جو میری صورت کا دیوانہ تھا جس کے در سے کبھی حاجتمند خالی نہ پھرا، اس ماں کی بچی جس کا فیض آج تک جاری ہے ہائے کیونکر کہوں یہ دونو ماں باپ ابھی زندہ ہیں، اور میری تلاش میں باپ آنکھیں اور ماں دماغ کھو چکی میں ابھی اچھی طرح جوان بھی نہ ہوئی تھی دنیا کے نشیب و فراز مطلق نہ سمجھ سکتی تھی کہ ایک دغاباز ڈاکو کا شکار ہو گئی، وہ کمینہ انسان میرا چچا زاد بھائی تھا۔ جس نے مجھ کو یقین دلایا۔ کہ اگر میں چند لمحہ کے واسطے آدھی رات کے وقت پائیں باغ میں نہ جاؤں گی تو سنکھیا کھا لیگا، میں اس کی گھاتوں سے ناواقف، اس کے مکر سے بے خبر جا پہنچی اور اس دغاباز نے خاندانی جوہر، میرے باپ دادا کی [illegible] رشتۂ عصمت کو با جبر چکنا چور کر دیا، اس وقت کا دیکھنے والا اور اس

حال کا جاننے والا۔ اگر کوئی ہی تو وہ درخت جو میرے سر پر سرا رہے تھے، اور وہ عالم الغیب جو پوشیدہ رازوں کو معلوم کرنے والا ہی، مجھے ہرگز معلوم نہ تھا کہ کیا ہوا۔ اور کیا ہوگا۔ مگر قدرت نے اس مصیبت کی یادگار اس ظلم کا انجام میرے واسطے چھوڑا۔ اور یہ وہ لڑکی ہی جس کے کھانسنے کی آواز تم نے اندر سے سُنی، جب وضع حمل کا وقت قریب آیا، اور مجھہ کو یقین ہوگیا کہ اب میری ہستی ایک معزز خاندان کی تمام عزت آبرو پر پانی پھیر دے گی تو میں نے اس شقی القلب کو ایک خط لکھا۔ اور لکھدیا کہ میں اس شہر سے غارت ہوتی ہوں اور فلاں وقت اس گھر سے ان گھر والوں سے اور چیزوں سے اور ان لوگوں سے ہمیشہ کو رخصت ہو جاؤں گی، چنانچہ میں نے اپنا بیش بہا جواہرات کا زیور، اور جس قدر روپیہ لے سکتی تھی، ساتھ لیا۔ اور ان ماباپ کو جن کی صرف میں ہی ایک اکلوتی بیٹی تھی سوتا چھوڑ چل کھڑی ہوئی تو ادھر سے اس شقی القلب کی برات آرہی تھی اور وہ دولہا بنا گھوڑے پر بیٹھا تھا۔ میں نے دور سے اس کی بیوفا نظریں دیکھیں، اور جدہر منہ اُٹھا چل نکلی، مسامیہ سے میں نے سکو خط لکھا، اور اپنا مفصل پتہ بتادیا کئی روز بعد اس کا یہ خط مجھے ملا، جو ہر وقت میرے پاس رہتا ہی حسینہ! تم نے بڑی غلطی کی کہ تم یہاں سے چلی گئیں، تمہاری عزت تو برباد ہوئی ہی تھی، لیکن اب تمہارے فرار سے میری بھی بدنامی ہوگی، اس وقت میرا آنا مشکل ہی ممکن ہوا تو اگلے مہینہ میں آنے کی کوشش کرونگا۔

مسامیہ میں یہ لڑکی پیدا ہوئی جو میرے دامن عصمت پر کلنگ کا ٹیکا ہی رات بھر اپنے فعل پر روتی، اور دن بھر اپنی حالت پر آنسو گراتی ہوں، سنا ہی، ماں باپ روتے روتے اندھے ہوگئے، مگر گو یہ ممکن ہی کہ میں پھر ان سے جاملوں، لیکن یہ منہ اب اس قابل نہیں رہا، میری حالت ردی ہوگئی، اور موت قریب ہی

صرف اس کم بخت کی یہ امانت میرے پاس موجود ہو اور اس کے خیال سے مجھ پر مصیبت کا بار بہت زیادہ ہوگیا۔

بتاؤ! بیویوں! کیا مدد دے سکتی ہو، دیکھو بخار چڑھا ہوا ہو چند گھنٹوں یا دنوں کی یہ ناپاک روح اور اس دنیا کی مہمان ہو، تم اتنا کرم کرنا کہ میرے بعد اس بچی کو اس سنگدل باپ کے پاس پہنچا دینا، حسینہ کی حالت بد تر تو پہلے ہی تھی، اس وقت اس کا جوش اور بھی ترقی کر گیا۔ اور اکرم کی خطرناک تصویر آنکھ کے سامنے پھر گئی، دانت چبانے اور سر دھنے لگی۔ اور اسی حالت میں تڑپتے تڑپتے مر گئی، مرقان نے اس روح کو قبضہ میں لیا۔ اور آگے بڑھا۔

(۸)

مساجد سینڈہرن کے پاس ایک مشہور شفا خانہ میں مریضوں کا مجمع ہے اور ڈاکٹر باری باری ہر مریض کو دیکھ کر نسخہ تجویز کر رہا ہو، گیارہ بجے کے بعد جب مریض چلے گئے تو ایک برقعہ پوش عورت نے آکر نبض دکھائی اور تمام کیفیت بیان کرنے کے بعد نسخہ کی منتظر تھی، کہ دفعتہً ڈاکٹر نے باآواز بلند کہا چلی جا، فوراً چلی جا، یہ متعدی مرض ہو اور اس کی ہوا بھی برابر بیٹھنے والوں کی موت کا باعث ہوگی۔

تقدیر کی خوبی ہو، کل نکاح ہو اور آج یہ مرض شروع ہوا، اللہ اللہ تیری قدرت کے بھی کیا کھیل ہیں، طلعت کے والدین میری خدمات کے صلہ میں اب نکاح پر رضامند ہوئے، تو یہ مصیبت آئی۔ مجھ کو کوئی ظاہری تکلیف نہیں صرف کہنی میں ایک دانہ ہو جس میں کسی قسم کی سوزش نہیں، تکلیف نہیں، مگر ہاں لمحہ بہ لمحہ بڑھتا چلا جا رہا ہو، بہر حال جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا، اس وقت وہ ارمان جو میری زندگی کا ماحصل تھا پورا ہو رہا ہو، میری اگر زندگی سے کوئی توقع تھی تو صرف

یہ، کہ طلعت میرا شوہر ہو، وہ پوری ہوتی ہے۔ اس سے بڑھ کر کامیابی اس سے زیادہ خوشی اب میں اس دنیا سے کیا لونگی۔ مگر نہیں نہیں! محبت کا دعویٰ کر چکی ہوں اور سچ مچ مجھ کو طلعت سے محبت ہے، کیا محبت کے یہی معنی ہیں کہ میں اپنی آرزو پوری کر لوں، اور طلعت کو اس مصیبت میں پھنسا دوں، افسوس! افسوس، افسوس!

مجھے خدا زندہ نہ رکھے، اس وقت جب میں طلعت کو ایسی تکلیف پہنچاؤں ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہے، دنیا کی خوبی دیکھے خوش رہے۔ یہ میرا اصلی مقصد ہے اور یہ ہی محبت کا میابی، دانہ بڑھتا جاتا ہے، طلعت کس بے چینی سے کل کا منتظر ہوگا کہ نکاح ہو جائے اور وہ میرا شوہر بنے، مگر اس سے زیادہ میں بے چین ہوں کہ چلوں ایک دفعہ اس کی صورت اور دیکھ لوں، مگر آہ اے کم بخت خود غرض بے غیرت بے شرم اگر اس وقت کی ہوا طلعت کو یہ مرض لگائے تو محبت کا دعوے کہاں گیا۔

یہ ممکن نہیں کہ میں زندہ رہوں تو طلعت مجھ سے دور رہے، دانہ بہت زیادہ بڑھ گیا۔ مرگئی تو وہ ضرور میری لاش پر آئے گا۔ موت ایسی ہو، کہ طلعت کی زندگی پر اثر نہ پڑے، کنویں میں گر پڑوں، مگر نہیں لاش نکلے گی، ممکن ہے کہ مرض متعدی اس وقت رنگ لائے، ہاں ہاں دریا طلعت کے بدلے مجھ کو آغوش میں لیگا ہریں مجھ کو کنار میں لیں گی، اور اس طرح عمر گزشتہ کا ارمان پورا ہوگا۔ وہ وقت آنکھوں کے سامنے ہے، جب میں اور طلعت شب ماہ میں دجلہ کی سیر کشتی میں کر رہے تھے۔ طلعت کا ہاتھ پانی میں پڑا تھا۔ آج یہی دریا میری پرورش کریگا طلعت یہ پانی طلعت کے ہاتھ سے مس ہوا، اس پر میرا حق ہے۔ مگر اس واقعہ کی اطلاع حبیب اور محبوب کل نکاح ہے، نہیں میں بیمار ہوں۔ مرض متعدی

اندیشہ ہے، کہ تم کو نہ لگ جائے۔ مدتوں کے ارمان دل کے دل میں ہیں، اور ایک بھی آرزو پوری نہ ہوئی۔ میں اپنے محبوب طلعت پر قربان ہوتی ہوں، زیادہ رنج کی بات نہیں۔ صبر کرنا، اور خوش رہنا۔

دوپہر کا سہانا وقت تھا۔ زیتون کے درخت ہرے سبز کونپلوں کو آغوش میں لیے جھوم رہے تھے، کہ دریائے جلوہ نے سفینہ کو آغوش میں لیکر اس کا خاتمہ کر دیا۔

یہ دوسری کارڈ بھی عرفان نے ہاتھ میں لی، اور حاظم بالا میں جا پہنچا، دونوں روحیں پیش کیں، داروغہ نے دونوں روحیں دیکھیں اور کہا، بے شک عرفان یہ روحیں اپنی اپنی جگہ کے اعتبار سے اچھی ہیں۔ مگر ان سے بہتر روحوں کا وجود بھی ہے جا، اور تلاش کر۔

(۹)

رفعت پیاری! تمہارے حسن و جمال میں خدا ترقی دے، میں ابھی زندہ ہوں مگر موت کی تمنی، موجود ہوں، لیکن نا امید ہونے کا خواستگار، تم نازنین ہو، نازنین رفعت دعا کرو، کہ خدا بد نصیب نثار کو اب دنیا سے اٹھالے، سنا ہے تمہاری شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی، خدا مبارک کرے اور وہ وقت جلد آئے کہ رفعت دلہن بنکر پالکی میں بیٹھی، پھولوں میں بسی، زیور میں لدی، اپنے دولہا کے گھر جاتی ہو میں تمہاری عنایت کا احسان مند ہوں۔ تم نے مجھ جیسے ذرہ بے مقدار کو اپنے پہلو میں جگہ دیکر گنہگار کو کمخواب بنا دیا۔ تمہارا شکریہ کس منہ سے ادا کروں تم نے وہ کیا کہ آج انسانی دنیا میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی، میں تمہارے غلاموں، تمہارے نوکروں تمہارے ملازموں کے بھی لائق نہیں، مگر تم نے اپنی شرافت سے، اپنی انسانیت سے اپنی شرم سے اپنی محبت سے میرے ہاتھ پکڑنے کی لاج رکھی، اور کہا وہ، کہ ہماری نوا۔

بیگمیں ایسی ہوتی ہیں، لیکن تم جانتی ہو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں ایک روح تمہارے
حسن پر سے قربان کر چکا۔ اور گو آج اس کی ہڈیاں بھی گل کر خاک ہو گئیں مگر اس
کی مکروہ صورت اس کی بھونڈی باتیں اب بھی جب یاد آتی تو نفرت ہو جاتی ہے
اب میں صرف تمہارا بندہ ہونے کے سوا کچھ نہیں ہوں، نہ کسی بیوی کا شوہر ہوں۔
نہ کسی فریب کی روح کا مالک، اگر خدا مجھہ کو اس قابل رکھتا تو تم دیکھتیں، اور یہ تمہارا
غلام دکھا دیتا، کہ منزل عشق میں ثابت قدم رہنے والے عشاق اور کسی کے
احسان کا اعتراف کرنے والے ممنون، کس طرح اپنی عزیز سے عزیز شئے محسن پر قربان
کر دیتے ہیں۔ اب میرے پاس ہائے پیاری رفعت میری جان و مال کی مالک
میرے دین و ایمان کی مالک رفعت کچھ نہیں، ہاں صرف یہ ایک جان موجود ہے
دولہا تمہاری پالکی پر زر و جواہر کے ڈھیر اور اشرفیاں نچھاور کرے گا، مگر تمہارا سچا
غلام نثار تمہاری پالکی پر اپنی جان نثار کرتا ہے، اس کی روح تمہاری پالکی کے پاس
اور کہاروں کے ہر قدم کے ساتھ ہو گی، رفعت پیاری پچھلے احسانوں کا معاوضہ
آجتک کی محبت کا بدلہ بدنصیب نثار کے پاس اس کے سوا کچھہ نہیں، تمہارے
جہیز میں ہزاروں لاکھوں کا زیور، ہیرے، جواہرات، سونا چاندی تمہارے چڑھاوے
میں، ایک چھوڑ چار چار پانچ پانچ علاقے، بیسیوں گاؤں، سینکڑوں مکان موجود
ہیں مگر مجھے تمہاری پچھلی محبت اور دیرینہ عنایات سے امید ہے کہ تم اس کمبخت اور غریب
و بدنصیب کا یہ ہدیہ بھی قبول کرو گی، جس کا مقصد زندگی صرف تم کو عمر بھر سجدے کرنا تھا
تمہارے ہیرے کے کنگن جو شادی کے بعد اب عمر بھر تمہارے ہاتھ ہوں گے، تمہاری
جڑاؤ مالا جو اب ہمیشہ ہمیشہ کو تمہارے گلے کا ہار ہو گی، تمہارے کانوں کی مگر مرکیاں
جو مدتوں تم سے سرگوشیاں کریں گی، وہ یاقوتی جھومر جو زلف سیاہ کا ہمراز ہو گا یہ سب
میرے ہاتھوں میں کھیلے ہیں اور اسوقت میرے دل مجروح پر چرکے لگا رہے ہیں اب تم سے

اور ہر اس چیز سے جو تمہاری ملکیت ہو، مدت العمر کو جدا ہوتا ہوں۔ رفعت دیکھنا کیسا نازک وقت ہو، اور غور کرنا کہ نثار پر جو محض تمہاری صورت کا دیوانہ تھا یہ سننے کے بعد کہ اب وہ موہنی مورت دوسرے کی ملکیت ہوتی ہو، کیا گذر گئی۔ مگر

لازم ہو سوز عشق میں ظاہر فغاں نہو — جل جائیے اسطرح سے کہ مطلق دھواں نہو

پیاری رفعت! اپنے عاشق مہجور بے کس و بے بس نثار کا یہ تحفہ قبول کرنا۔ خدا تم کو خوش رکھے دنیا اور دنیا کے مشاغل چند روز بعد تمہاری حالت وبراہ کر دینگے اگر رفعت پیاری جب تک زندہ ہو، اس نثار کو نہ بھولنا جو تم پر سے قربان ہو گیا اگر خوشی نہ ہو اور خدا دنیا تم کو عطا کرے اور خدا ارادے دن نت نئی خوشیاں نصیب کرے دن عید اور رات شب برات ہوں/ مجھ جان نثار کے خیال کو شریک کر لینا کیا کوئی افسوس کسی انسان پر اس قدر سخت ظلم کرنے کے بعد جو تمہارے باپ نے مجھ پر کیے انسان ہونے کا مدعی ہو سکتا ہو۔ مگر نہیں نہیں۔

پیارا ہے، پیاری کا پیارا

وہ تمہارے محترم باپ اور میرے بزرگ ہیں، جو کچھ کیا خوب کیا۔ ان سے کیا شکوہ ہو سکتا ہو۔

گر زندگی ہوتی تو یہ آزار نہ ہوتا

کیوں رفعت کیا میری آنکھیں اس وقت سے پہلے ابدی نیند نہ سو جائیں گی اور میرے کان اس لمحہ سے پہلے ہمیشہ کو بیکار نہ ہو جائیں گے، جب میں دیکھوں یا سنوں کہ میری محبوبہ دوسرے کی ملکیت ہو گئی۔ رفعت پیاری میں ان بے غیرت محبت کے جھوٹے مدعی، بھولی عورتوں کے بہکانے والے مردوں میں سے نہیں ہوں جو اس کے بعد بھی زندہ رہ سکتے ہیں، جی گھبراتا ہو کلیجہ نکلا جاتا ہو! بس! بس! رفعت خدا حافظ۔ فی امان اللہ

"بد نصیب نثار"

پیارے نثار! خیالات کو بلند، دل کو ہشیار اور طبیعت کو مطمئن کرو۔ کیسی
شادی کس کا بیاہ، کہاں کا نکاح دیکھو جو کچھ ہوا اور ہونے دو جو کچھ ہو رہا ہو۔ ہاں
تمہارا فدا مستحق سہی، مگر دونوں خدا نہیں ہیں، نکاح سے کیا ہوگا، اب وداع کیا
کرلے گی، ایک ظاہری ڈھکوسلا ہے، ہو جائے، اور ارمان باقی اس کا ارمان ہے شوق سے
پورا ہو، اظہر میرا بھائی ہے، اور بھائی رہیگا، رفعت کا مالک نہیں ہو سکتا، رفعت تمہا
ری ہے، اور رہیگی، دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے، آفتاب مشرق کی بجائے
مغرب سے نکلنے لگے، دن کو تارے نظر آئیں، اور آفتاب رات کو، مگر رفعت جو دل نثار
کو دے چکی ہے، وہ اب دوسرے کے قبضہ میں نہیں جا سکتا، تمہاری زندگی سے
میری زندگی، اور تمہارے دم سے میرا دم ہے، اگر جاتے ہو، تو مجھ کو ساتھ لو، یہاں
اطمینان نصیب نہ ہوا تو عالم بالا میں کوئی حارج نہ ہوگا۔ میں اسی وقت تک زندہ ہوں
جب تک تم موجود ہو، جب تم نہ ہوئے تو میری زندگی فضول اور جینا بے کار، دو
شادی کی سیر دیکھو، اور اس نکاح کا لطف اٹھاؤ، یہ شادی خانہ آبادی نہیں
ایک گھر کی بربادی ہوگی اور یہ نکاح ایک شخص کی محبت آمیز نگاہوں کو ابدی
نیند سلا دیگا۔ پیارے نثار کس کی ہستی ہے کہ رفعت پر محبت بھری نظریں تمہا
رے سوا ڈالے، میں عورت ہوں، مگر اس آنے والی مصیبت میں استقلال کو ہاتھ سے
نہیں دیا اپنے ارادہ پر ثابت قدم اپنے خیال کی پکی، اور اپنی دھن میں مست ہوں
گھر میں شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں، میں کھڑی تماشہ دیکھ رہی ہوں، اور اس
بدنصیب اظہر کی بد قسمتی پر افسوس کرتی ہوں جس نے جان سے ہاتھ دھو کر یہ سودا
مول لیا، موت اس کے سر پر منڈلا رہی ہے اور یہ خبط اسکو گہری نیند سلا دے گا، مرد ہوکر
اتنے بے حواس اور سمجھدار ہوکر اتنے بودے، واہ میاں نثار واہ ایسی پڑ گئی کہ پچھلے
احسان تک بالائے طاق رکھ گئے اور جو کچھ باقی رہ گئے ہوں تو وہ بھی گنوا لو، تمہاری بیوی مر یا لو

اپنی موت سے، بلکہ جو گئی تھیں بصورت شکل خاک تھی، تمہاری تمہارا غائب جل جل کر
اور پٹ پٹ کر جلدیں، میں نے ان کے کچھ کے نہیں دیئے، تم نے انگوٹھا نہیں، یا ان
کی موت کا احسان مجھ پر کیوں، اور بدصورتی کا ذکر مجھ سے کیسا۔ ہاں میں تم کو
بتاؤں گی کہ زبان کی لاج اور اقرار کا پاس کیسا ہوتا ہے، میں محبت کی مدعی
ہوں، زبردست قربانی کروں گی۔ اور وہ قربانی کہ دنیا واہ واہ اور عاقبت عش
عش کرے، میں ان بے وقوف لڑکیوں میں سے نہیں ہوں، جو خود کشی کر لی ہیں،
تم جیسے اُن بزدل مردوں میں سے جو مرنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ مرے ہماری
جوتی اور ڈوبے ہمارا صدقہ۔ جان جائے تو اُن کی جن کی خواہش غلط، جبلّی خواہش
بے جا اور جنکا خیال کچا، ستاریاں دنیا کلجگ نہیں کرتاگ ہے، اظہر بخوبی اچھی
طرح جانتا ہے کہ میں تیار کی ہو چکی، اگلے برس جاڑوں میں جب چرچا ہوا ہے، تمہارا
پرچہ اور میرے شامی کباب پکڑے گی تو ایک وہ نہیں۔ سارے محلہ اور کنبہ میں
ڈنکہ بج گیا۔ بھیڑ کی لات گھٹنوں تک، بہتیروں نے لعن طعن کی، مگر ان ہی میں
ایمان کے بولنے والے اور انصاف کی کہنے والیاں بھی تھیں، میری زبان نہیں، تو
کیا کان تو موجود ہیں، بول نہ سکتی تھی مگر سنتی تھی، خالہ کریاً اور اُن کے چچا
سید نے صاف کہدیا تھا۔ کہ جوان بیٹی کو بٹھا کر گھر میں کوار کوٹ چننا تو یہی رنگ لائیگا
میری تمہاری محبت چوری چھپے نہیں، ڈھکی ڈھکائی نہیں۔ ایک دنیا جانتی
ہے اور اس کم بخت اظہر کو سب سے زیادہ معلوم ہے۔ رقعے پرچے، خط پتر کونسی
چیز ہے جس کی اُسے خبر نہیں۔ ناگپور کے سنگترے اس نے کھائے
متھرا کی کھیلی اس نے چکھی، ایسا نہیں نہیں، اندھا نہیں، اب جو دیا وہ
پائے اور جو کیا وہ بھگتے،

ناراضامندی کی شادی گڑیوں کا کھیل، ہنسی ٹھٹھا نہیں، میں اپنا فرض

ادا کر چکی اور ایک دو دفعہ نہیں دس دفعہ بہنوں سے میں نے کہا، بھاوجوں کو میں نے
جتا دیا، حد یہ ہے کہ اماجان تک سے کئی دفعہ باتوں باتوں میں اور دو دفعہ صاف صاف
کہہ چکی ہوں اب تم بتاؤ ابا جان سے تو کہنے سے رہی، مگر اماجان، خدا ان سے
سمجھے، وہ کانوں میں روئی ٹھونس کے بیٹھی ہیں کہ خبر ہی نہیں وہ بھی مجبور ہیں۔
ہونی شدنی تقدیر کا لکھا کس سے ٹلا ہے، جو اظہر کا ٹلے گا، نثار! اللہ کی
شان ہے، اظہر اور رفعت کا شوہر! توبہ توبہ، .... میں دنیا
میں خوار رہوں گی، نہ خدا کی گنہگار، اپنا فرض ادا کر چکی، اب ہر شخص اپنے فعل کا
ذمہ دار ہے۔ رفعت قند نہیں کہ کوئی گھول کر پی لے، حلوا نہیں کہ لپ لپ کھا جائے
ایسڈ بڑے بھائی جان کی تصویروں کی پوری بوتل، زہر قاتل میرے
قبضہ میں ہے، اور یہ ہر اس آنکھ کو جو نثار کے سوا رفعت کے حسن پر پڑے ختم اور
ہر اس ہاتھ کو جو نثار کے سوا رفعت کو چھوئے موت کا مزا چکھا دے گی۔

اس پرچے کے پہنچتے ہی اپنی خیریت سے مطلع کرو۔

صرف نثار کی "رفعت"

(۱۰)

شاہجہان آباد کے اس محلہ میں جو کسی وقت میں پنجابی کٹرے کے نام سے مشہور تھا اور اب ہملٹن روڈ کہلاتا ہے، سردار نصرت علی خاں تعلقہ دار اور رنگ نگر کی کوٹھی میں امراء و روساء زرق برق پوشاکوں میں جلوہ گر ہیں زنانخانہ میں چوٹی کی بیگمیں اور چنندہ بیویاں موجود بچوں کی چیخ دہاڑ نوکروں کا غل غپاڑا کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی، برات کا انتظار ہے سردار نصرت علی خاں مہمانوں کے استقبال کے واسطے خود دروازہ پر کھڑے ہیں، برات کے آتے ہی محلہ بھر گونج اٹھا دولہا کی آبائی عزت اور خاندانی وجاہت لاکھ سردار صاحب کی ٹکر کی نہ ہو، مگر پھر بھی گو بگڑ چکا تھا

لیکن مظہر کا باپ نواب نسیم اللہ خاں پوتڑوں کا رئیس تھا، آدمیوں سے زیادہ تعلقہ دار برات کے ساتھ تھے۔ خاطر مدارات ہی میں دو گھنٹے سے زیادہ گزر گئے۔ نکاح کا وقت قریب آیا۔ تو سرکار صاحب کی ماں نے انہیں بلایا۔ اور کہا میں تمہاری بچی کے معاملہ میں آج تک نہیں بولی۔ ماشاء اللہ تم خود عقلمند اور دنیا کے سمجھنے والے ہو۔ مگر کئی دفعہ بہو سے اور ایک دو دفعہ تم سے بھی کہہ چکی تھی کہ یہ بیل منڈھے چڑھنے والی نہیں ہے۔ بہتیرا ہی تم کو شروع میں سمجھایا کہ دیکھو نصرت لڑکی ہاتھ سے نکلی جا رہی ہے۔ خدا کے لیے ان مسوں اور میموں کا آنا بند کرو۔ مگر تم کو بیٹے کھرے کی چڑھی ہوئی تھی۔ کیا خاک سمجھتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دن دونی رات چوگنی ہوتی گئی اب نکاح کا وقت آگیا۔ شاباش اس ماں کو جو کانوں میں تیل ڈالکر بیٹھ گئی۔ اور آفرین تجھ باپ کو کہ پلٹ کر پوچھا تک نہیں۔ کہ لڑکی کا اشارہ کیا ہے۔ اب سنا ہے کہ بچی کا جوڑا اس نے پھاڑ کر بتی بتی کر دیا۔ اور ساڑھے تین ہزار کا کارچوبی مال تھا کوڑیوں کے دام غارت ہوگا۔ اب ماں اور خالہ دونوں کی دونوں ہاتھ پیر جوڑ رہی ہیں۔ مگر لڑکی ٹس سے مس نہیں ہوتی۔ بیٹا آج تک جو نہ ہوا تھا وہ اب ہوگا۔ یہ ہزاروں امیر رئیس احمد پور والے شیخ جنہوں نے عمر بھر ناکیں رگڑیں کہ ہماری ایک لڑکی کی پالکی اپنے دروازہ پر اتروالیں مگر اپنا سا منہ لیکر چپ ہوگئے اور تمہارے دادا اللہ بخشے وہ شخص جن کی تلوار سے خون ٹپکتا تھا۔ مرتے مر گئے۔ مگر احمد پور والوں کو بیٹی نہ دی۔ اب آج ان کے سامنے ہماری عزت آبرو پر پانی پھر گیا۔ جاؤ دیکھو بیٹی کی کیا حالت ہے۔ اور وہ کیا کہتی ہے۔

نصرت علی خاں میں دیکھ کر کیا کروں گا۔ [illegible] کر ڈالوں گا۔ آپ خود جائیے اور اسکو سمجھا دیجیے کہ اگر اس وقت میری بات میں فرق آگیا تو نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ رفعت پالکی میں ہوگی یا اس کا جنازہ

چبوترے پر،

(۱۱)

لیکن دنیا کی ہر شئے سے زیادہ عزیز رفعت آرا بیگم اگر تم انکار کردیتیں تو کیا یہ ممکن تھا کہ والدین بالجبر تمہارا نکاح کردیتے، درحقیقت تمہارا ہی احسان ہے کہ تم نے مجھ جیسے شخص کو جو تمہاری پاپوش کے قابل بھی نہیں یہ فخر عطا فرمایا مجھ سے زیادہ خوش نصیب اس وقت کوئی متنفس نہیں بادشاہ اپنی سلطنت پر وہ ناز نہیں کرسکتا جو میں تم جیسی بیگم پر کرسکتا ہوں، تم نے مردہ کو زندہ کیا، اور وہ شخص جو دم توڑ رہا تھا۔ اپنی مسیحائی سے اُس میں جان ڈالدی۔

رفعت شریفوں کی بیٹیاں والدین کے سامنے کوئی رائے دینے کی مجاز نہیں، وہ صرف حکم کی تعمیل کرنے والی ہیں، انہوں نے جو کچھ مناسب سمجھا، وہ کیا، میرا کام یہی ہے کہ وہ کہیں اور میں کروں، آج سے میں بجائے اُن کے تمہاری فرمانبردار ہوں، کیونکہ اُنہوں نے تمہارے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا،

اظہر اوہ! اوہ! بیگم کیا کہہ رہی ہو، تم فرمانبردار! نہیں! نہیں! ہرگز نہیں خدا کے واسطے مجھ کو شرمندہ نہ کرو، میں تمہارا غلام، تمہارے غلاموں کا غلام للہ تھوڑا سا دودھ پی لو،

رفعت خیر میں پی لیتی ہوں، مگر تم اپنے واسطے بھی تو لے آؤ، تم پیو گے تو میں بھی پی لوں گی،

اظہر اچھا! میں اور لاتا ہوں، اور تمہارے سامنے پی لونگا۔

اظہر دودھ لینے گیا، تو رفعت نے ایک چھوٹی سی شیشی نکالی اور دودھ میں ڈالکر خاموش بیٹھ گئی، دودھ آگیا، اور اظہر نے پھر درخواست کی، مگر جب رفعت نے کوئی جواب نہیں دیا تو دودھ رکھکر اس طرح کہنے لگا۔

اس میں شک نہیں کہ یہ دودھ تمہارے قابل نہیں لیکن مجھے اس سے زیادہ کیا خوشی ہو سکتی ہی کہ تم اس میں سے دو گھونٹ پی لو۔

رفعت کچھ دیر خاموش رہی، یہ کہکر کہ اچھا۔ اگر تمہاری یہی خوشی ہی تو خیر پہلے تم پیو، تازہ دودھ ہاتھ میں لیکر بیٹھ گئی، اظہر نے پہلے کا دودھ پینا شروع کیا تو اس نے بھی آبخورہ منہ سے لگا لیا۔ اور جب تک وہ دو ایک گھونٹ پئے اظہر تمام دودھ ختم کر چکا۔ ایک منٹ بھی نہ گذرا تھا کہ چکر آیا، اور گر پڑا،

بیگم! نہ معلوم دودھ میں کیا چیز تھی، کلیجہ کٹا جا رہا ہی۔

رفعت اے ہی، نوج خدا نہ کرے، کیا کہہ رہی ہو۔

اظہر ہائے کیا کروں، کسی کو بلاؤ، کہ ڈاکٹر کو لاؤ، اماجان کو جلد اطلاع دو

رفعت ایسے بدحواس نہ ہو، دن بھر کے تھکے ہوئے ہو، گرمی کا موسم ہی سر چکرا گیا ہوگا، ٹھیرو! میں پنکھا جھلتی ہوں اے اللہ مجھپر رحم کیجیو، میں تو پہلے ہی بدنام ہوں، اے پاک بے نیاز میری آبرو تیرے ہاتھ ہی۔

اظہر ہائے مر گیا۔ انتڑیاں سب کٹ گئیں ہائے۔۔۔۔۔ ہائے۔۔۔۔۔ ہائے کسی حکیم یا

رفعت (رو کر) اچھی ذرا تو ہوش میں آؤ اے مولا ان کا بال بیکا نہ ہو۔ انکی آئی مجھکو آ جائے، اے اللہ میری شرم تیرے ہاتھ ہی، خدا کیلیے منہ سے تو بولو کچھ طبیعت ٹھیک ہوئی، ہائے مجھے تو پہلے ہی کھٹکا تھا کہ دیکھیے یہ دشمن کیا غضب کرتے ہیں اے اللہ ہماری طرف دیکھ لے، اللہ کا واسطہ آنکھ تو کھولو،

قے ہوئی اور اور جگر کے تھتلے کے تھتلے خون میں لت پت نکل پڑے ہر چند تڑپتا رہا اور آہستہ آہستہ کہتا رہا، اماں جان کو بلاؤ، مگر ظالم نے اسوقت تک نہ بلایا جب تک بدنصیب اظہر کی زبان بند نہ ہو گئی، اب صرف اس کی آنکھیں کھلی تھیں تڑپ رہا

تڑپ کر کروٹیں بدل رہا تھا، اور آہ نہ کر سکتا تھا، تے کی آواز سنکر ماں دوڑی ہوئی آئی، دیکھا تو دولہا بے ہوش پڑا چند ساعت کا مہمان ہے اور دلہن سرہانے بیٹھی پنکھا جھلتی دہاڑوں رو رہی ہے۔

لوگ ڈاکٹر اور حکیم کو دوڑے، مگر کوئی بھی نہ آنے پایا کہ بلا رضا مندی کی شادی کا شوہر آغوش عروس کی بجائے وہاں قبر میں جا پہنچا۔

مرقان یہ روح لیکر عالم بالا کو گئے، مگر داروغہ نے یہ کہکر جھڑک دیا، انسانی دنیا کا معمولی شعبدہ اس میں کیا رکھا ہے اس سے نمایاں تو اس عورت ہی کی روح ہو گی جس نے اس روح کو جسد خاکی سے جدا کیا، جاؤ، جاؤ، ہٹ جاؤ۔

(۱۲)

آج آٹھ برس ہونے آئے، میرے پاؤں شل اور میرے پر چور ہو گئے ہیں آسمانی دنیا میں بھوک پیاس آرام تکلیف سب سے محفوظ تھا، ساری دنیا کی خاک چھان ڈالی ہندوستان سے لیکر سمندر پار تک پھر آیا۔ مگر ہر کوشش بے سود ہے۔ اب صرف اس عورت کی روح کی فکر میں ہوں، جس کو داروغہ نے نمایاں بتایا ہے، مگر وہ ہٹی کٹی موٹی تازی مزے سے جی رہی ہے، اگر تم اس کی روح قبض کر لو تو بہت بڑا احسان ہو۔

ملک الموت تو بھی جب بولے گا، بونگی! ارے بھائی خواہ مخواہ قبض کسیکی روح کر لوں، اور اللہ میاں کے جوتے کون کھائے، میں یا تو۔

مرقان بھائی یہ کہو پھر بھی حاضر ہے، ایک کے بدلے بیس مار لو، مگر اپنے یار ہو گے تو اس کی روح قبض کر لو گے۔

ملک الموت دیوانہ ہوا ہے میرے بس کا روگ نہیں، تو ایک کام کر سنکھیا لیکر اسکو کسی چیز میں کھلا دے، روح میں قبض کر لونگا۔

(۱۳)

رفعت جہاں تمہاری شادی کو ہفتہ بھر سے زیادہ ہو چکا، آج دسویں روز تم لکھتی ہو اظہر مر گیا، میری طرف سے تو مرا تو اور زندہ ہے تو، میرے بھاو میں وہ اور تم دونوں ہی مر گئے۔ تم اب میرے کس مطلب کی ہو، میرا اب تم سے واسطہ کیا، تم نے اپنی طرف سے تو یقین دلانے میں کسر نہیں کی اور اسکو اب تک بھائی لکھ رہی ہو، بات وہ کہو جو عقل میں آ جائے، میں ایسا بے وقوف نہیں کہ اتنی سی بات بھی نہ سمجھ سکوں، مجھ پر ان دنوں میں جو گذرنی تھی گذر گئی اور میری تعلیم کا جو صدمہ تھا وہ ہو چکا، اب مجھے تسکین ہے۔ میں اپنے خیال میں تو تمہارے چھوٹوں سے بھی فارغ ہو گیا، اب تمہارا خیال ہی میرے لیے باعث تکلیف ہے، اس کے بعد مجھکو خط نہ بھیجنا، اور آئندہ میرا خیال بھی نہ کرنا، تمہاری بدولت [illegible] مصیبت کا صدمہ میں سہہ چکا ہوں پردیس جا رہا ہوں کہ تم نے … جب تم نے مجھ جیسے شوہر کے ساتھ یہ سلوک کیا تو میں کیا توقع کر سکتا ہوں۔ "مختار"

(۱۴)

جوتے والے کی دکان پر شام کے وقت بیسوں نئی بوٹ شوز گرگابی اور جمپ یہ وہ میں قسم کا سامان دیکھ رہے تھے کہ ایک شخص نے آکر کہا: آپکے پاس سنکھیا ہے!

جوتے والا کیا چیز جناب

مرقان "سنکھیا"

جوتے والا منوں، کتنی لیجیے گا

مرقان "ایک روز کے قابل"

جوتے والا تشریف رکھیے، بھیرے والے ادھر آئیو، دیکھ آپ کیا مانگتے ہیں

کانسٹبل "کیا چاہیے تم کو"

مرقان "سنکھیا"

جوتے والا فرماتے ہیں فقط ایک آدمی کے لائق

کانسٹبل کیوں صاحب

مرقان ہاں بس ایک روح کی،

کانسٹبل نے ہاتھ تھاما۔ اور کوتوالی میں جاکر پیش کیا، تھانہ دار موجود نہ تھے محرر نے لکھا پڑھی کر کے حوالات میں داخل کیا۔

مرقان بھائی یہ کیا کرتے ہو، اس میں کیا ہے۔

کانسٹبل ابے اندر چل نہیں ایک لات دیتا ہوں۔

مرقان اس کی صورت دیکھ رہے تھے۔ کہ کانسٹبل نے ایک لات رسید ہی کر دی، اور کہا چل اندر ابے دوسروں کی روح کی فکر میں ہے، پہلے تیری روح قبض ہو گی،

مرقان آپ دنیوی ملک الموت ہیں۔

کانسٹبل (قفل لگا کر) اب دیکھیو! کون ہیں۔

مرقان ایک جگہ مصیبت آئی تو یہ نتیجہ ہوا۔ یہاں دیکھئے کیا ہوتا ہے، مگر سنکھیا کا کسی دوکاندار سے پوچھنا یا مول لینا کیا نافرمانی ہے، واہ چچا ملک الموت اچھا مروایا۔

تھانہ دار نے آتے ہی اسامی کو باہر نکلوایا۔ اور پوچھا کیا نام ہے بے تیرا مرقان خاموش تھے کہ کیا نام بتائیں، مرقان کو صرف چند روحوں کی پروا نہ سے معاملہ پڑا تھا، اور صرف بیماریوں کے نام جانتے تھے۔ کہنے لگے، میرا نام "بخار"،

تھانہ دار بخار! تو بغیر پٹے باز نہ آئے گا، ٹھیک نام بتا، دفعدار ذرا اس سے

نام تو پوچھو،

دفعہ دار نے میاں مرقان کے ایک تو تھپڑ دیا۔ اور دو گھونسے، پھر پوچھا بتا کیا اصلی نام ہے؟

مرقان .... کہانسی لکھہ لیجئے۔

اب تو تھانہ دار کو بھی غصہ آگیا، اور مارے ہنٹروں کے مرقان کی کھال اُڑا دی

مرقان اوہ! آہ! ہے، ہو، میرا نام سنکھیا، ایتھر، دوزخ، آدمی

تھانہ دار تھک گیا، اور پھر حوالات کر دیا۔

ملک الموت اپنے دوست کو چاروں طرف ڈھونڈھتے پھرتے تھے یہاں آکر دیکھتے ہیں تو مرقان حوالات میں بیٹھے ہنٹر کی بدھیاں دیکھہ رہے ہیں، زور سے ایک قہقہا مارا، اور کہا۔

"پیارے مرقان یہاں اڑے ہوئے ہو"

مرقان واہ بھائی اچھا پٹوایا۔

ملک الموت اچھا تو باہر آؤ، اور آیندہ سے کسی رُوح کی خواہش قبل از وقت نہ کرنا۔

(۱۵)

رفعت بیوہ ہونے کے بعد چھہ سات سال تک ماں باپ کے ہاں مزے سے رہی نثار کی بیوفائی کا خیال رفتہ رفتہ دل سے زائل ہوگیا، امیر کی بچی کھچی روپیہ نے اس کے عیب سب ڈھانک لیے اور ایک متمول رئیس سے شادی ہوگئی۔ پندرہ بیس برس تک نہایت لطف و اطمینان سے زندگی بسر کرتی رہی، سات آٹھ بچوں کی ماں بنی، بہوئیں آئیں، داماد آئے، اور آخر کار بڑھاپا، اور بڑھاپے کے ساتھ موت کا وقت بھی آن پہنچا، اب البتہ اسکو اپنے فعل پر ندامت تھی، اور اس کا

دل اس پر ملامت کرتا تھا، رات دن اسی ادھیڑ بن میں غرقاب رہتی تھی، شوہر بہوویں، بچے داماد سب دلجوئی کرتے، مگر اس راز کا جاننے والا سوا اس کے اپنے دل کے کوئی نہ تھا، ایک تکلیف تھی، جو کسی کروٹ چین نہ دیتی تھی ایک مصیبت تھی جس سے کوئی لمحہ چھٹکارا نہ ملتا تھا، موت کا خیال آتے ہی تھرا اٹھتی اور جانتی تھی کہ اب وہاں چلنا ہے، جہاں کا فیصلہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوگا جو رخسار پھولوں کی طرح تر و تازہ تھے، آج وہ جھریوں کا ڈھیر ہیں، اور جو آنکھیں بجلیاں گراتی تھیں، اب ان سے ہر وقت گنگا جمنا بہہ رہی ہے۔

وہ لوٹا سا قدر عنا کہ عالم جس پہ مفتوں تھا

خمیدہ ہوتے ہوتے رہ گیا بشت دو تا باقی

گنتی کے چند سانس جو باقی رہ گئے ہیں پورے کر لوں اس کے بعد بدلا اور عذاب آخرت ہوگا۔ اور میں ہونگی۔

رونا بے کار اور ندامت بے سود تھی، یہ دن بھی گذر گئے، اور پرواز روح کا وقت بھی آن پہنچا، ڈھیٹا ہوا تھا ہیبت طاری تھی، سکرات شروع ہوئی، دم کسی طرح نہ نکلتا تھا۔ تین دن تین رات اسی حالت میں پڑی رہی اور والے بھی بیزار ہو گئے خدا خدا کر کے روح نکلی۔ تو مرقعان خوشی خوشی لے کر داروغہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

داروغہ اس مظلوم شوہر کی روح سے یہ ظالم کچھ ہی تو پوچھا، کہ اس کے اعمالنامے میں کوئی بات تلخی ہے، مگر نہ ایسی کہ تیرا بیڑا پار ہو جائے۔

(۱۶)

جب قیصر کا وہ حسن جس کا سکہ کنبہ بھر پر بیٹھا ہوا تھا، ڈھلنا شروع ہوا تو احمد حسین کی محبت شہر بھر میں مشہور ہو گئی، خود بڑے کی طرح دیوار سے بدلنے لگا

دو چار دن کی آئی لگائی نہ تھی، نو برس کی گھر بھر بر تین بیاہی تہائی، پانچ بچوں کی. مگر تقدیر کی خبر نہ تھی، کہ بڑھاپے میں یوں مٹی پلید ہوگی. سچ یہ ہے کہ اس کا انقلاب حسن عبرت خیز تھا یا نہ تھا. مگر تعجب انگیز ضرور نہ تھا، کمبخت اٹھائیسویں سال بڑھیا ہو گئی، نزلہ کی شریک تھی، دانتوں نے جڑیں چھوڑ دیں، سر کو بھی نو لیس کی نیتیں سپید ہوگئے، ہر پانچ بچوں کی ہر برس ایک گود میں ایک پیٹ میں ایک سینہ پر ایک ٹانگوں پر غرض وہ مثل آل ہو گئی کہ جیسی ویسی بھی، لیکن ساتھا اور پاٹھا بھی غلط نہ نکلا، احمد بڑھاپے میں جوان ہوا اٹھارہ برس بڑا تھا. مگر آنکھیں کچھ اور ڈھونڈتی تھیں، بیوی کو دیکھا تو وہ اللہ کی بندی آٹھ آٹھ دن کپڑے نہ بدلے، چار چار دن سر نہ گوندھے، بچوں میں غرقاب، کسی چیز کا ہوش نہ کسی شے کی خبر. شروع شروع میں احمد نے اپنی طبیعت کا بیوی پر اظہار نہ کیا، مگر نو برس ساتھ رہی تھی، عادتوں سے آشنا مزاج سے باخبر، تیور دیکھتے ہی پہچان گئی مگر پی گئی احمد جس نے نو برس تک مغرب کے بعد گھر سے باہر قدم نہ رکھا تھا اب بڑے سے بارہ بارہ اور دو دو بجے رات کو آتا، اور پڑ رہتا، پھر اس کو جیلخانہ بچے اسکو زہر اور بیوی اسکو دشمن معلوم ہوتی۔

قیصر اپنے فرائض کی ادائگی میں کمی نہ کرتی، بچے سو جاتے، انگیٹھی آگ اور کھانا لئے بیٹھی رہتی، جب شوہر آجاتا اس کو کھلا دیتی تو خود بھی پیٹ بھر لیتی احمد کی اس بے التفاتی کا خیال دن بھر تو اسکو بچوں کی ریں ریں میں آہی نہ سکتا تھا. ہاں رات کو عالم تنہائی میں اکثر سوچتی تھی، اور بالخصوص کھانا کھلاتے وقت جب سامنے بیٹھتی اس کا منہ تکتی اور وہ بات تک نہ کرتا تو دل ہی دل میں اتنا ضرور کہتی کہ کیا خدا کی شان ہے۔

قیصر کوئی بڑی عورت نہ تھی اصل نسل سیدانی راجہ کمال پور کی حقیقی بھانجی

اور کمال پوری سید الٰہی توبہ اگر اُڑتی سی خبر سُن پاتے تو احمد کی تکا بوٹی کر دیتے مگر احمد کی آنکھوں پر تو کچھ ایسی پٹی بندہی تھی، کہ بالکل چراغ پاؤں ہی ہوگیا، تاک میں تو عرصہ سے ہی تھا، اتفاق کی بات شہر میں ایک قحبہ آئی، چار و نعارات جال پھیلایا میاں احمد کو بھی خبر ملی، ان کے پھانسنے کے بھی ڈورے ڈالے جو نیدہ یابندہ ملاقات کا وقت مقرر ہوا، اور رات کے نو بجے احمد اس قحبہ کے گھر پہنچے۔

یہ حسینہ جس کا نام بیگم تھا، چالیس برس سے کم عمر کی عورت نہ تھی گو رنگ گورا تھا مگر جھریاں پڑی ہوئی، بدن لاکھہ کسا ہوا تھا۔ مگر ڈھیلا پڑ چکا تھا سب سے بڑی جبیت اس کا اس چیز سے محروم ہونا تھا جو بہو بیٹیوں کو اولاد کی پیدائش و سلامتی میں برباد کر دیتا ہے۔

احمد پہنچے تو شتابی پردہ میں بیٹھی، مگر اس طرح کہ گورے رنگ کی جھلک احمد کی اندھی آنکھوں کو لوٹ پوٹ کر گئی۔

بیگم کے ماموں نواب صاحب! تقدیر کی خبر نہیں ہوتی۔ یہ بیگم جس کے دروازے پر دس دس گھوڑے بندھے ہوئے تھے، آج اس لائق ہے، کہ آپ غیر مرد ہو کر اس سے بات کر رہے ہیں، (رو کر) دیکھئے خدا کیا دکھاتا ہے، میں اس وقت کے واسطے ہی زندہ رہ گیا تھا، ہم کابلی مغل ہیں، ہماری بیٹیاں آج تک سیدوں میں نہ گئیں، اور فقط یہ ہی ایک ضد تھی ورنہ ڈیڑھ لاکھہ کا مہر نقد کمال پور والے باندہ رہے تھے۔

احمد ماموں صاحب! آپ کچھہ خیال نہ فرمائیے، دل کو تسکین دیجئے، اللہ مالک ہے۔ میں کسی قابل نہیں ہوں، چار سو روپیہ ماہوار کی جایداد ہے، یہ حاضر ہے۔

ماموں ہاں جناب سچ ہے، دو ڈہائی ہزار پر نہ تھوکا، اب جو کچھہ ہونا ہے

دو ہو گا، ہم تو یہاں اس لیے ٹہر گئے تھے، کہ ابراہیم علی شاہ کے مزار کی زیارت کرلیں کل چلے جاویں گے۔ احمد کو تاب کہاں تھی۔ منت کی خوشامد کی۔ ہاتھ جوڑے اور ۲۵ ہزار مہر پر بیگم احمد کے نکاح میں آ کر اس محلسرا میں جو قیصر کے جہیز میں ملی تھی داخل ہو گئیں۔

معصوم بچے اس قابل نہ تھے کہ بدنصیب ماں کو اس صدمہ میں کچھ مدد دیتے کھانے کا تمام انتظام بیگم کے سپرد ہوا، اور یہ چار سو روپیہ کی آمدنی جو قیصر کی ذاتی جائداد کی تھی بیگم کے ہاتھ میں جانے لگی، اگر لونڈیوں، ماماؤں کی طرح بھی بیگم ہاتھ اٹھا کر دیدیتی۔ تو قیصر شریف بیٹی تھی، صبر کرتی اور لے لیتی، مگر اس کمبخت نے تو یہ غضب کیا۔ کہ قیصر کی جانی دشمن ہو گئی۔ اور بچوں کے خون کی پیاسی ایک روز کا ذکر ہے، احمد کے آنے سے پہلے سنگدل کلیجہ کے درد کا بہانہ کرکے پلنگ پر لیٹ رہی، احمد نے آکر دیکھا، تو بیتاب ہو گیا، ہتیرا پوچھتا ہے، مگر مکار ٹک کچھ نہیں کہتی۔ بڑی مشکل سے کہا۔

اللہ کے نام کی برکت خالی نہیں جاتی مجھے کیا خبر تھی۔ کہ ماموں جان میری جان کے دشمن ہیں۔ اور مصیبت میں پھنسا رہی ہیں، ہر وقت کے تعویذ گنڈے ٹونے ٹوٹکے دیکھ لو۔ کلیجہ نکلا پڑ رہا ہے، اگر میں بچ گئی تو اتنا احسان کرنا۔ کہ ٹھیکے بھجوا دینا۔ صبح ہی کو دہلیز میں سے کلیجی کی بوٹی پڑی ہوئی ملی ہے۔"

رات کے دس بج چکے تھے، احمد غصہ میں باؤلا اور رنج میں پریشان ہو رہا تھا۔ حکم دیا، کہ قیصر ابھی اس گھر کو خالی کر صمد والے مکان میں چلی جائے۔

رات آدھی کے قریب آگئی، تقاضے سخت ہوئے نو برس کے بچے سے کہا "اپنے ابا سے کہو ڈولی لادیں"

احمد اسوقت ڈولی تیار کرا رہی تھی۔ صمد کچھ دور نہیں ہے، بڑے میاں

جاکر پہنچا دینگے۔ تارے قدرت کے اس کھیل پر ہنس ہنس کر غائب ہو رہے تھے۔ دو بجے کے قریب قیصر برقع اوڑھ بچوں کو گود میں، اور ساتھ لے تین کوس کے فاصلہ پر کٹہرا گھر چھوڑ چھاڑ روانہ ہوگئی۔

دن صاف نکل گیا، اور رات سر پر آپہنچی، مگر معصوم بچوں اور بدنصیب بیوی کے منہ میں کھیل کا دانہ اڑ کر نہ گیا، مغرب کے وقت قیصر نے اپنا ایک چھلہ جو ماں کی نشانی تھا، بڑے بچے نصیر جس کی عمر سات برس سے زیادہ نہ ہوگی دیا اور کہا اس کو بیچ کر آٹا لے آؤ، بچہ لے کر گیا، صرافوں کی دکان سے ناواقف تھا۔ چاروں طرف پھرا مگر کوئی اللہ کا بندہ ایسا نہ ملا۔ کہ اس کا کام کر دیتا، ایک ایک کا منہ حسرت سے دیکھتا۔ اور تکتا۔ سونے کا چھلہ دیکھ کر ایک شخص کے منہ میں پانی بھر آیا روپیہ اس کے ہاتھ پر دھرا اور چھلا لے چلتا ہوا۔ نصیر کو دیر ہوئی۔ تو امتا کی ماری دروازے میں آکر کھڑی ہوئی، دل میں ہزاروں وہم آتے تھے۔ کبھی کہتی کہ کوئی پکڑ لے گیا کبھی خیال آتا تھا۔ کہ کسی نے گلا گھونٹ دیا ہوگا۔ کلیجہ دھکڑ دھکڑ کر رہا تھا۔ ذرا سی آہٹ پر بے تابانہ دوڑتی تھی، مگر پھر پلٹ آتی تھی، نیا محلہ بھلا روز کس سے پوچھتی اور کیا پوچھتی، کلیجہ پر گھونسے مارے اور کہا "اے کمبخت پیٹ کیا غضب کروایا۔ کیا کروں، کہاں جاؤں، پیٹ پکڑے انگنائی میں آئی اوپر دیکھتی اور کہتی، اے مولا! میں قربان میرا بچہ صحیح سلامت آجائے

دس بجے کی توپ چل چکی تھی، کہ نصیر آتا ہوا دکھائی دیا دوڑ کر اس کی بغل میں سے آٹے کی پوٹلی لی اور گود میں اٹھا کر پیار کیا، اور گھر میں لائی، جلدی جلدی آٹا گوندھا، بچے چار پہر کے بھوکے تھے، روٹی کھلائی، اور اللہ کا شکر کرتی ہوئی سب کو کلیجہ سے لگا زمین میں پڑ رہی۔

اس میں کیا قباحت ہی کہ اب تم مجھکو میرے میکے پہنچا دو۔

احمد۔ بیگم! قیصر اور اس کی تمام اولاد تم پر سے قربان کر دوں، تم کیوں ایسی باتیں کرتی ہو، تم کو میرے کہنے کا یقین نہیں ہی، جو کہو وہ کرکے دکہا دوں میں خدا سے چاہتا ہوں کہ سب کے سب کم بخت مر جائیں، مگر غارت بھی تو نہیں ہوتے تم کو سب بتا دو تکلیف نصیر سے پہنچی ہی، میں ابھی کم بخت کو دنیا سے کہو دیتا ہوں۔

اتنا کہہ کر احمد اُٹھا، اور سیدھا یہاں پہنچا۔ قیصر میاں کی صورت دیکھتے ہی سہم گئی، کہ دیکھئے کیا ہوتا ہی، گھر میں پان نہ تھے، کہ بنا کر، حقہ نہ تھا کہ بھر کر اس کے سامنے رکھتی، بچے باپ کی صورت دیکھتے ہی لپٹ گئے، مدتوں کے ترسے ہوئے تھے، عید ہو گئی، احمد کے ہاتھ میں حلوا تھا نصیر کو کھلایا، اور کچھ دیر بیٹھکر چلنے لگا۔ تو قیصر اُٹھکر سامنے آئی اور کہا۔

مجھے تم سے شکایت نہیں، قدرت کے قانون یہی ہیں، میری صورت اس قابل نہیں رہی کہ تم کو اپنی طرف مائل کر سکتی مگر اپنی عنایت سے اور کرم سے میری تقصیروں کو معاف کر دو۔

احمد نے اس کا جواب دیا، اور چلا گیا۔

رات کے بارہ بجے تھے، کہ نصیر گھبرا کر اُٹھا، اور کہا اماں جان ہائے کیا کروں میرے کلیجے میں کوئی چھریاں بھوکتا ہی۔ اُٹھ گئی دست آئے خون کی قے ہوئی، اور ایک وہی گھنٹہ میں سات برس کا پلا پلایا بچہ قیصر کے ہاتھوں میں تھا ایک ڈھنڈار گھر میں جہاں چار بچوں کے سوا آدمی نہ آدم زاد، قیصر ایک سات برس کے ہیلو ٹھی کے بچہ کو گود میں لیے بیٹھی ہی۔ بچہ بے ہوش پڑا ہی، آوازیں دیتی ہے چیختی ہی۔ چلاتی ہی، ننھے ننھے ہاتھ اُٹھا کر آنکھوں سے لگاتی ہی، اور کبھی سے

اے کم بخت تقدیر کیا دکہا نا ہی، میرا سات برس کی کمائی، میرا بہلا دا
سا لال، میرے کلیجہ کا ٹکڑا، اے مولا میرا نصیر، میرا بچہ، میرا دلہا، میرا چاند
اے مولا! اے مالک، اس سے پہلے مجہہ کو موت، سب ہوگئے، تو سنتا ہے
سب چہوڑ گئے، تو دیکہہ رہا ہی، بے گناہ ہوں، بدنصیب کا بچہ اُٹھا اور کہا
ہائے اماں! ابا جان کا حلوا کڑوا تھا۔

سنتے ہی ایک گہونسا سا لگا، کہنے لگی ہائے ڈاکٹر کے ہاں کون لے جائے
حکیم کو کون دکہائے، ہاتھ پاؤں نیلے ہوگئے، صدقے ہوں، قربان ہوں
آہ زندگی کیا دکہا رہی ہی۔ اب بچہ پھر اُٹھا۔ مگر اُٹھا نہ گیا، چند لمحہ سر دھنا اور
تڑپ تڑپ کر ختم ہوا، چہرہ کو غور سے دیکہا، اور یہ کہکر ایک چیخ ماری۔
"ہاں میاں نصیر بدنصیب ماں کا فاقہ بھی تڑوا گئے اور آٹا لا کر روٹی پکوا دی"

(۱۸)

قاضی آپ فرمائیے آپ کی شہادت یہ ہی کیا واقعی اس بچہ کے قتل کا باعث
یہی عورت ہی۔

احمد بیشک یہ بچہ میری دوسری بیوی بیگم کا تھا۔ اس کم بخت قیصر نے جواب
شرمیلی بنی چادر سے منہ سر چہپائے کہڑی ہی اسکو زہر دیا۔ ہر وقت اسکو کہلاتی
رہتی تھی، اور ہم سمجہتے تھے کہ محبت کرتی ہی، مگر کیا خبر تھی، کہ یہ ایسا غضب ڈہائیگی
اس نے زہر دیا، اور صرف اس لیے کہ سوکن کا بچہ تھا۔

شوہر کی شہادت پر قاضی نے موت کا فتوے صادر کر دیا۔ اور کاغذات
بغرض منظوری امیر کی خدمت میں بہیجدیے گئے۔ تاریخ مقررہ پر قیصر امیر کی خدمت
میں پیش ہوئی۔

امیر کیا واقعی تو اس بچہ کی قاتل ہی۔

قیصر بیشک ہوں۔ اس لیے کہ میرے شوہر کا بیان ہے۔

امیر تونے کیوں معصوم کو زہر دیا۔

قیصر اسی لیئے، جو میرا شوہر کہتا ہے۔ کہ سوکن کا بچہ تھا۔

امیر کل تجھے پھانسی دیجائے گی۔ کوئی آخری آرزو ہے۔

قیصر گنہگار ہوں خدا کی، اور شوہر کی، خدا سے رات بھر التجا کروں گی، کہ معاف کردے۔ شوہر سے آپ سفارش کیجئے کہ وہ مجھہ سے ناخوش ہے۔ اس آخری وقت میں میرے قصوروں سے درگذرے۔

امیر تیری صورت پر رحم آتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ چھوڑ دوں۔

قیصر میرا شوہر اس سے خوش نہ ہوگا۔ اس لیے میں بھی خوش نہیں ہوں

امیر نے اپنے ہاتھ سے ہتھکڑیاں کھولدیں، اور کہا جا اپنے گھر جا مجھے سب معلوم ہے۔ قیصر اس رہائی سے زیادہ خوش نہ تھی، گھر پہنچی، تو معلوم ہوا، کہ اس کی حالت قید میں دوسرا بچہ عرفانی دنیا سے اٹھ گیا، اکرامی اور نصرت یہ دونبچے اس گھر میں پڑے پڑے رات کو صبح اور صبح کو شام کردیتے۔ محلے کے لوگ ان کی حالت پر رحم کرکے دونو وقت کھانا پہنچا دیتے تھے، نصرت پانچویں برس میں تھا اور اکرامی چوتھے برس میں۔ کیسا نازک وقت ہوگا کہ سنگدل باپ ایک شہر کے شہر دنیا بھر کے مزے اڑا رہا تھا۔ اور یہ دو خدا کی زندہ مخلوق معصوم جن کی بیگناہ ماں جیلخانہ میں تھی، ٹٹروں ٹوں اس گھر میں پڑے ہوئے تھے۔ ماں کی صورت دیکھتے ہی دوڑ کر لپٹے، کلیجہ سے لگایا، روئی۔ چھاتی پر لٹایا۔ آنسو نکلے، دونوں کو لیے بیٹھی تھی، کہ نصرت نے کہا۔ اماں بی، عرفانی بھائی کو سفید سفید کپڑے پہنا کر سلا دیا اور کھٹولے پر لٹا کرلے گئے، چلو! اب ان کو جگا لاؤ۔

بچے کو پیار کیا۔ کلیجہ نکل پڑا۔ اور یہ کہکر بے ہوش ہوگئی۔

عرفانی میاں قیدن ما سے ملکر بھی نہ گئے، کیوں میاں خفا ہو گئے۔

ہاں ہاں اس لیے کہ باپ دادا کی ناک ماں نے کاٹ دی، ما کی صورت نہ دیکھی

اچھا میاں اچھا، سوؤ بیٹا سوؤ، جنگل میں سوؤ، آرام کرو، بیگم کے دل میں قیصر کا کانٹا ایسا گھسا تھا۔ کہ کوئی لمحہ اس کے اجاڑنے سے غافل نہ ہوتی تھی، دن رات یہ تسبیح تھی، اور رات دن یہی ذکر، بیس سیر گیہوں اور دس سیر دال ماہوار بھیجدیا کرتی، مگر یہ بھی گوارا نہ تھا، ٹھیک دوپہر کا سنسان وقت تھا۔ کہ ایک روز بیگم پالکی میں سوار ہوکر قیصر کے ہاں "بدنصیب قیصر کے ہاں کیا رکھا تھا، پھر بھی تعظیم کو اٹھی اور یہ سمجھکر کہ احمد ناخوش نہ ہو جائے اس کو جھک کر سلام کیا۔ احمد اس کے جلو میں حاضر تھا۔ نصرت سے کہا بیگم صاحب کو سلام کرو، بچہ بچہ ہی تو تھا ضد آگئی، سلام نہ کیا، بیگم بولی۔

"دیکھو، سانپ کے سپولیے ہی ہونگے"

احمد کو کہاں تاب تھی، بید ہاتھ میں تھی، پانچ سات سڑاسڑ ایسی لگائیں کہ خون نکل آیا، بیگم ہنستی رہی، قیصر نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے کر آنکھیں بند کرلیں، جب یہ دونو چلے گئے، تو دیکھا بچہ بیہوش پڑا ہے، روتی ہوئی آئی زخموں پر منہ رکھدیا۔ اور کہنے لگی، ایک بدنصیب ما کے کارن باپ کی یہ مار بھی کھالی، دکھیاری کے گھر میں کپڑا کہاں تھا، دوپٹہ پھاڑ کر دھجیاں پانی میں بھگو بھگو کر اس کا خون پونچھا، اور کلیجہ سے لگا کر پڑ رہی۔

اب انتہائے مصائب نے قیصر کو دیوانہ بنا دیا تھا۔ نصیر اور عرفانی کی موت ایسی نہ تھی۔ کہ قیصر سنبھلی رہتی، کلیجے میں گھونسے لگتے، آنکھوں میں اندھیرا آتا، دل میں ہوکیں اٹھتیں، چیخیں مارتی، اور دروازے پر چلی جاتی، پھر لوٹتی، سجدے کرتی، روتی، گڑگڑاتی اور دعا کرتی۔

رحم! اے مولا رحم!

زندگی کی کل کائنات اور دنیا کا تمام اثاثہ اب دو بچے اکرامی اور عصرت تھے
ان کو دیکھتی اور روتی، رات کو جب دنیا عالم خواب میں ہوتی، تو کروٹ سے
پلٹتی اور کہتی مجھے احمد کی کیا پروا ہے، اللہ میرے اس شوہر کی عمر دراز کرے
میرا شوہر تو یہ ہے، اس کی دلہن لاؤں گی، گھر والی بنوں گی، دکھیاری کا لال
ساری کسر نکال دے گا، دفعتہ گھبرا جاتی۔ اور سوچتی، ہائے کیسے کیسے پھول ہری
ہری کونپلیں سامنے سے اٹھ گئیں، ٹوٹ گئیں، قیصر عرفانی دونو ہائے
دونو کلیجہ اجاڑ گئے، خیر شکر، الہی شکر، شکر،

ظالم کا ظلم اور سنگدل کی جفا کسی طرح ختم نہ ہوتی تھی، گھبرا اٹھی اور سوچنے
لگی کہ اب طاعت کی حد ہو گئی چچا اور ماموں دونو زندہ بیٹھے ہیں، چلی جاؤں
مگر ساتھ ہی خیال آیا، کیوں قیصر سادات کے خون کا دھبہ قیامت کے روز
تیری گردن پر ہوگا، باپ دادا کی عزت تیرے ساتھ اور بڑوں کی لاج
تیرے پاس ہے۔ دنیا فانی، کنواری کا عیش نہ رہا بیاہی کی خوشیاں نہ رہیں
سوکن کا جلاپا رہنے والا نہیں، احمد مالک ہے، آقا ہے، مجازی خدا ہے، خوش
رہے آباد رہے کنیز ہوں، لونڈی ہوں، جس طرح رکھا رہی اور جسطرح رکھیگا رہونگی

اکرامی کی طلبی کا حکم پہنچا، سہم گئی کہ وہ باپ جو ایک بچہ کو اپنے ظالم ہاتھوں
سے زہر دے چکا، اس مینا کی گردن توڑ دے گا، ارادہ کیا کہ انکار کر دے
مگر پھر سوچا، بچے اس کے ہیں، میں کون ہوں، مامتا ہے، ہو، مالک وہ باپ وہ
میں کون بچی کو نہلایا، دھلایا، پھٹے پرانے کپڑے جوڑ جاڑ، رنگ بندہ، پہنا
پہنو تیار کیا۔ سامنے کھڑی ہوئی تو مینا کہنے لگی۔

بس تو اما ہم جاتے ہیں، لو پیار کر لو

دل بگڑ رہا تھا۔ اتنا سنتے ہی بیتاب ہوگئی۔ گود میں اٹھا لیا۔ اور کہا

اچھا بی بی جا خدا حافظ،،

اکرامی کی داستان مصیبت نہایت جگر خراش ہے ستم شعار بیگم جس کے پہلو میں دل نہیں پتھر تھا، نت نئے ظلم پانچ برس کی جان پر توڑتی، سالن کی بھری بھری پتیلیاں ننھے ننھے ہاتھوں سے اٹھا کر، اور آگ کی لبالب انگیٹھیاں باورچی خانہ سے بھر کر لاتی، بارہ بارہ بجے رات تک بیگم کے پاؤں دباتی، اور نماز کے وقت اٹھادی جاتی، کہ آگ سلگائے،

یہ وہ وقت تھا کہ دو بچے مر گئے، اور ایک بیٹے پی نصرت سے چھوٹ چکے تھے اور صرف ایک بچہ نصرت گود میں رہ گیا تھا۔ رات کو ایک دن اتنے عرصہ بعد احمد کی بیوفائی کا خیال آیا۔ دل سے کہنے لگی، انقلاب حسن کی ہیں ذمہ دار نہیں ہوں قدرت کے انتظام ہی ہیں، اور اگر عقل سلیم ہو تو ہر تغیر کا بار احمد کی گردن پر ہے جو ہمیشہ ہوتا قدر کرتا، غور کرتا، سمجھ جاتا۔ مگر ہاں مجھے یہ کہنے کا کیا حق، وہ مالک ہے، مولی ہے۔ آقا ہے، شوہر ہے، جو کیا خوب کیا، جو کر رہا ہے اچھا کر رہا ہے۔ اکرامی کی یاد کلیجہ تڑپا رہی ہے، کیا کروں، کہاں دیکھوں، پر نہیں، اڑ کر جاؤں یہ پتہ ہم کو نہ چل سکا۔ کہ اکرامی کی شرارت تھی یا قیصر کی بدبختی بہر حال ہمارے سامنے کا واقعہ یہ ہے، کہ اکرامی بخار میں تلملاتی ما کے پاس پہنچ گئی، بچی کو مطلق ہوش نہ تھا، اور اب قیصر بھی اس درجہ کو پہنچ گئی تھی کہ اسکو زیادہ احساس نہ تھا۔ البتہ گم سم تھی، ایک خیال تھا۔ کہ آتا تھا، اور وہ یہ تھا کہ دیکھئے اکرامی کیا صورت دکھاتی ہے، دن کے دو بجے ہونگے، بچی نے آنکھ کھول کر ماں کو دیکھا پھر بھی بیٹھی تھی، اور ضبط کر رہی تھی، مگر مامتا نے کلیجہ کو چیر ڈالا، جھپٹ کر ہاتھ اٹھا گلے میں ڈال لیے، بچی نے پانی مانگا، لینے گئی، تو پانی کی

بو بند ہونے میں تھی، یہ کہکر خاموش ہوگئی۔

"شکر ہے"

بچی رہنے والی نہ تھی ماں کی گود خالی کر گئی، یہ وہ موت تھی جس نے قیصر کے خیالات کو تبدیل کردیا، رات کا آنا تھا کہ بچے کو گود میں لے کر باہر نکلی اور احمد کی طرف چلی، مگر بہر پر پہنچی تھی کہ ایک شخص دکھائی دیا، جس کی صورت بالکل باپ کی تھی، اس نے ڈانٹا اور کہا

"قیصر کیا غضب کرتی ہے یہ مصیبتیں سدا رہنے والی نہیں ہیں، باپ دادا کی پاک روحیں تیرے صبر و تحمل کو دیکھ رہی ہیں جا، گھر میں بیٹھ اور شکر کر، قیصر بات جب ہے کہ شوہر کی اطاعت میں فرق نہ آئے، اور لطف یہ ہے کہ بہ رضا اس سے رخصت ہو"

آدمی آنکھ سے اوجھل ہوگیا، سہمی، ڈری، بچہ گود میں تھا۔ لوٹی اور گھر آئی، وضو کیا، نماز پڑھی، لیٹی تو نصرت، خاندان کا چراغ، ہمیشہ کی نیند سو چکا تھا، ایک چیخ مار کر یہ کہتی ہوئی گری،

"اللہ اللہ ایک بھی نہ رہا"

قیصر میں کچھ نہ تھا، روح نے عالم بالا کو پرواز کیا، یہ وہ وقت تھا کہ خدا نے ہزاروں ارمانوں اور منتوں سے بیگم کو بیٹا دیا، آج اکرم کا چلہ تھا، اور سینکڑوں روپیہ کی ریل پیل ہو رہی تھی، مرقان اس روح کو لیکر عالم بالا کو جا رہا تھا کہ قیصر مرقان سے اجازت لے کر ہٹ گئی، ٹھیک اسوقت جب بیگم کی خدمت میں احمد دست بستہ حاضر تھا۔ یہ آواز آنی شروع ہوئی۔

ہو خضر کی عمر احمد کو عطا ہشاش رہے دل شاد رہے

اس چندر کی جوت اترو کہن یہ تیری سبھا آباد رہے

اکرم سے بڑوں کا نام چلے اس لال سے لاکہہ بسیں کہیڑے
سنسار میں دہوم اس لال کی ہو اقبال کے ہوں پر ڈیرے
بیگم سے بڑہیں پہلیں تیری سکہہ چین کی ہو ہر دم گہڑیاں
دن رات سماں یہ عیش کا ہو، دولت کی پڑیں تجہہ پر جہڑیاں
مکہڑے کی ترے شیدا لونڈی، قدموں کی ترے ہو کی قیصر
اب تیرے دوارے آئی ہے کچہہ رحم کی اس پر ہووے نظر
حقدار نہیں بھکیارن ہوں ہنتی ہے مری کچہہ زور نہیں
بپتا کے ہیں دو انچر میرے کچہہ جہوٹ نہیں غل شور نہیں
ننگی بھی رہی فاقے بھی کئے سب درد سہے بپتا بھگتی
چادر نہ ملی پنکہا نہ ملا سب بیت گئے جاڑا گرمی
فاقوں پہ پڑے فاقے پیہم اک دانہ صبح و شام نہو
عرفان کے دانت سے دانت بجیں گہر بہر میں روٹی کا نام نہو
شربت کو ترستی اکرامی، اس گود میں ماں کی دم توڑے
صورت کو پہڑکتا عرفانی، ماقید میں ہو دنیا چہوڑے
ماباپ کی مجہہ سے لاج گئی، پردہ ٹوٹا وہ آن گئی
آئی نہ زباں پر اُف لیکن سچ کہہ احمد قربان گئی
لے ہاتھ اُٹھا، کرپا کر تو، دے آج تصدق اکرم کا
کچہہ تیاگ نہیں کچہہ جوگ نہیں، بس صدقہ اترن بیگم کا
ہو یاد اگر نصرت پیارا بیدردی سے تہا جس کو مارا
بے گور و کفن ہر گہر میں پڑا کیا درد بہرا ہے نظارہ
کیا کیا نہ ستم توڑے میں نے کیا کیا نہ غضب اور قہر کیا

سادات کی لاج گنوا کے چلی، پالا کو اپنے زہر دیا
دنیا میں نہ تھا حامی کوئی، شاہد ہے پر اک قدرت والا
اندھیارے کا دُکھن ہارا وہ نینن والا عزت والا
دربار بڑا سرکار بڑی بیکس کی حمایت لے گا وہ
جن آنکھوں نے دیکھا حرف بحرف قیصر کی شہادت دیگا وہ
جانے دو چلو سب ٹھیک سہی اس صبح کی آخر شام تو ہے
قیصر کے کلیجہ کا ٹکڑا کہنے کو تمہارا نام تو ہے؟
ہے نام کی لاج ابھی باقی ٹھیری ہوں فقط اتنے کارن
عزت پہ لگے گا دھبہ یہ گر ہمکو ملا غیروں کا کفن
وہ جان کی قسمیں لاکھوں ہی، وہ قول و قرار امید و اثر
بچپن کی کتھا گر ذہن میں ہو، گھونگٹ کے ہوں وعدے یاد اگر
ان سب کے حوالے دیتی ہوں تو اتنی بتا سن لے میری
اٹھو اوے مرا بچہ، احمد! لونڈی تیری چھیری تیری
لونڈی کا تری بچہ نصرت! معصوم کا مردہ ہے احمد
بیدردوں کے ہاتھوں سے کٹا مظلوم کا مردہ ہے احمد

قیصر کی صدا بیکار رہی، اچھا رخصت حافظ ہے خدا
کہلاتی تھی بیوی جیسی بھی تھی، کر معاف مری اب ساری خطا
تو دونو جہان میں شاد رہے جاتی ہوں میں بس دل صاف کیا
جو تو نے کیا وہ خوب کیا، آباد رہے سب معاف کیا
اک جلوہ فانی تھا احمد! بہتر نہ رہی بدتر نہ رہی

وہ دن نہ رہے راتیں نہ رہیں نہ رہے بچے نہ رہی قیصر نہ رہی

صدا کے شروع ہوتے ہی شادی کے گھر میں جہاں کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی ایک سناٹا چھا گیا۔ احمد کھڑا تھر تھر کانپ رہا تھا "قیصر نہ رہی" کا کہتے ہی صدا ختم ہوگئی اور اس کے ساتھ محلہ والوں نے دونوں بیٹیوں کی خبر موت پہنچائی، بیوی کے ابتدائی حالات، اس کی مصیبتیں، صبر و تحمل، اپنا ظلم، اس کی بے گناہی سب باتیں یاد آگئیں، تڑپتا ہوا اوپر گیا کہ کہیں نظر آجائے تو قصور معاف کراؤں، مگر کیا رکھا تھا۔ اوپر آیا، تو نصرت چارپائی پر اور پٹی کے نیچے زمین پر قیصر کا جسد خاکی پڑا ہوا تھا، پھٹے ہوئے میلے کچیلے کپڑے تھے، مگر چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا۔

مرقان لاکھ انسان نہ تھا۔ مگر قیصر کی صدا نے دل پگھلا دیا، پہنچا، تو بات نہ نکلتی تھی، داروغہ نے دور سے آفریں مرحبا کی صدائیں قیصر کی پاک روح تک پہنچائیں اور مرقان سے کہا، یہ روح بے شک وہ روح ہے جس پر نہ صرف نسوانی دنیا ناز کر سکتی ہے، بلکہ کمال پور کے سید جسقدر فخر کریں کم ہے اس سے پہلے چھ روحیں کہنے کو گنہگار تھیں، مگر تمہارا مطالعہ قابل داد ہے، کہ ان سے بھی کام کی باتیں پیدا ہوئیں، پہلی دو روحیں دنیا والوں کو بتا رہی ہیں، کہ خوف خدا سے لرزنے والے گنہگار، شقی القلب گندم نما جو فروش ریاکار مردوں سے بہتر ہیں، تیسری اور چوتھی، یعنی حسینہ و مغیرہ کی روحیں سبق دے رہی ہیں، کہ تعلیم کے نقص نے قدرت کی ایک ہی مخلوق میں کیسا فرق کر دیا۔ ناقص اور ادھوری تعلیم جو برائے نام تھی، بالآخر حسینہ کی بربادی کا باعث ہوگئی، چونکہ دنیا کے نشیب فراز سے واقف نہ تھی، مکار کے جال میں آگئی

اور عصمت کو کھو بیٹھی۔ اگر تعلیم کا پورا انتظام ممکن تھا، تو اس کا بہو بنے
کی میں پلنا ٹھیک تھا۔ اس کے مقابلہ میں منیرہ باوجودیکہ خود فریفتہ تھی
مگر دنیات اچھی طرح باخبر، اور نتیجہ سے پوری آشنا، جذبات کو دبا گئی، اور
ثابت کر دیا کہ اگر تعلیم اور صحبت خیالات کو درست کر دیں، تو عورت اس طرح
نفسانی خواہشوں کا خاتمہ کر سکتی ہے۔

پانچویں روح نارضامندی کی شادی کا کھلا ہوا نتیجہ ہے، اور سبق ہے
ان والدین کے واسطے جو یہ سمجھ کر کہ لڑکی یہاں خوش نہیں زبردستی دھکیل
دیتے ہیں۔ چھٹی روح کے کارنامے کا ہر حرف یہ کہہ رہا ہے کہ کسی مذموم
فعل کے ارتکاب کے بعد خود انسان کا اپنا نفس اس پر ہمیشہ ملامت کرتا ہے
اور دنیا کی کوئی خوشی اس جرم کی تلافی نہیں کر سکتی۔ ساتویں وہ روح ہے
جس کے واسطے آج جنت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، اس نے اپنی جان سے
سادات کی لاج اور بزرگوں کی شان میں فرق نہ آنے دیا۔ ان میں ہمیشہ
راج کرے گی۔

تمہارا قصور معاف ہوتا ہے، جاؤ اور اس پاک روح کو جس کے تصدق
میں تمہاری مغفرت ہوئی اس باغیچہ میں چھوڑ دو جس کے دروازے پر لکھا ہوا ہے

صالحات

نیک بیبیاں

شامِ زندگی

زندگی کی بہار ہندوستان میں صدیوں سے خزاں رسیدہ ہو۔ کبھی جاتی ہو خلقت جی جاتی ہو مگر درحقیقت بدتر ہو جینے کی بنیاد گھرداری پر ہو اور گھرداری عورت کا دوسرا نام ہو۔ عورت کی حالت یہ ہو کہ نہ وہ اپنی آدمیت کا حسن کہتی ہو نہ مرد کی طلب زیست کو سمجھتی ہو۔ مرد روتے ہیں۔ عورت حیوان ہو۔ عورت کہتی ہو مرد نادان ہیں نہ اُنکو صبح زندگی کی خبر نہ اُن کو شامِ حیات سے سروکار مولانا راشد الخیری دہلوی نے قلم اٹھایا اور صبح زندگی کا خاکہ کھینچکر دکھادیا کہ ناحق زندگی کرکری کرتے ہو۔ جینے کی ابتدائی بہاریں ہوتی ہے عورتوں نے مردوں نے جو اس خاکہ کو جسکا نام صبح زندگی تھا۔ دیکھا پڑھا تو جانا کہ زندگی شروع کرنیکا ہم سب کو یہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے جو کتاب صبح زندگی میں ہو۔ مولانا راشد زندگی کو دوپہر کی دھوپ میں چھوڑکر چپ ہوگئے۔ تو ہند کے چاروں کھونٹ سے آوازیں آئیں کہ زندگی کو شام تک پہنچاؤ۔ ادھر میں نہ چھوڑو۔ انہوں نے قلم برق رقم پر انگلی رکھدی۔ اور شامِ زندگی چمک کر نمودار ہوگئی۔

شامِ زندگی کتاب ہو صبح زندگی سے زیادہ لاجواب ہو۔ عورتیں اس کتاب کو پڑھ لیں اور میاں سے پڑھوالیں تو اُنکو اپنی زندگی کا مزا آجائے اور مردوں کی زندگی بھی بہشت بنجائے شامِ زندگی ایک دلچسپ قصہ ہو۔ درد و غم کا افسانہ ہو۔ بینظیر اردو کی ہمسر ہو۔ جو پڑھے ہنسے۔ روئے مزے لے پھر پڑھے۔ پھر سوچے اور بے اختیار ہوکر پھر پڑھے کسی طرح جی نہ بھرے۔ یہ عجیب جادو اس کتاب میں ہو اور تاثیر کی حالت ہو کہ پڑھنے والا خود مبتلا تصور کرتا ہو۔ زندگی کے نقص محسوس کرتا جاتا ہو اسکی اصلاح کی تدبیریں ذہن میں جمانی شروع کردیتا ہو اور کہتا ہو کہ یہ داستان تو مکاشفہ خیری نے ظہیر جوڑی ہو وجہ یہ ہو کہ عقل شعار مصنف نے ضرور توں کو پڑھ کر کتاب لکھی ہو۔ شامِ زندگی ہر گھر میں زندگی پیدا کردیگی اسکو پڑھکر عورتیں اپنے بھولے ہوئے فرائض جان جائیں گی اور ان کو شریفوں کی طرح نیک بیویوں کی مانند، سلیقہ مند گھر والی کی شکل۔ خاوند کا دل موہنا اور سارے سکھ دینے۔ سارے شہر ساری قوم اور سارے ملک کی واہ واہ حاصل کرنا آجائیگا۔ کتاب شامِ زندگی عورتوں سے زیادہ مردوں کو مفید ہوگی کیونکہ مرد اگر عورتوں کے طریق حیات اور ضروریات سے آگاہ ہونگے تو انکے گھروں میں بہشت اُتر آئے گی اور وہ دیکھیں گے کہ زندگی اسکا نام ہو۔ شامِ زندگی مولانا راشد الخیری کی بہترین تصنیف ہو۔ شامِ زندگی اردو ادب کی لاجواب نشانی ہو۔ شامِ زندگی اصلاح معاشرت کی اثر دار داستانی ہو۔ شامِ زندگی دہلی کی آواز، جس سے اس مردہ شہر کی حیات کا ثبوت ملتا ہو۔ آپ خریدنے کے لیے منگائیے بچوں کو لیکر دیجئے دوستوں میں تقسیم فرمائیے۔ زندگی کو زندہ کیجئے۔ اس کتاب کا جیتا جاگتا۔ جاگنا جگانا۔ بہلانا پھسلانا

اور باتوں باتوں میں دل کے اندر اُتر جانا دیکھئے قیمت صرف عہ ایک روپیہ علاوہ محصول مینیجر خطیب و نظام المشائخ دہلی

۶۸۲

الزہرا رض

تعلیم نسلوں کی آزمین جس سنگدلی سے مغربی طوفان چمنستان مشرق کو پامال کر رہا ہے ، کسی با خبر سے پوشیدہ نہیں۔ جن خوبیوں پر مسلمانوں کو ہمیشہ ناز رہا۔ جن باتوں پر وہ سدا فخر کرتے رہے آج انکا شائبہ بھی نظر نہیں آتا۔ نماز روزہ ، خلق محبت ۔ خلوص ، ہمدردی ۔ سلیقہ ۔ کفایت شعاری کی بجائے اسوقت وہ لڑکیاں پیدا ہو رہی ہیں جو اسلام سے کوسوں دور اور مغربی رنگ میں چکنا چور دکھائی دیتی ہیں۔ ایسے نازک موقع پر کہ یہ مشرقی مہمان دم توڑ رہا ہے اور اگلی خوبیاں حالت نزع میں ہیں۔ اشد ضرورت ہے کہ لڑکیوں کی نگاہ سے وہ کتابیں نکلیں جو ان کو سعادتمند اولاد ، سلیقہ شعار بیویاں سچی مسلمان اور کامل انسان بنا سکیں ۔ کتاب زمانہ کی رفتار کو ہاتھ سے نہ دے اور نہایت خاموشی سے اپنی دلچسپی میں ان جواہرات سے لبریز ہو ۔ جن کی چمک آنکھوں کے ساتھ دلکو بھی منور کردے ۔ لڑکیوں کے پڑھنے کے قابل اسوقت جو کتابیں موجود ہیں ، ان میں یہ دیکھکر کسقدر صدمہ ہوتا تھا کہ بنت الرسول سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رض کے کارناموں سے زنانہ لٹریچر قطعاً محروم ہے ۔ کتاب کی تکمیل چنداں مشکل کام نہ تھا مگر میرا دل یہ چاہتا تھا کہ یہ واقعات اس بلبل خوش الحان کے نغموں میں ادا ہوں ۔ جسکا قلم تمام ہندوستان کو مسخر کرچکا ہے یعنی علامہ راشد الخیری مدظلہ ۔

مولینا کا قلم بنت الرسول کی داستان کہہ نہیں سکتا کہ کتاب کس پایہ کی ہے ۔ تاریخ میں ایک بیش بہا اضافہ کے علاوہ الزہرا بتائیگی کہ میاں بیوی کس طرح رہتے ہیں ۔ مائیں بچوں کو کس طرح پالتی ہیں دنیا کے ساتھ دین کیونکر میسر آتا ہے باپ بیٹیوں کے تعلقات کیا ہوتے ہیں اور انسانی ہستی کیا معنی رکھتی ہے الزہرا افسانہ نہیں بنت الرسول کے حالات و سوانح ہیں ۔ اور یہ واقعات ایسے دردانگیز ہیں کہ پڑھتے پڑھتے ہچکی بندھ جاتی ہے باوجود مورخانہ حیثیت کے اسقدر دلچسپ ہیں کہ بار بار پڑھنے سے بھی نیت سیر نہیں ہوتی ، خاتمہ پر ایک مفصل بحث شہادت اہلبیت پر ہے اور میدان کربلا کے واقعات جس طرح ادا کئے گئے ہیں ان کی بابت صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ " محرم کا بیان اور مولانا کی زبان "

ضخامت قریباً ، جزو قیمت ۱۰ر علاوہ محصول

منیجر خطیب و نظام المشائخ دہلی سے منگائیے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جوہر عصمت

یعنی

فسانہ تنویر اور ملکہ شہزاد

دو دلچسپ قصے معہ خاتمہ بالخیر

مصنفہ

مصور غم علامہ راشد الخیری

مد ظلہ العالی

مصنف صبح زندگی، شام زندگی، شب زندگی، نوحہ زندگی، منازل السائرہ، ماہ عجم
عروس کربلا، آفتاب دمشق، سراب مغرب، بنت الوقت، الزہرا، روداد قفس، موودہ وغیرہ

جسے

محمد عبد الرازق الخیری دہلوی

نے

بماہ جنوری سنہ ۱۹۲۰ بصورت کتاب

پہلی مرتبہ

[illegible] پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

۲/-

٦ آنے

۴۸۶

جوہر عصمت

فسانۂ تنویر

بھلے گھوڑے کو ایک چابک اور بھلے آدمی کو ایک بات! مانا کہ سلطنت ہمارے پاس سے جا کر ٹوٹا سا مکان اور وہ بھی محدود حکومت کا خاتمہ ہو کر پانچ چار انسان اور وہ بھی کمزور رہ گئے مگر مردہ رگوں میں ہاشمی خون اب تک دوڑ رہا ہے۔ اور اگر اس ڈھانچ میں جو صرف ہڈیوں کی مالا ہے جوش آ گیا تو اچھے اچھے پہلوانوں کے ہوش کھو دے گا۔ لیکن خدائی شان ڈیلی کرانیکل کا نامہ نگار۔ مذہب سے غیر۔ قوم سے غیر۔ عقائد سے غیر۔ ملک سے غیر۔ شکل و صورت میں جدا۔ عادت و خصلت میں جدا رنگ و روغن میں جدا۔ طرز تمدن میں جدا۔ کھلے بندوں بھرے ہندوستان بھر میں علانیہ یہ کہہ جائے کہ اس سرے سے اس سرے تک کیا ہندو اور کیا مسلمان تمام ہندوستان میں اگر عصمت و عفت کی چیز ہے تو صرف گا ہے۔ ورنہ جوان ہو یا

بڑھیا کھیلنے کی گڑیا اور دل لگی کی پُڑیا ہے جس کے چہرے پر جب تک چار چلو خون ہے مرد کا دل بہلائے اور روٹی کھائے"۔

اور ہم خون کے سے گھونٹ پی کر چپکے ہو جائیں۔ مگر اپنی ٹانگ کھولیں اور آپ لاجوں مریں۔ نامہ نگار نے جو کچھ کہا ٹھیک کہا اور حق الامر یہ ہے جو کچھ کہتا ٹھیک کہتا فسانہ تنویر کا ایک ایک حرف سات سمندر پار بسنے والے نامہ نگار کے قول کی تصدیق کر رہا ہے اور گو یہ داستان مسلمان مردوں کے مظالم کا ادنیٰ نمونہ ہے مگر مغرب آنکھیں کھول کر دیکھے کہ یہ پردے کی بیٹھنے والیاں جن کے دامنوں پر حوریں نماز پڑھیں کس طرح اپنی عصمت پر قربان ہوتی ہیں اسلام کی وہ سچی تعلیم جو آج بھی وحشیوں کو انسان بنا دے ان کی گھٹیوں میں پڑی ہوئی ہے اور یہ اس دودھ سے پلی ہیں جس کا ایک قطرہ تمام یورپ کی شرافت کا مول ہے۔

مرحبا سرزمین ہندوستان۔ تیری خاک سے وہ وہ بچیاں پیدا ہوئیں جن کی زندگی ایک عالم کو عورت کے معنی بتا گئی۔ زہے تقدیر شرقی قبرستانو تمہارے کھنڈر اس دولت سے مالا مال ہیں جس کی مثال دوسری سمت میں نہیں ملتی اور خوشا نصیب ٹوٹی پھوٹی دیوارو تم میں وہ گوہر نایاب موجود ہیں جن کی آب و تاب اپنا جواب نہیں رکھتی۔ تعجب ہوتا ہے کہ جھونپڑے میں پلنے والی بیگم جس نے آنکھ کھول کر نازو نعم کے سوا کچھ نہ دیکھا۔ محبت کے ظلم و ستم اس طرح اٹھائے اور اُف نہ کرے۔

مسئلہ تقدیر سے انکار نہیں۔ مگر یہ اقرار کرنا پڑے گا
کہ تنویر لاکھ بگڑ چکی تھی۔ جھوٹوں اشارہ کر دیتی تو
فریدوں پور اور اس کی بیس ہزار آبادی جان لڑادیتی۔
مگر ان کمبختوں کو تو مردے پر بھی آنا نصیب نہ ہوا
ورنہ وہ اِس دل گردے کے لوگ تھے کہ بات
کی بچ پر خون کی ندیاں بہادیں فریدوں قدرکی شرافت
نجابت۔ حسب نسب جیسی بھی تھی خوب اور بہت خوب
تھی مگر افسوس اِس سیدانی کا لال ہوکر جس کی چوکھٹ
پر بڑے بڑے پرہیزگاروں نے پیشانیاں رگڑیں
اُنیسا بدبخت نکلا کہ سادات کی ناک جڑ سے کاٹ دی۔
اور جس تنویر کی پالکی اُتروانے کا یہ ارمان تھا کہ پورے
چھ سال سیّدوں نے ناکیں رگڑیں اس کی وہ مٹی پلید
ہوئی کہ الامان الحفیظ۔ مگر رعونت ازلی رفیق خوشامدی
قدیمی شفیق۔ مفت کی دولت لگی ہاتھ اچکوں کا ہوا ساتھ
جو کچھ ہوتا کم تھا۔ بہرحال مدتیں ہوئیں یا برسوں گذرے
یہ تو آج کہنا پڑے گا کہ تنویر تمام خاندان کی لاج رکھ گئی اور
اُمید ہے کہ جس طرح وہ دنیا سے ترستی بھڑکتی اُٹھی عاقبت
میں اُسے راحت ابدی نصیب ہوگی *

گو دورِ عزیزی کی دیکھنے والی آنکھیں ایک ساٹھ سنہ ہی برس کے
اُلٹ پھیر میں ہمیشہ کو بند ہوگئیں مگر بنارس کے مقبرے زنی کے
کھنڈر۔ احمد آباد کی مسجد تنویر جہاں کے باپ نواب عزیزالدین خان

کی یاد اب تک تازہ کر رہے ہیں۔ غدر ۵۷ء کے بعد جب وہ وہ خاندان جن کے دروازوں پر ہاتھی جھولتے تھے دو دو دانوں کو محتاج ہو گئے تو گو سلطنت عباسیہ کا یہ آخری تاجدار بھی تاراج ہو گیا مگر ریاست کا چراغ ٹمٹا رہا تھا اور اس گئے گذرے زمانے میں بھی اس کی حکومت کا ڈنکا تین ساڑھے تین سو کوس تک بجتا تھا چار برس کے قریب پشتم پشت گذر گئے مگر سالہ کے بعد ضعیفی و انحطاط نے عزیز کو اس قابل نہ رکھا کہ وہ ان تعلقات میں پھنسا رہتا۔ ولیعہد ریاست یا وارث جائز بلے دے کر جو کچھ تھی تنویر گو بعض نے مخالفت کی مگر عزیز یہ سوچ کر کہ جیتے جی اور مرے پیچھے یہ ہی ریاست کی مالک ہے کنارہ کش ہو کر گوشہ نشین ہو گیا۔

جشن تنویری

چاہیے کہ تنویر ریاست کی مالک بنتے ہی کھل کھیلتی اور کوارپنے کی قید، ماں باپ کی سختی، عزیز و اقارب کی نگہداشت سب سے آزاد ہوتے ہی رنگ لے آتی۔ مگر اس کا دل تو کچھ ایسا مرا تھا کہ کوئی امنگ ہی پیدا نہ ہوئی تھی کہ جشن نوروز بھی اگر اس کا بس چلتا تو کورا ہی ٹالتی مگر کچھ رشتہ داروں کے طعنے کچھ کارکنوں کی صلاح اور سب سے بڑھ کر باپ کا اصرار چار و ناچار جشن منانا پڑا۔

اِس جشن کے حالات میں ابو النعیم اُس زمانہ کا مشہور مؤرخ اِس طرح لکھتا ہے :۔

جشن تنویری اِس دھوم دھام سے منا کہ تنویر کا نام ہو گیا۔ آدھی رات کے قریب جب قصر تنویر روشنی سے جگمگا رہا تھا چاروں طرف سے ملکہ بادشاہ کے نعرے لگ رہے تھے۔ تنویر سادہ لباس میں جلوہ افروز ہوئی یہ پہلا اتفاق تھا کہ خلقت نے بے نقاب دیکھا دھانی لباس زیب تن تھا اور سیاہ بال کمر تک لہرا رہے تھے زیور مطلق نہ تھا صرف دو ہیرے کی سرگوشیاں اور ایک الماس کی انگشتری رعب کو دوبالا کر رہی تھی۔ پندرھواں سال ختم تھا اور نگارستان حسن کی کوئی اُدا ایسی نہ تھی جو اُس کے پاؤں میں نہ لوٹ رہی ہو۔ شباب کا سن آزادی کے دن۔ بھولی صورت گوری رنگت حسن کی کان۔ ملاحت کی جان۔ نزاکت کا مخزن ملاحت کا معدن تنویر قدرت کا کرشمہ اور صنعت کا نمونہ تھی۔ آئی اور اِس انداز سے آئی کہ سینکڑوں دل پھڑکے چلی اور اِس رفتار سے چلی کہ اراکین دربار کلیجہ مسوس کر رہ گئے۔ بیٹھی اور اِس شان سے بیٹھی کہ بڑے بڑوں کے ایمان ڈانواں ڈول ہو گئے۔ چشم سیاہ ایک جادو تھی کہ جدھر اُٹھی قیامت اور نگہ ناز ایک تیر تھا کہ جدھر پڑا آفت۔ اہلکار و خدام آداب شاہی میں رہے مگر حقیقی چچازاد بھائی ثریا قندر پر ایسی بجلی گری کہ خاک سیاہ کر دیا

نذر دکھانے کو دکھا دی مگر پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔ چہرہ کا رنگ فق۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے۔ زبان بند دیوانوں کی حالت۔ سودائیوں کی کیفیت گرتا پڑتا اُٹھا نذر دکھائی اور بیٹھ گیا۔

تنویر یہ صحیح کمسن بھولی نا واقف ناتجربہ کار سب ہی کچھ تھی مگر صورت دیکھتے ہی تاڑ گئی کہ ثریا ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ مرے کو مارے شاہ مدار ظالم اچھی طرح سمجھ بوجھ کر کہ یہ تیر کلیجہ کے پار پہنچا پاس آئی اور کچھ اس طرح مزاج پوچھا کہ رہا سہا صبر و قرار لوٹ ما چلتی ہوئی دربار ختم ہوا مگر اس کی یادگار ثریا کے کلیجہ پر ایسا داغ بیٹھا کہ چار ہی دن میں برسوں کا بیمار معلوم ہونے لگا۔ دیوانہ وار پھرتا اور تنویر کی صورت نظر نہ آتی۔ بیقرار رہتا اور اُس تک رسائی نہ ہوتی وہ تھا اور قصر تنویری کے چکر۔ ہر چند کوشش کرتا کہ اس خیال کو دل سے بُھلا دوں مگر ایک ہوک تھی رہ رہ کر اُٹھتی۔ دن کی بھوک رات کی نیند سب غارت ہوئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ کھانا پینا قسم اور ہنسنا بولنا حرام ہو گیا۔

تنویر کے رئیس ہونے میں کلام نہیں۔ مگر ثریا بھی کسی کا غلام نہ تھا وہ بڑے باپ کی بیٹی تھی تو یہ چھوٹے باپ کا بیٹا۔ ایک ہڈی ایک غرض ایک گوشت۔ ایک پوست چرچا تو سارے شہر ہی میں ہو رہا تھا ثریا کا باپ۔ لڑکے کا دیکھا یہ رنگ کان میں پہنچے وہ ڈھنگ غریب دنگ

رہ گیا۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ، مشورہ نہ صلاح چُپکا اُٹھ بھائی کے ہاں جا نکاح کا پیغام دے دیا۔

تنویر جو کچھ بھی تھی خدا نہ تھی اور ثریا جیسا کچھ بھی تھا اُسا گیا گذرا نہ تھا کہ عزیز نکاح کے نام سے آگ بگولا ہو جاتا وہ اُلٹی سیدھی سُنائیں کہ کہ غریب اپنا سا مُنہ لے سیدھا اُٹھ چپکا چلا آیا!

نکاح

عزیز الدین خاں بارہ مہینے کا بیمار سدا کا روگی نکاح کا پیام اونگتے کو ٹھیلتے کا بہانہ ہو گیا۔ بخار کھانسی نزلہ زکام اور سو مرضوں کا مرض بڑھاپا یہ سب کچھ تو پہلے ہی سے تھا اختلاج قلب اور بڑھ گیا حکیموں نے تبدیل آب و ہوا کی صلاح دی اور دونو باپ بیٹیاں چند روز کے واسطے دریا پار موضع حسنپور چلے گئے۔

حسنپور والے تنویر جہاں کے رعیت نہ تھے مگر اس کی آؤ بھگت میں کمی نہ کی جی کھولکر دعوتیں کیں اور پیٹ بھر کر روپیہ لٹائے۔

ایک روز شام کے وقت جب تنویر بھی باپ کے پاس بیٹھی تھی فریدوں قدر ایک کروڑ پتی تاجر کا لڑکا جو خود بھی مشہور رئیس تھا ملنے آیا ہر چند باپ نے اس کی وجاہت ثروت اور عزت کا خصوصیت سے ذکر کیا مگر تنویر گو نقاب ڈالے ہوئے تھی مطلق متوجہ نہ ہوئی۔ فریدوں قدر کو تنویر کی تمکنت ناگوار تو بہت معلوم ہوئی

اور ہونی چاہیے بھی تھی مگر پھر بھی اُس نے یہ سلسلہ قائم رکھا کہ دوسرے تیسرے جب فرصت ہوتی آتا تھوڑی دیر بیٹھتا اور چلا جاتا۔

دو یا ڈھائی مہینے اس طرح گذرے ہوں گے کہ عزیز کی بیماری نے ایک نئی کروٹ لی جس کا انجام موت ہوا اور جس نے تنویر کو ہمیشہ کے واسطے باپ سے جدا کر دیا۔ عزیز کو مرے دوسرا روز تھا کہ تنویر کے پاس یہ خط پہنچا۔

بیگم خدا آپ کی عمر دراز کرے۔

نواب صاحب مرحوم کی موت پر آپ کو جس قدر صدمہ ہو کم ہے مگر دنیا کا دستور یہی رہا ہے اور رہے گا پھر بھی خدا کا شکر کیجیے کہ آپ کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں۔ دولت۔ حکومت۔ صورت۔ عزت آسائش کا تمام سامان موجود اور مجھ جیسے کفش بردار خدمت کو حاضر یہ تو آپ کو معلوم ہو گا کہ آپ کی تمام ریاست میرے پاس اٹھارہ لاکھ میں رہن ہے جس کی میعاد پوری ہو چکی اور اسی لئے مرحوم نے میری یہ درخواست منظور کر لی تھی کہ مجھے اپنی غلامی میں لے لیں۔

بیگم آپ قرضہ کا خیال مطلق نہ فرمایئے روپیہ بھی آپ کا ریاست بھی آپ کی میں تو ایک خادم ہوں جو تا دم حیات حق نمک ادا کرتا رہوں گا۔

فریدوں فدوی

اس خط کو دیکھتے ہی تنویر کے چھکے چھوٹ گئے، اکا غذات پر غور کرتی تھی، تو کہیں رہن کا بیان نہیں، باپ پر خیال کرتی تھی، تو کبھی اشارتاً کنایۃً ذکر تک نہ کیا، بہتیرا سوچتی تھی، مگر قیاس کام نہیں کرتا تھا، کہ اس علت کی اصلیت ہے کیا، فریدوں قدر زمانہ کا چلتا ہوا گھاگ اس نے وہ جال بچھایا، کہ تنویر سر نہ اُٹھا سکے۔ بڑی بڑی کٹنیاں جو اپنے فن میں طاق اور کام میں لاجواب تھیں، ماماؤں اور نوکروں کے بھیس میں چھوڑ دیں جن کی چکنی چپڑی باتوں نے تنویر کو شیشے میں اُتار لیا۔ اب قرض کے یقین کرنے میں کیا تامل تھا، اور یقین کا نتیجہ رضامندی، نکاح ظاہر تھا دھوم دھام سے ہوا۔ یا چپ چپاتے، مختصر یہ کہ تنویر جہاں بیگم فریدوں قدر کے نکاح میں پہنچ گئیں، اور نکاح کے بعد سب سے پہلا کام اس دستاویز کی تکمیل تھی، جس میں یہ وعدہ تھا، کہ اٹھارہ لاکھ روپیہ جو میرے ذمے واجب الادا ہے بہ تدریج ادا کرتی رہوں گی۔

فریب

جس دغابازی اور عیاری، چالبازی اور مکاری سے فریدوں قدر نے ایک بھولی بھالی عورت کی آزادی سلب کی ہے، وہ تمام فریدوں پور کے واسطے مرجانے کا مقام ہے، بے ایمانی کا تو علاج نہیں، مگر سچ یہ ہے کہ آج ہی کہ پشتیں گذر گئیں اسی کی معافی اور گذارے کی بدولت اور اسی کی جوتیوں کا صدقہ گھر بیٹھے راج کر رہے ہیں۔

افسوس یہ ہے کہ نکاح کے بعد تنویر کو پھر گھر جانا نصیب نہ ہوا بہتیرا اتنہ پڑائی، ہر چند لوٹی پیٹی۔ مگر پھنسی ایسے ظالم کے جال اور مکار کے پھندے میں تھی، کہ پورے پانچ سال متواتر رنج والم کے پہاڑ ٹوٹنے، اور دم بھر کو رہائی میسر نہ ہوئی۔ بدبخت فریدوں خدا جانے کس سخت دل کا انسان تھا، کہ نکاح کے دوسرے ہی روز قیدیوں کی طرح گھر میں ڈال تمام مال و جائداد پر قابض ہوگیا،

تنویر اب تین بچوں کی ماں تھی، مگر کیسی ماں جس کو اپنی آمدنی کی خبر نہ شوہر کی کمائی سے واسطہ، نہ کسی معاملہ میں دخل دینے کا حکم، نہ کسی بات میں بول سکنے کی مجال، گھر کا تمام انتظام روپیہ پیسہ حساب کتاب سب فریدوں کے ہاتھ میں تھا، مہربان ہوا بیوی سے بات کرلی، ورنہ رات کو گیارہ بجے آنا، اور سو رہنا۔ اللہ اللہ جس بیگم کے آگے ایک چھوڑ پانچ پانچ چھ چھ مامائیں آنکھیں بچھاتی تھیں، اب اس کی یہ گت بنی کہ عالیشان محل سرا میں بچوں کے لیے اکیلی پڑی رہتی، اور کوئی بات تک کرنے والا نہ ہوتا، جن ہاتھوں نے روپے اور اشرفیاں لٹائیں، اب وہ ایک ایک کوڑی کو محتاج تھے، مردہ دل تو پہلے ہی تھی ادھر ماں باپ ادھر آئی مصیبت سمند ناز پہ تازیانہ دو صاحبزادوں کا تشریف لانا جن کے حسن کی دور دور دھاک تھی، چار ہی دن میں خاک میں مل گئی، فریدوں ڈھونڈتا تھا چنگ سنگ، تنویر ماں باپ کی بیٹی دبی دبائی، بچوں کی پال نے سارا حسن گھال دیا، میاں کی بے اعتنائی نے مزاج میں ایسی لاپروائی کردی، کہ

کہ آہستہ آہستہ دن بسر گوندہنا قسم ہوجاتا جس جسم پر چُٹی چکن۔ اور بزازی گلبدن پہنا پڑتا تہا، اب اسپر چکپ تیل گرتے اور میلے کچیلے دوپٹے ہتے ایک قیامت خیز منصیبت یہ ہتی، کہ فریدوں کی پہوپی زاد بہن بچپن کی منگیتر، صورت شکل کی اچہی پر اس وقت تک کنواری بیٹہی ہتی۔ اور ماں باپ اس فکر میں ہتے، کہ کسیطرح فریدوں کے سر چپکیں، انکار تو فریدوں کو بہی نہ تہا۔ مگر مطلب یہ تہا، کہ ہلدی لگے نہ پہٹکری اور رنگ چوکہا آئے، ان بیچاروں کو کیا عذر تہا، نتیجہ یہ کہ یہاں فریدوں دوسرا نکاح کرکے داخل ثواب ہوگئے

اس نکاح کی بڑی شرط تنویر جہاں کے طلاق کی تہی، اور سنگدل فریدوں منتظر تہا اس وقت کا کہ مظلوم تنویر پر کوئی الزام لگا کر نکال باہر کرے،

محبت کے ایام ابتدائی کی ہمراز ایک ہیرے کی انگوٹھی تہی، جو دلہن کی طرف سے دولہا کو پیش کی گئی، اور اب کہ تنویر ہر طرف سے مایوس تہی، وہ اسی کو غنیمت سمجہہ رہی تہی، کہ اس کی نشانی فریدوں کے ہاتہہ میں رہے گی مگر جب اتنی آس بہی نہ رہی، اور ظالم نے وہ انگوٹھی نئی دلہن کو چڑہادی تو تنویر کی رہی سہی امیدوں کا خاتمہ ہوگیا،

طلاق

جشن تنویری میں ثریا کے دلپر جو چرکا لگا تہا، وہ ایسا نہ تہا، کہ

آسانی سے بھر جاتا، عزیز نے جواب دیا، تنبیہ کی شادی ہو گئی، مگر جو صورت ایک دفعہ آنکھ میں کھب گئی، وہ کسی طرح نہ بھولی، پہاڑ سی راتیں، ان جنگلوں میں گم ہوئیں، جن میں دن دہاڑے جاتے آدمی کا پتہ پھٹتا، تارے اس کے سامنے کھیلتے، چاند اس کے سر پر دمکتا ہوا، اس کی گود میں لوٹتی پتے اس کے اوپر گرتے، مگر کائنات میں کوئی شے ایسی نہ تھی، کہ اس کا غم غلط کرتی، کامل پانچ سال اسی طرح خدائی خوار خاک چھانتا، اور بیر بیٹھا پھرا، امید کا ہر شائبہ مفقود ہو چکا تھا، مگر منزل مقصود اس کے سامنے تھی اور وحشت دل شہر بہ شہر اور گلی گلی پھرا رہی تھی، ببول کے زرد پھول اور گلاب کی سرخ پنکھڑیاں، فاختہ کی کوکو بلبل کا نالہ کوئی چیز ایسی نہ تھی جو تنویر کی یاد تازہ نہ کرتی ہو، ایک روز کہ آفتاب غروب ہونے والا تھا، ثریا اس سرزمین پر پہنچا، جو حسن پور کے نام سے موسوم تھی، اس کوچہ میں جا نکلا جہاں وہ بھولی صورت بستی تھی، اس بارہ دری کے نیچے جا کھڑا ہوا جس کے اوپر تنویر جہاں کھڑی شفق کو دیکھ رہی تھی،

تنویر و ثریا کا چار آنکھیں ہونا، کیسا نازک وقت ہوگا، آنکھ کے سامنے تھی وہ صورت جس کا اشتیاق دیدار ثریا کو چاروں طرف دیوانہ وار لئے پھرتا تھا، ڈورئیے میلہ کرتا گلے میں، اور ململ کا پیازی دوپٹہ سر سے ڈھلک کر کاندھے پر مگر اس حالت میں بھی تنویر حسن کا ایک کرشمہ تھی محبت کا تاج اس کے سر پر لہلہا رہا تھا، ٹھنڈی ہوا پریشان بالوں کو چھیڑتی ہوئی کہہ رہی تھی،

نہیں حسن کی اس طرح بھی کمی
جو بیٹھی ہے بگڑی تو گویا بنی

چشم شرگمیں اس وقت بھی جھجکی، اور قریب تھا، کہ اوجھل ہو جائے مگر دل نے صدا دی، دیوانی جو صورت مریدوں کے ہاتھوں برباد ہوئی یہ اسی کا دیوانہ ہے، پانچ برس کی ترسی ہوئی آنکھیں سیراب ہو رہی ہیں، ان پر رحم کر اور کرم سے کام لے، مگر نگہ ناز اپنا کام کر چکی تھی، ثریا کو زیادہ دیر احسان نہ اٹھانا پڑا، اتنا زبان سے ضرور نکلا۔

"ہائے تنویر جہاں"

اور غش کھا کے گر پڑی، کچھ نہ سہی عنایت، محبت، مروت، یگانگت، تقاضائے انسانیت ہی تھا نہ تھا، حقیقی چچازاد بھائی کوئی غیر نہیں، بچپن کے ساتھ کھیلے، کچھ بیر نہیں۔ ایک کا گھر، ایک پردیس، ایک ہشیار ایک بے ہوش، سڑک کا معاملہ، بازار کی بات، اندھیر گھپ، سر پر آدھی رات، کیسی خاطر اور کس کی مدارات، تنویر کے پہلو میں بھی دل تھا، پتھر نہ تھا، حسن تنویری کا خیال ثریا کا استقلال، دونو تصویریں آنکھ کے سامنے تھیں، ایام گذشتہ کی یاد نے نازک کلیجہ پر پتھر برسا دیئے، اور جذبۂ عشق دروازے تک لے آیا، گھبرا کر پاس آئی اٹھوا کر اندر لائی، اور اب وہ وقت آگیا، کہ تنویر کی آنکھیں، ثریا کی حالت پر آنسو گرا رہی تھیں، اور نازک ہاتھ گلاب کے چھینٹے دے رہے تھے تنویر کی کوشش، قانون قدرت یا ثمرۂ محبت جو کچھ بھی تھا، ثریا نے آنکھ کھولی اور دیکھا، کہ جس آنکھ کی شیدا ہے، اس میں محبت نے کوٹ کوٹ کر سوئی بھر دیئے

ہیں، مہمان کی تواضع، بہائی کی خاطر، سچی محبت کا شکریہ جو چاہے، سمجھہ لو
تنویر پاس سے ہٹ کر اس طرح بولی
کیسا مزاج ہے، کدہر آنکلے ؟
ثریا زندگی عذاب اور حالت اس کا جواب ہے،
تنویر منہ ہاتہہ دہوئیے، کچہہ کہانا کہائیے،
ثریا بیگم! فریدوں پور تم سے چہوٹ گیا، جسپنور کی آب وہوا نے تم کو کیا سے کیا بنادیا، یقین کرو، کہ فریدوں پور کا ایک ایک ذرہ تمہارے دیکہنے کا مشتاق اور تمام خاندان تمہاری جدائی پر رو رہا ہے، اگر تم اجازت دو تو میں نواب فریدوں قدر سے درخواست کروں "

بہت مشکل ہے یہ کہنا، کہ تنویر اس کا کیا جواب دیتی، ابہی ثریا کا فقرہ ختم نہ ہوا تہا، کہ فریدوں یہ کہتا ہوا اندر گہسا،
" میں نے آپ کی بیگم کو کبہی نہیں روکا شوق سے لے جائیے "

اتنا کہا، اور اسباب بند ہوا صبح کے وقت ثریا اور تنویر دونو کو جسپنور سے رخصت کیا، گاڑی نالہ سے پار ہوئی، کہ سانڈنی سوار لپکا ہوا آیا اور تنویر جہاں بیگم کو ایک لفافہ دیا جس میں طلاق نامہ رکہا تہا،

تنویر نکاح میں تہی تو کیا پتھر پڑ رہے تہے کہ طلاق ہو کر مصیبت ٹوٹیگی مگر عمر بہر کی کمائی وہ تین لال تہے، جو فریدوں نے زبردستی رکہہ لئے، اور جن کا خیال اسوقت بدنصیب تنویر کو آٹہہ آٹہہ آنسو رلا رہا ہے

وسط ہند کے مشہور پہاڑ ارتیمتیا کے لق و دق میدان میں دریائے

حسن کے کنارے ایک خوبصورت بارہ دری کے پائین باغ نے کوسوں ہوا کو معطر کر رکھا ہے. طائران خوش الحان چہک چہک کر قدرت کے مزے لوٹ رہے ہیں، صبح صادق کا سہانا وقت ہے، اور باد صبا پھولوں سے چھیڑ چھاڑ کرتی پھر رہی ہے، صاف شفاف پانی کوسوں بہتا چلا جا رہا ہے، آبشار گر رہے ہیں، اور کوئل نے پہاڑ سر پر اُٹھا رکھا ہے، ایک نواڑی پلنگڑی پر ثریا لیٹا ہے، اور گھاس کے سر سبز قطعہ پر تنویر ٹکٹکی لگائے بیٹھی ہے، آنکھ سے زار و قطار آنسو کی لڑیاں بہ رہی ہیں، اور اس طرح التجا کر رہی ہے،

تم نے مجھے دھوکہ دیا، اور میرے کلیجہ کے ٹکڑے ہمیشہ کو چھنوا دیئے کنبہ میں میری ناک کٹی، دنیا میں میری خاک اڑی، خدا کا واسطہ مجھے چھوڑ دو میں تم سے اور تمہاری محبت سے باز آئی، جس نے مجھے برباد کیا، اسی کی ہوں، وہ جانے اس کا خدا جانے، مگر تم ایک ایسی عورت کو جو غیر کی ملکیت اور تمہارے پاس امانت تہی، فریدوں پور کے نام سے اس جنگل میں لائے، اور الفت میں دہوکا دے کر وہ ستم کیا، کہ قیامت تک محبت کا ہر ذرہ تمپر لعنت برسائے گا،

ثریا جو شخص تمہارے واسطے انسان سے حیوان، زندہ سے مردہ اور صورت سے بے صورت ہوا، جو اس چاند سی صورت کا دیوانہ ہے وہ بہانہ کرے گا، تنویر رحم!

یہ اخبار آج ہی کا ہے اس کو پڑھو، اور بتاؤ، کہ فریدوں کی یاد کہانتک درست ہے

نواب فریدوں قدر کی بیوی تنویر جہاں بیگم، ثریا قدر کے ساتھ تین بچے چھوڑکر بھاگ گئیں، اور اس وجہ سے انہیں طلاق ملی،

تنویر شاید تقدیر مجھے اس سے بھی زیادہ برا وقت دکھائے، مگر جب تک دم میں دم اور جان میں جان ہے مرے ہوئے باپ دادا کی آن میں فرق نہ آئے گا، میں ایسی ایسی خبروں کا یقین نہیں کرتی

یہ کہہ کر تنویر اُٹھی، دل قابو میں نہ تھا، اور آنسو ابھی تک جاری تھے، چشمہ کے کنارے پر پہنچی، گلاب کے پھول جھک جھک کر پانی کو چوم رہے تھے، اور ہوا چاروں طرف اٹکھیلیاں کرتی پھرتی تھی، ٹھٹکی، کچھ سوچا، دفعتًا اس کا چہرہ جس پر رنج و حسرت کی گھٹائیں برس رہی تھیں خوشی سے بدل گیا، وہ ہنستی ہوئی لوٹی، اور ثریا قدر سے کہنے لگی،

"اب تک میری ضد تمہاری آزمایش تھی، میں محبت کی قدر تم سے زیادہ کرتی ہوں، اور اگر یہ ہی نہ ہوتا، تو آج فریدوں میرے پاؤں دھو دھو کر پیتا، جس تنویری میں تمہاری نگاہ مجھ سے وہ عہد لے گی، جس کو میں نے حسن پور میں پورا کیا، اور اب تمہارے سامنے سرخرو کھڑی ہوں، آدمی کو حکم دو کہ پانی تیار کرے، اور جس قدر جلد ممکن ہو، میرے کپڑوں کا انتظام کرو،

تنویر کی یہ گفتگو قوت کیمیائی کا کرشمۂ مسیحائی تھا، کہ مردہ اچھل کر اُٹھ

بیٹھا اور اہتمام میں مصروف ہوا۔ فوراً مقفل دروازے کھول دیے گئے +

شام ہو چکی تھی پھول کھل چکے تھے اور محلسرا کی روشنی رات کو دن بنا رہی تھی +

تنویر جہاں نہا دھو کر اس وقت کے واسطے تیار ہو چکی تھی جو ثریا کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔ آج اُس کا حُسن قمر چہار دہم کو جو سر پر تھا شرمندہ کر رہا تھا بال پریشان جمع ہو کر ثریا کے جگر پر برچھیاں مار رہے تھے۔ دفعتہً تنویر ایک مستانہ چال سے ٹہلتی ہوئی آئی اور ثریا سے یہ کہکر میں بالوں کے واسطے تھوڑے سے پھول توڑ لاؤں چمن میں آئی محافظ مطمئن ہو چکے تھے۔ ثریا کے سر پر عشق کا جن سوار تھا باغ کے دروازے کھل چکے تھے چمن میں پہنچنے کے بعد تنویر کا پتہ نہ چلا کہ آسمان کھا گیا یا زمین چاروں طرف اِدھر اُدھر لوگ دوڑ پڑے۔ کونہ کونہ اور چپا چپا ڈھونڈ مارا مگر تنویر پتہ نہ چلنا تھا نہ چلا +

جب ثریا کی شب عشرت اسی طرح مصیبت سے بدل گئی اور تنویر کے غائب ہونے نے اس کی تمام اُمیدوں کا خاتمہ کر دیا تو اس کے پاس اسکے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ سر پر خاک اُڑاتا حسنپور روانہ ہوا +

فراق ابدی

ارتیشیا کے لق و دق میدانوں اور سنسان جنگلوں میں اندھیری

رات تنویر کے سر پر تھی اور یہ چوتھی کی دلہن جس کے پاؤں میں
ہوا سر سرا سر سر اکر لوٹ رہی تھی مُنہ اُٹھائے چلی جاتی تھی۔ نازک دل
دھکڑ دھکڑ اور کلیجہ بلّیوں اوچھل رہا تھا۔ رات آدھی سے زیادہ گذر
چکی تھی اور شبنم کے قطرے اُس کے نازک رخسار کے بوسے لے رہے
تھے فرش مخمل پر تکلف کرنے والے پاؤں ببول کے کانٹوں پر پڑ رہے
تھے۔ شیروں کی دہاڑ۔ ہاتھیوں کی چنگھاڑ۔ اژدہوں کی پھنکار کانوں کے
پار ہو رہی تھی۔ بندر اور لنگور برابر سے نکل رہے تھے اور اولاد کی
ترستی خانماں برباد بیگم اپنی دھن میں مست چلی جارہی تھی بالاخر شب
سیاہ نے آسمان کو کروٹ دی اور تارے جھلملانے شروع ہوئے۔
پو پھٹی۔ طائران خوش الحان شہسوار مشرق کے استقبال کو باہر آئے
اور تنویر نے تھوڑے فاصلہ پر آگ روشن دیکھی۔ بدن چور چور تھکن سے
شل۔ کمر خم اور پاؤں لہولہان تھے اسی سمت روانہ ہوئی قریب پہنچی
ایک گاؤں دیکھا اور قصبہ کے رئیس کے ہاں نوکر رہنے سہنے لگی۔
ایک روز صبح کے وقت جب آدمی نے لاکر ڈاک دی اور تنویر
اپنے آقا کے پاس لیکر چلی اس نے سب سے اوپر فریدوں کا خط دیکھا
بیچین ہو گئی ہر چند چاہتی کہ گھر کی بیگم سے خیر و عافیت دریافت کرے
مگر ڈرتی تھی کہ کہیں راز فاش نہ ہو جائے لیکن اپنی بیوی کو افسردہ دیکھ کر
اتنا دریافت کیا کہ بیگم آج آپ اس قدر خاموش کیوں ہیں۔

بیگم:۔ ہمارے ایک عزیز نواب فریدون قدر ہیں جن کی کمبخت

بیوی تین بچے چھوڑ کر اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ بھاگ گئی آج اُن کا خط آیا ہے اُن کا چھوٹا بچہ مر گیا۔

مامتا کی ماری ماں اتنا سنتے ہی کلیجہ پکڑ کر بیٹھ گئی جتنا ضبط کرتی تھی اتنا ہی دل اُمڈا آتا تھا یوں تو ہر لمحہ اور ہر گھڑی بچوں کی تصویریں سی کی آنکھ کے سامنے تھی مگر اس خبر نے تنویر کو حواس باختہ کر دیا معصوم کا خیال ایک چھری تھی جو جگر پر چل رہی تھی تین ساڑھے تین برس کا بچہ جو جانِ جگر تھا۔ بڑھا کھیلا مامتا چھوڑ کر آئی ہمیشہ کو چھوٹ گیا اس مسافرت میں کہ جان وہاں اور زندگی مصیبت تھی اس کی رحلت خون بنکر گھسی اور آنسو بن کر ٹپکی دیوانوں کی طرح چاروں طرف پھرتی اور نام لے لے کر چیختی۔ جنگل میں نکل جاتی۔ گھنٹوں چلاتی مگر مردہ دل کو تسکین نہ ہوتی اسی کرب و اضطراب میں ۲ مہینے بسر کئے با آخر وحشت دل رنگ لائی اور ایک روز اسی پھول کی یاد میں جو بھری گود خالی کر گیا آدھی رات کے وقت باہر نکل کھڑی ہوئی سادات کا خون غیرت کے مارے پاؤں نہ اُٹھنے دیتا تھا مگر مامتا لال کی خاک پر پکار رہی تھی اور دل کہتا تھا کہ اس قبر کے بوسے لوں جہاں کلیجہ کا ٹکڑا گہری نیند سو رہا ہے۔ حالت میں زمین و آسمان کا فرق تھا صورت بدل چکی تھی ایک پھٹی سی چادر سر پر ڈالے اور ڈاڑھیں مارتی اُسی طرف چلی پورے چار دن اسی طرح خاک اڑاتی فریدوں پور پہنچی آنکھ۔ ناک۔ صورت۔ شکل۔ چال ڈھال۔ وضع قطع

عادت خصلت ہر چیز بچہ کی نذر ہو چکی تھی۔ ناخن بڑھے ہوئے بال کٹے ہوئے چہرہ مرجھایا ہوا ایک آٹھ ہی برس میں تنویر اس لایق ہو گئی کہ فریدوں پور کے بیس ہزار آدمیوں میں ایک متنفس نہ پہچان سکا۔ قصر تنویری کو دیکھتی ہوئی جس پر اُلّو بول رہا تھا آگے بڑھی اب وہ قبرستان آنکھ کے سامنے تھا جہاں ہزاروں بندگانِ خدا آرام کر رہے تھے دوپہر کا وقت تھا ہوا گرم تھی۔ املی کے تناور درخت کے نیچے ایک ٹوٹی سی قبر پر بیٹھی تو آنکھ نے اور ہی سماں دیکھا ایک تازہ پختہ قبر پر یہ کتبہ تھا:۔

نواب فریدوں قدر کا منجھلا بچہ سلیماں قدر

ایک چیخ ماری اور یہ کہتی ہوئی قبر پر گری:۔

"ہائے پیارے سلیمان تو بھی گیا"

گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد ہوش آیا قبر سے چمٹ گئی جا بجا بوسے لیے اِدھر اُدھر بلائیں لیں اور پھر لپٹ گئی۔ آنسو ختم ہو چکے تھے مگر مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی ایک ہی صدمہ ایسا پڑا تھا کہ پنپنے کی اُمید نہ تھی اس پر یہ دوسرا داغ تنویر مصیبت کی سچی تصویر تھی تیسرے چوتھے روز آبادی میں آتی ٹکڑا ٹیرا مانگ لیتی اور چلی جاتی یہ گرمی کے پہاڑ سے دن کہ چیل انڈا چھوڑے اُس کے سر پر گذر جاتے ایک چھوڑ دو دو بچے اور کیسے بچے جوان کے عاشق زار تھے زمین کا پیوند ہو گئے یہ بچہ تنویر

کی آٹھ سال کی کمائی تھی اور دم بھر ماں کا پیچھا نہ چھوڑتا تھا یہ لال ایسا بچھڑا کہ دل قابو میں نہ رہا اس کے بدلے اس کی قبر کو دن رات کلیجے سے چمٹائے پڑی رہتی ہوش آتا تو کچھ اس درد سے فریاد کرتی کہ اولاد والوں کے کلیجے سُن ہوتے +

ایک دن فاختہ دوپہر کے وقت بے ثباتی دنیا کا درس دے رہی تھی اس کا جی بھر آیا اور اس وقت کو یاد کرنے لگی جب کلیجہ کے تین ٹکڑے آنکھوں کے سامنے کھیلتے دیکھ دیکھ کر نہال ہوتی اور سوچتی کہ ایک فریدوں قدر نے بیوفائی کی تو کیا یہ تین تین شوہر موجود ہیں ایک ایک روٹی دیں گے تو پیٹ بھر لوں گی +

سچ پوچھو تو زندگی کا سہارا عمر کا گذارہ اب جو کچھ بھی تھا تنویر کو یہ بچے تھے ورنہ فریدوں نے اپنی کرنے میں کسر نہ رکھی اور وہ تکلیفیں دیں کہ خدا دشمن کو بھی نصیب نہ کرے۔ محلوں کی بیٹھنے والی بیگم نے در در کی بھیک مانگی خدا کی قدرت ہے کہ جس کے گھر میں پرندہ بھی پر نہ مار سکتا تھا شہر شہر اور گاؤں گاؤں ننگے سر اور ننگے پاؤں ٹھوکریں کھاتی پھرے اور کوئی بات تک پوچھنے والا نہ ہو۔ سال بھر کے قریب اسی طرح بسر ہوا کڑکڑاتے جاڑے۔ جیٹھ بیساکھ کی گرمی۔ ساون بھادوں کے طوفان اسے قبرستان میں قبر پر گذر گئے۔

ایک روز شہر میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ نواب فریدوں قدر کا بڑا لڑکا سخت بیمار ہے اور دُور دُور سے حکیم و ڈاکٹر بلائے

جارہے ہیں۔ سنتے ہی جان نکل گئی بہتیرا سنبھلی ہرچند ضبط کیا مگر نہ سنبھل سکی اسی حالت میں روتی بیٹھی حسنپور پہنچی پیہم صدمات کمر توڑ چکے تھے اور اب صورت اس قابل نہ رہی تھی کہ پہچانی جا سکے آنسو کا دریا بہ رہا تھا دل کے ٹکڑے اُڑ رہے تھے اور کوئی صورت ایسی نظر نہ آتی تھی کہ پانچ برس کے چھوٹے ہوئے لال کی صورت دیکھ سکے آدھی سے زیادہ رات محلسرا کے نیچے بسر ہوگئی لوگ آ رہے تھے اور جا رہے تھے مگر اتنی ہمت نہ تھی کہ کسی سے دریافت کر لے ٭

صبح ہوتے جب دل کی بے چینی بڑھی تو دروازے کے قریب گئی وارثہ باہر نکل رہا تھا روئی اور نوکری کی التجا کی غرض ماںتا کی ماری ماں کی حیثیت میں بچہ کی تیمارداری پر رات کے واسطے تعینات ہوئی بچہ تپ محرقہ میں مبتلا تھا اور تنویر دور سے بیٹھی حسرت سے اس کا منہ تک رہی تھی جب نیند کا جادو تمام دنیا پر چل چکا فریدوں قدر اور ان کی بیگم خوابگاہ میں گئے نوکر چاکر ڈھیر ہوئے کمرے میں سناٹا چھایا تو صرف وہ آنکھ جاگ رہی تھی جس کی چودہ پندرہ برس کی کمائی لٹ رہی تھی پیشانی کو بوسہ دیا منہ پر ہاتھ پھیرا اور بیتاب ہو کر لپٹ گئی قریب تھا کہ ایک چیخ مارے مگر ضبط کیا اور الگ ہو بیٹھی بن ماں کا بچہ ایک غیر عورت کی یہ شفقت دیکھ ماں کی گود یاد کر کے رو دیا کیا حسرت انگیز وقت تھا دکھیاری لپٹ لپٹ کر بوسے اور جھپٹ

چمٹ کر دعائیں دے رہی تھی۔ مریض کے زیادہ اصرار پر اتنا کہا بیٹا مجھ دکھیاری کی بپتا کلیجہ ہلا دے گی وہ لال خاک میں جا سوئے ایک ہو بہو تیری صورت کا تھا جس کی یاد آج کلیجہ تڑپا رہی ہے۔ ماں بیٹوں کی گفتگو میں رات صبح ہو گئی ڈاکٹر آیا حرارت دو درجہ بڑھی ہوئی تھی غصہ سے کہا بچہ جاگا ہی نہیں بلکہ دماغ سے کام لیا بہتر ہے کہ کمرہ بند کرو اور آج بالکل تنہا چھوڑ دو ورنہ لرزہ بر عضو ضعیف۔ تمام مصیبت اسی تیمار دار پر آئی اور تنویر فریدون قدر کے حکم سے فوراً محلسرا سے باہر نکال دی گئی روتی پیٹتی باہر آئی دن بھر بارہ دری کے چکر کاٹے معاملہ اتنا نازک تھا کہ نہ کچھ پوچھ سکتی تھی نہ کہہ سکتی تھی مگر دل پر جو گذر رہی تھی وہ خدا ہی خوب جانتا تھا ایک ایک کے آگے ہاتھ جوڑتی تھی کہ مجھے اندر پہنچا دو میں سب کی ہو لوں ٹہل کر لوں گی پیروں پڑوں گی مگر کس کے دل کو لگی تھی اِس کان سُنا اُس کان اُڑا دیا۔

الٰہی ماں کی مصیبت دشمن پر بھی نہ پڑے روتے روتے آنکھیں سوج گئی تھیں اور کچھ سجھائی نہ دیتا تھا شام کے وقت بلکتی ہوئی ڈاکٹر کے قدموں پر گری اور کہا:۔

ہمایوں کی کھلائی ہوں خدا کا واسطہ مجھ کو میرے بچہ تک پہنچا دو

ڈاکٹر صاحب اولاد والا تھا ساتھ لے گیا گھر میں افراتفری مچی ہوئی تھی ایک بچہ کی علالت دوسرے کی پیدائش کسی کو خبر بھی نہ ہوئی اور تنویر بچہ کے کمرے میں پہنچ گئی۔

جب شب سیاہ اپنا پورا قبضہ جما چکی اور لوگ اپنے اپنے بچھونوں پر پہنچے تو تنویر اُٹھی بچّہ کے قدموں سے آنکھیں ملیں گو ڈاکٹر نے ممانعت کردی تھی مگر دل کی لگی دم بھر کو بھی خاموش نہ ہونے دیتی تھی اس نے آنکھ بند کی اُس کی جان پر بنی وہ خاموش ہوا یہ پریشان ہوئی۔ کبھی سانس دیکھتی تھی۔ کبھی نبض۔ کبھی ہاتھ چومتی تھی۔ کبھی پاؤں چند گھنٹہ کے مہمان پر دیوانہ وار صدقے اور پروانہ وار قربان ہو رہی تھی کلیجہ ان ہی دو داغوں سے چھلنی ہو چکا تھا اور اب تنویر اس قابل نہ تھی کہ ہمایوں جیسا بچّہ جو ہزاروں منّتوں اور ارمانوں سے جوان ہوا جس کے نام کی دیوانی اور صورت کی قربان تھی آنکھوں کے سامنے سے اُٹھ جائے اور وہ زندہ رہے مگر دنیا سب تماشے دکھا رہی تھی چھوٹے کی خبر سُنائی مُنجھلے کی قبر دکھائی اور اب جوان شیر آنکھوں کے سامنے دم توڑ رہا تھا تین تین گھنٹہ بعد دَوا دی جا رہی تھی اور پانچ دن پانچ رات کی بھوکی پیاسی سب کام اپنے ہاتھ سے کر رہی تھی۔ ہوش و حواس جا چکے تھے ملنے کی دوا ہول میں پلا دی زہر کا حلق سے نیچے اُترنا تھا کہ بچّہ نے صرف اتنا کہا ہائے ظالم ملنے کی دَوا پلا دی اور بیہوش ہو گیا اس وقت کی حالت خدا دشمن کو بھی نہ دکھلائے دیواروں سے ٹکریں مارتی تھی اور تڑپتی تھی آدھی رات کا گجر بج رہا تھا ہمایوں کا سانس اُکھڑ گیا اسی حالت میں اُس نے آنکھ کھولی اور دیکھا کہ سر ماں کی گود میں ہے۔ ہاتھ گلے میں ڈال دئے اور اتنا کہہ کر پھر بیہوش ہوا۔

میری [illegible] بدنصیب ماں [illegible]

بچہ کا اتنا کہنا تھا، کہ تھوڑی دیر میں [illegible] اور بس

میرے لال [illegible] ہوں

تھوڑی دیر بعد بچہ کو لیٹے ہوئے [illegible]
تھی، ماں کے [illegible] ہاتھ [illegible]
اور [illegible] ہوا۔

بدنصیب ماں [illegible]
زیادہ اٹھی، اور [illegible]
گر گئی، [illegible]
[illegible] ہوگئی
لوگ دوڑ پڑے [illegible] ڈاکٹر کو بلایا [illegible] وقت [illegible]
اور باواز بلند کہا [illegible]

[illegible]
لال [illegible]
ہوئی [illegible]
تھوڑی دیر [illegible] میری قبر میرے لال کے
برابر بنا دینا [illegible]
تو بڑی [illegible] آواز [illegible]
[illegible]

ملکہ شہرزاد

سرزمین طرابلس سے ملکہ شہرزاد ایک "ایسی عورت اُٹھی کہ دنیا اس کا نام قیامت تک فراموش نہیں کر سکتی، وہ خاندان حسلیمی کے چوتھے حکمران احمد شاہ کی بیوی اور مشہور ایرانی وزیر اعظم اسفندیار جنگ کی اکلوتی بیٹی تھی، شادی کے بعد بہ مشکل ایک مہینہ ایسا گذرا ہو گا کہ میاں بیوی ہنسی خوشی اپنا وقت گذار سکیں، ورنہ احمد پاشا، جو ایک فرشتہ صفت انسان اور عدل کا پتلا بادشاہ تھا، شہرزاد جیسی بیوی کے ہاتھوں زندگی سے بیزار ہو گیا، تاریخ اس والیِ حکومت کی زندگی اس طرح بیان کرتی ہے،

(۱)

دنیا اپنے چہرے پر رات کا برقعہ ڈال چکی تھی، آسمان کی گود تاروں سے بھری ہوئی تھی، چاندنی قصر احمدی پر چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی، شہرزاد اپنی مسہری پر لیٹی کسی خیال میں محو تھی، خواصیں ہاتھ

باندیں حاضر تھیں، کہ احمد پاشا بارہ دری میں داخل ہوا، درد سر کی وجہ سے اس کی طبیعت بے چین تھی، اور اشد ضرورت تھی، کہ چند لمحہ کے واسطے اس کو سکون میسر ہوتا،

وہ جواہر نگار سہری پر آکر بیٹھا، خواصیں باہر گئیں، اور اس نے آہستہ سے کہا،

بیگم! درد سر نے بہت پریشان کر رکھا ہے، حکیم دوائیں بدل چکے، مگر درد کم نہیں ہوتا،

شہرزاد پھر میں کیا کر سکتی ہوں،

احمد کچھ نہیں! میں تم سے کسی بات کا متوقع نہیں ہوں، یوں ہی ذکر کر دیا تھا،

شہرزاد ذکر کی ضرورت ہی کیا تھی، خواہ مخواہ مجھ کو پریشان کیا

احمد بیگم! مجھے تکلیف زیادہ ہے، کیوں بحث کرتی ہو، اتنی مہلت دو، کہ میں اطمینان سے تھوڑی دیر لیٹا رہوں،

شہرزاد تو یہ زیادہ اچھا ہوگا، کہ تم باہر جا لیٹو، یہ کیا ضرور ہے، کہ میرے بھی سر پر رات بھر ہائے ہائے کرو، اور میری نیند بھی برباد کرو،

احمد اچھا میں چلا جاؤں

شہرزاد اچھی بات ہے،

پاشا کو تکلیف زیادہ تھی، وہ اس کا جواب نہ دے سکا،

[illegible] تھا اور [illegible] تھوڑی دیر ٹہلتا رہا [illegible]
[illegible] کے قریب [illegible] غسل کیا۔ لباس تبدیل کر کے زنانہ [illegible]
[illegible] تھا شہرزاد [illegible] میں گشت کر رہی تھی پاشا بھی ادھر ہی چلا گیا
[illegible]

تم کو معلوم [illegible] پسند نہیں ہوتی۔

شہرزاد: کیوں [illegible]

احمد: تم تھوڑی دیر کے واسطے بارہ دری میں چلو تو میں کچھ باتیں کروں، اس کے بعد دربار میں حسب معمول [illegible]

شہرزاد: جو کچھ کہنا ہے یہاں کہہ سکتے ہو۔

احمد یہ سنکر ایک تعجب آمیز نظر جس میں حسرت و ملال شامل تھا، شہرزاد کے چہرے پر ڈالی اور رخصت ہوا۔

شہرزاد کی روزانہ زندگی کا یہ ایک واقعہ تھا، اس نے اس جانب [illegible] کبھی پاشا کو رضامند کرنے کی کوشش نہ کی، اس لاپروائی اور نخوت پر جو شہرزاد کرتی تھی پاشا ہر وقت اس کی دلداری کیا کرتا تھا۔

شہرزاد جو اس وقت ایک بادشاہ کی ملکہ اور لکھو کھا بندگان خدا کے حکمران کی بیگم تھی، شوہر سے کم انسانیت کا برتاؤ کرتی۔

احمد پاشا باوجود دنیا کے تمام عیش و آرام کے بیوی کی طرف سے رات دن متفکر رہتا تھا اس نے وزیروں اور مشیروں سے ہر چند مشورہ

گیا، گویہ دنیا اس کے دل میں ایسا بسا کہ کسی طرح نہ نکلتا۔

(۲)

جب زمانہ نے احمد کی اقبال کا ورق الٹ دیا۔ سلطنت برباد رعیت ناشاد ہو گئی، اور بالآخر وہ وقت آیا، کہ احمد پاشا ادہم کے حضور میں پابہ زنجیر حاضر ہوا، اور وزیر اعظم نے یہ حکم سنایا۔

"شہنشاہ والا حشم سلطان المعظم حضور ادہم پاشا کے حکم سے تم کو اطلاع دی جاتی ہے، کہ تاجِ ایران نے اپنے بیش بہا سردار اور بہادر فوج قربان کرنے کے بعد تمہاری سلطنت کو فتح کیا۔ اس سرزمین کا چپہ چپہ اور رعیت کا ہر شخص سلطان ادہم کی ملکیت ہے، اگر تم ملکہ شہرزاد کو جو اب تک تمہاری بیوی تھی طلاق دے کر ادہم پاشا کی خدمت میں پیش کرو، تو سزائے موت جو تمہارے واسطے تجویز ہوئی ہے، معاف ہو گی ورنہ دو گھنٹہ بعد جلاد تمہاری گردن تن سے جدا کر دے گا۔"

احمد پاشا جو ایک دن پہلے اس سلطنت کا بادشاہ تھا، اس وقت قیدی بنا کھڑا تھا، ملکہ شہرزاد کا نام سنتے ہی تن بدن میں آگ لگ گئی، وہ شہرزاد کا عاشق تھا مگر یقین تھا، کہ شہرزاد میری صورت سے متنفر ہے، آنکھوں کے سامنے اندھیرا آگیا، ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور خاموش ہو گیا۔

احمد پاشا کی خاموشی، نیم رضا سمجھی گئی، اور حکم دیا گیا، کہ وہ آزاد ہے

شہرزاد آجاتے،

احمد پاشا محل کی در و دیوار کو تکتا باہر نکلا، دروازے ہی میں تھا، کہ ادہر سے ملکہ شہرزاد آتی ہوئی دکھائی دی، فوج کا ایک دستہ جلو میں تھا، حسرت آمیز نظر سے دیکھتا رہا، کوشش کی کہ بات کروں، مگر شہرزاد کی سرعت رفتار نے ناکام رکھا۔ اور وہ آناً فاناً نظروں سے غائب ہو گئی۔

(۳)

رات اپنی منزل کا بڑا حصہ طے کر چکی تھی، قصر احمدی روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ اور ملکہ شہرزاد اس کے برابر ایک کرسی پر جلوہ افروز تھی دفعتہً احمد پاشا کھڑا ہوا۔ شہرزاد کا شانہ پکڑا اور کہا،

"ملکہ صرف تمہارا نام اور اس کی سچی کشش مجھ کو یہاں تک لائی۔ ہزارہا بندگان خدا کی جانیں اس صورت پر رستہ بان ہو رہیں، میں صرف تمہاری پرستش کرنے آیا ہوں،"

شہرزاد یقیناً تم انسان نہیں حیوان ہو، کہ ایک منکوحہ عورت کی عصمت تمہاری رائے میں کوئی وقعت نہیں رکھتی، میں احمد پاشا کی بیگم نہیں اس کی لونڈی ہوں، وہ شوہر نہیں میرا دنیاوی خدا ہے، سچ کہ احمد پاشا فقیر ہے، جو روح سب سے پہلے اس پر نثار ہوگی، وہ شہرزاد ہوگی، اور یہ ایسا فخر ہوگا جو لاکھوں کروڑوں جو یوں کا

کو میسر ہوتا ہے ،

ادہم بد نصیب عورت! جس شخص کو تیرا ہمیکا بھی میسر نہیں ہے ، تو محض اس کی وجہ سے اپنی تمام امیدوں کو برباد کرتی ہے ، اپنی جان سے بیزار نہ ہو ، یاد رکھ ، کہ تو اپنے ساتھ احمد کو بھی ہلاک کرے گی ،

شہرزاد مجھے اس سے زیادہ کیا خوشی ہو سکتی ہے ، کہ میں اپنے عزیز شوہر پر نثار ہو جاؤں ، اے مکار ، کمینے ! تیری ماہنیں ، بیٹیاں کیا ایسی ہی بے غزت ہیں کہ عصمت کی جو ان کے پاس شوہروں کی امانت ہے مطلق عزت نہیں کرتیں ،

ادھم شہرزاد ! اپنی زبان روک اور اس سلطنت کی مالکہ بن ورنہ دو دو دانوں کو محتاج پھرے گی ،

شہرزاد دنیا کے کتے سامنے سے دور ہو جا ، اور اپنی آواز نہ سنا ،

ادہم پاشا اتنا سنتے ہی بے تاب ہو گیا ، اور حکم دیا ، کہ شہرزاد کی آنکھیں تلوؤں سے ملدو ، حکم کی تعمیل ہوئی ، دیکھتے ہی دیکھتے شہرزاد کا چہرہ لہو لہان ہو گیا ، آنکھیں تلوؤں نے سل دی گئیں ، اور وہ اسی حالت میں تڑپتی پھڑکتی ، جدہر منہ اٹھا ، روانہ ہو گئی ،

(۴)

خزاں کے گھنے جنگلوں کا ، جہاں چاروں طرف شیر بھیڑیئے دھاڑتے

رہتے احمد پاشا مہمان تھا، وہاں اس کے سر پر شام ہوتی، راتیں اس کی آنکھوں میں صبح ہوتیں، درندے اس کے پاس سے نکل جاتے، اور سانپ اس کے برابر پھنکارتے مارتے، مگر اس کی سخت جانی کا کسی طرح خاتمہ نہ ہوتا، شہرزاد جیسی بیوی کی بے وفائی نے اس کو دیوانہ بنا دیا۔ وہ انقلاب کی سچی تصویر تھا، جو شخص گل پھولوں کی سیجوں پر آرام کرتا چین نہیں ہوتا تھا، آج جنگل کے کانٹے اس کا بچھونا، اور وادی ابراہیم اس کا مسکن تھا، وہ اس درجہ شہرزاد کے خیال میں محو تھا، کہ ہر چیز میں اس کو وہی نظر آتی، جدھر آنکھ اٹھاتا وہ، جدھر نظر ڈالتا وہ، یہانتک کہ درختوں کو مجسمہ شہرزاد سمجھ کر گھنٹوں شکوہ کرتا، اور پاؤں پر گرا رات بھر پڑا روتا،

چار چار پانچ پانچ روز اس طرح گذر جاتے کہ ایک دانہ اس کے منہ میں نہ جاتا، وہی جنگل کی بناس پتی یا زیتون اس کا دسترخوان تھا، بھوک زیادہ پریشان کرتی، تو ادھر متوجہ ہوتا، مگر ادھر حلق سے کوئی چیز اتری، اور ادھر ملکہ کا خیال آتے ہی ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گیا،

[illegible]

دو احمد پاشا اپنی بیوی نہیں گنہگار لونڈی کا قصور معاف
کرنا، میرے سرتاج میں سرتاسر خطاوار ہوں، مجھ پر رحم
کی نظر رکھنا

سمندر کی لہریں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں موسم برسات کا تھا، اور

آدھی رات کے وقت موسلادھار بارش میں جب سیاہ گھٹا آسمان پر چھائی ہوئی تھی، یہ الفاظ ہوا میں گونج رہے تھے،

عفت و عصمت کا جوہر بے بہا، ملکہ شہرزاد اپنے عزیز شوہر کی یاد میں تڑپ رہی تھی، اس کے گلابی رخسار زرد ہو چکے تھے، اور لمبے لمبے سیاہ بال، جو گیسوں کی لٹیں بنے ہوئے تھے، آنکھیں جو جلاد کی عنایت سے بچ گئی تھیں گڑھوں کی نذر تھیں، اور یہ پیچ مچ کی حور اس وقت وحشیوں سے بدتر ایک گھنے اور تناور درخت کے نیچے بیٹھی صدا لگا رہی تھی مینہ اس کے سر پر تھا، بجلی چمک رہی تھی، بادل کڑک رہا تھا، اور کوئی آسمانی طاقت ایسی نہ تھی، جو اس بے ہوش کو ہوشیار کردے، اپنے رفیق و عزیز شوہر کو یاد کرتے کرتے، اس جلاد کا شکریہ ادا کرتی جس نے اس کی آنکھوں کے بدلے کسی جانور کی آنکھیں سلادیں، اور پھر احمد احمد کہتی دوڑتی اور گر پڑتی،

(۲)

جب قاچاری سلطنت کا چراغ گل ہو گیا، اور مظفر تخت ایران پر جلوہ گر ہوا۔ تو مدت کی دبی ہوئی آگ اس کے دل میں بھڑک اٹھی اور آندھی کی طرح اڑا۔ اور بجلی کی مانند دھم پر آکر گرا ایک خونریز معرکہ کے بعد جس نے سرزمین طرابلس کو خون میں نہلا دیا، مظفر فتحیاب ہوا۔ اور زمانہ نے اس کی حکومت کا ڈنکا چاروں طرف بجایا، اس معرکہ کو ایک ہفتہ گذرا ہوگا کہ ایک روز دوپہر کے وقت جب مظفر شکار سے واپس آرہا تھا، اس نے

کنارہ دریا سے یہ آواز سنی،

"آسمانی بادشاہت والے بادشاہ احمد کی کنیز کو اس کے سر تاج کی صورت دکھا دے،"

موسم گرم تھا، اور لہر کے تھپیڑے زور شور سے چل رہے تھے، یہ صدا کچھ ایسی درد انگیز تھی، کہ بادشاہ گھوڑا بڑھا کر ادھر اور گیا، اور دیکھا، کہ حقیقی بہن جس کا دو آٹھ روز سے سب ااشی تھا، اپنے شوہر کے فراق میں دیوانوں کی طرح تڑپ تڑپ کر اب جان دینے پر آمادہ ہے، اترا اور قریب جا کر کہا،

"شہرزاد کیا حال ہے،"

بھائی کی آواز سنتے ہی نگاہ اُٹھائی، اور صورت دیکھتے ہی چیخ مار کر لپٹ گئی دونوں بہن بھائی دیر تک ساون بھادوں کی طرح گلے ملے روتے رہے رو چکے تو مظفر نے بہن سے مفصل کیفیت بیان کی، اوہم کا زوال سنکر شہرزاد کے چہرے پر برسوں کے بعد مسکراہٹ آئی، مگر یہ سنکر کہ احمد پاشا کا پتہ کہیں نہ چلا، اور غالباً وہ عزیز رخصت ہوا، ملکہ کی آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے ہر چند مظفر نے بہن کو سنبھالا۔ مگر اس خبر نے اس کو ایسا بے قابو کیا، کہ وہ نہ سنبھل سکی، اور بے ہوش ہو کر گر پڑی، بہن کا سر مظفر نے اپنے زانو پر رکھا، اور اس پیاری صورت کو جو انقلاب زمانہ پر قربان ہو چکی تھی، ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگا، دامن کا پنکھا جھلا رومال بھگو کر سر پر رکھا، مگر بدنصیب بیگم کو ہوش نہ آیا،

اتنا سا غروب ہونے کے قریب پہنچا، اور جنگل بیابان میں جہاں تنہ

زور شور سے لہریں لے رہا تھا، چاروں طرف اندھیرا چھا گیا، شیر دبڑ دبڑ کے دہاڑنے لگے، اور ہوا نے فراٹے بھرنے شروع کئے، شہزاد کسمائی، اور آنکھ کھولی، بھائی نے فرط محبت میں پیشانی کو بوسہ دیا، بھائی کی اس شفقت نے بہن کا کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، گلے میں ہاتھ ڈال لپٹ گئی، اور کہا

"بہن ماں جائے بادشاہ میں تیرے قربان"

بہن کے یہ الفاظ سنکر مظفر بے تاب ہو گیا، اور پاؤں پر سر رکھکر کہا،

"ماں جائی! جنگل کی زندگی بسر ہوئی اب اپنے محل میں چلو"

مظفر کی درخواست ایسی نہ تھی، کہ شہزاد انکار کرتی، دونو بہن بھائی گھوڑے پر سوار ہوئے، اور قصر احمدی پر پہنچے،

(۷)

سرزمین طرابلس جس کے چپے چپے پر گذشتہ پانچ سال بہر خون کے دریا بہے، آج چوتھی کی دلہن بنی ہوئی ہے، تمام شہر روشنی سے جگمگا رہا ہے، اور اعلان ہوا ہے، کہ ملکہ شہزاد بیوہ احمد پاشا آج تخت طرابلس پر جلوہ افروز ہوئی، سب سے پہلے فاتح ملک مظفر شاہ نے ملکہ کے حضور میں نذر دی، اور اس کے بعد باری باری امرا و رؤسا نے مجرا کیا،

چھ مہینے سے زیادہ کا عرصہ گذرا۔ ملکہ شہزاد کاروبار سلطنت انجا

دیتی ہے، مگر کھانا پینا تھک چکا، عیش و آرام چھوٹ گیا، جاگتی ہے، تو احمد کی تصویر، سوتی ہے، تو احمد کا خیال، ساری ساری رات آنکھوں میں بسر ہوجاتی، اور پورے پورے دن ایک ہی جگہ بیٹھے بیٹھے ختم ہو جاتے، صحرائی زندگی پھر غنیمت تھی، کہ روزانہ چلتی پھرتی، روتی پیٹتی، اب دل کی بھڑاس بھی نہ نکلتی، بارہ دری کو دیکھتی، تو آنسو امنڈ کر آتے، اور پی جاتی، ہڈیوں کی مالا رہ گئی، کھڑی ہے تو ساکت، بیٹھی ہے تو تصویر، قدرت انسان کے ہر رنج کو خواہ وہ کتنا ہی بڑا صدمہ کیوں نہ ہو، رفتہ رفتہ گھلا دیتی ہے مگر شہرزاد کی حالت بجائے سنبھلنے کے روز بروز بگڑتی گئی، نوبت یہانتک پہنچی کہ وہ چمن کے ان درختوں کو جو احمد پاشا کے پیارے تھے، ان پھولوں کو جو اس کے شوق سے لگائے ہوئے تھے، جاجا کر چومتی، اور روتی۔

ایک روز کا ذکر ہے، کہ چودھویں رات کا چاند سطح آسمان پر اٹکھیلیاں کر رہا تھا، شہرزاد احمد کی یاد میں بے قرار ہو کر باہر نکلی، اس کو اپنی حالت کا مطلق ہوش نہ تھا، چانداس کے کلیجہ پر چھریاں چلا رہا تھا، ہر چند کوشش کرتی تھی، مگر دل کسی پہلو چین نہ دیتا تھا، ایک تارے کو دیکھا، کہ ٹکٹکی باندھے اس کی صورت دیکھ رہا ہے، سمجھی کہ یہ احمد کی پاک روح ہے اس خیال نے یقین کی صورت اختیار کی، اور تارے کے پیچھے روانہ ہوئی، مشتری چمک چمک کر لرز رہا تھا، اور شہرزاد تڑپ تڑپ کر بڑھ رہی تھی، رات اسی جستجو میں ختم ہوئی، اور جب ملکہ اندر پہاڑ کی حد میں تھی، تارے کی چمک ماند پڑی پاؤں چھلنی ہو چکے تھے، اور کانٹوں سے چپے تار کی بجائے تلوے لہولہان

کردیئے تھے، مایوس ہوکر بیٹھ گئی، اور دیکھتی رہی، کہ وہ مشتری جس کی آب وتاب چاند کو شرما رہی تھی، ماند ہوتے ہوتے نظروں سے اوجھل ہو گیا، زیتوں کا درخت جس میں پرند کا گھونسلا تھا، سر پر چھایا ہوا تھا، بلبل جرابس کا پیغام صبح ہوا میں گونجا، پو پھٹ رہی تھی، اور رات رو رو کر دن سے جدا ہو رہی تھی، صبح کا سہانا وقت تھا، پہاڑ کی چوٹی پر سے اس سنسان وقت میں یہ صدا آئی،

"ملکہ شہرزاد اپنے محبوب ادہم کا صدقہ ایک دفعہ
صورت دکھادے،"

آواز کے کان میں لگتے ہی شہرزاد تڑپ اٹھی، اور پہاڑ پر چڑھی دیکھتی کیا ہے، کہ ہڈیوں کا ایک ڈھیر پہاڑ کی چوٹی سے گرنے کا قصد کر رہا ہے،

یہ وہ صورت تھی جس کی دیوانی تھی، جی بھر آیا، مگر سنبھلی، آگے بڑھی، دل کہتا تھا، کہ پاؤں میں گروں، مگر حیا روک رہی تھی، ادہم کی صورت ایک ایسی نعمت تھی، کہ رات بھر کی زحمت وصول ہو گئی، آنکھ سے آنسو گرنے لگے، شملہ پر کھڑی تھی، کہ گوشت ہڈی کے لوتھڑے سے پھر یہ آواز نکلی،

"ادہم کی بیگم! ملکہ شہرزاد آخری وقت ہے، میرا
قصور معاف کیجیو،"

جنگل بیابان! ہو کا فراٹا، صبح کا سہانا سماں، اور شہرزاد جیسی بدنصیب

بیوی کا حسرت نصیب دل کیا نازک وقت تھا جس صورت کا عاشق زار جس شوہر کی نذر شہزاد جس مالک کی جدائی میں خدائی خوار تھی، بارہ برس بعد جب سب طرف سے مایوس ہو گئی، تو اس کی شکل اس حال میں نظر آئی، کہ وہ گر کر اپنی جان کھو رہا ہے، خاموش کھڑی سکتہ کے عالم میں تھی، کہ احمد کھڑا ہو کر گرنے کو تیار ہوا، پیچھے سے دو ہاتھوں نے اس کو پکڑا اور احمد نے یہ صورت دیکھی، اور ایک چیخ مار کر کہا،

او، بے وفا بیوی

بے ہوش ہوشیار ہوا، کیا دیکھتا ہے، کہ شہزاد کا سر پاؤں پر ہے، اور آنکھ سے زار و قطار آنسو کی لڑیاں بہ رہی ہیں، اور کہہ رہی ہے،

"بے گناہ لونڈی کا قصور معاف ہو"

بے قرار ہو کر سر اٹھایا، اور دونو میاں بیوی ششدر و متحیر ایک دوسرے کا منہ تکتے رہے،

(۸)

قصر احمدی کا ہر ذرہ جو اپنے آقا کے پاؤں پر سر رکھنے کو لوٹ رہا تھا، آج نہال نہال ہے، رعیت اپنے بادشاہ کی خبر سنکر زندہ باش کے نعرے لگا رہی ہے، وزیر سردار امیر فقیر جمع ہیں، اور دل سے دعائیں دے رہے ہیں، دفعتہً ملکہ شہزاد باہر آئی، اور اپنے شوہر کے قدموں پر گر کر کہا،

بھائیو، بہنو! تم سب کو معلوم ہے، کہ میں وہی شہزاد ہوں

جس کی بد مزاجی کا شہرہ تمام ملک میں تھا، اس لاپروائی کی سزا کہ میں نے اپنے خدائے مجازی کو خوش نہ رکھا، حقیقی خدا نے جو کچھہ دی وہ ظاہر ہے میں درحقیقت اس کی سزاوار تھی، گو آج بارہ سال کا عرصہ ہو گیا مگر میں اسوقت کو نہیں بھولی ہوں جب ظالم قزاق اوہم میری عزت کے درپے ہوا، اور قدرت کی زبردست طاقت مجھہ کو پاک دامنی کی کسوٹی پر اتار رہی تھی، میں بے یار و مددگار تھی، میرا تخت مجھہ سے چھین چکا تھا، میرا اقبال خاک میں مل چکا تھا، میرا امراؔ مجھہ سے جدا ہو چکا تھا، اور کوئی آشنا نہ تھا، کہ میری حمایت میں کھڑا ہو، خدا کی عنایت، میرے شامل حال تھی اور وہی ایک ایسا حامی تھا جس کی طرف میں آدھی رات کے وقت حسرت سے دیکھہ رہی تھی، اور کہہ رہی تھی،

"کمزوروں کے مولا میری عزت بچا"

خدا کا ہاتھہ میری مدد کو بڑھا، اور میں ظالم کے پنجے سے رہا ہوئی، سب سے پہلے جو روح احمد پاشا پر قربان ہوئی، وہ اس کی کنیز شہرزاد کی تھی آج میں اس بھرے مجمع میں اپنے پچھلے قصوروں کی معافی اپنے سرتاج سے مانگتی ہوں، اور تم سب کو گواہ کرتی ہوں کہ شہرزاد بے گناہ ہے،

خلقت کے نعروں نے شہرزاد کی پاک زندگی کی داد دی، اور سب نے ملکر کہا،

دارالمبس کی ملکہ عورت نہیں فرشتہ ہے، اے آسمانی حور وطن

ہمیشہ ہمیشہ تجھہ پر فخر کرے گا، دنیا تیری عصمت وعفت کے گیت

گا سکی، اور زمانہ کی دنیانی رفتار تیرے نام پر سدا بہار
پھول چڑہاتی رہے گی"

احمد بادشاہ کی بدظنی قریب قریب دور ہو چکی تھی اگر آئینۂ دل پر رنگ کی جھلک
ابھی باقی تھی، اس نے ملکہ کا سر اُٹھایا، اور کہا،

انسانی شہادت بے گناہی کے واسطے کافی نہیں، جاننے
والا صرف عالم الغیب ہے"

احمد کے الفاظ نے ملکہ کی تمام امیدیں خاک میں ملادیں، اس کا دل
ٹوٹ گیا، اس نے آسمان کی طرف نگاہ اُٹھائی اور کہا،

بے وارثوں کے وارث اب میری صورت احمد کو نہ دکھا
میری مدد کر اسوقت بھی میرا ساتھ دے، اور میرا
خاتمہ کر،

ادہر شہرزاد کی گفتگو ختم ہوئی، اور ادہر زمین شق ہو گئی، دنیا دیکھتی
رہی، اور آناً فاناً ملکہ شہرزاد زمین میں دھنس گئی

عفت و عصمت کی دیوی کا مقبرہ اب تک طرابلس میں اس کا نام
زندہ کر رہا ہے، اور دنیا اس کی پرستش کر رہی ہے،

خاتمہ بالخیر

مینہ موسلا دھار پڑ رہا تھا، بادل کی کڑک کانوں میں اور بجلی کی چمک آنکھوں میں گھسی جاتی تھی، ایک مریض آنکھ بند کئے بستر پر پڑا تھا، اور بہت سی عورتیں کچھ بیٹیاں کچھ بہوویں، کچھ بھاوجیں چاروں طرف خاموش بیٹھی تھیں، ٹھاٹھ امیرانہ اور کارخانہ رئیسانہ، عالی شان مکان، اور اعلیٰ سامان، قیاس یہ چاہتا تھا، کہ ضعیف العمر مریض کوئی متمول رئیس ہے، اور یہ تمام عزیز اقارب اس کے فراقِ ابدی پر آنسو گرانے جمع ہوئے ہیں، بارہ بجے رات تک یہ مجمع بڈھے رئیس البیت کو گھیرے رہا، بارش کچھ کم ہوئی، اور چمک کڑک میں وہ زور نہ رہا، تو قانون قدرت نیند کی صورت میں جلوہ گر ہو کر رونے والیوں کو اپنے اپنے کمرے میں لے گیا، مگر ایک نوعمر بی بی جس کے سیاہ بالوں پر جوانی کے چھینٹے لہلہا رہا تھا، مریض کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی، بہ ظاہر اس کی نگاہ بڈھے شوہر کے چہرے پر تھی، اگر دنیا اس کے سامنے ایک ایسا مرقع پیش کر رہی تھی، جو باواز بلند صدائے عبرت دے رہا تھا، خدا اور مجاز کی صورت مختلف رنگ میں اس کے روبرو تھی، مگر اس کی مفارقت اس قدر زیادہ موثر نہ تھی، جس قدر اپنی ہوگی کے وہ تاریخ جو اس وقت ذہن میں تلاطم برپا کر رہے تھے، مریض بے ہوش تھا، اور سجا سجایا، گھر، برقی لیمپ، جھاڑ فانوس حسرت سے اپنے مالک کا تک رہے تھے. مشرقی تمدن نے دفعتہً اس بی بی کے خیالات منتشر کر دیئے، اس کی آنکھ میں آنسو بھر آئے، اُٹھی شوہر کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ایک ایسی آواز میں جو سر تا سر محبت میں ڈوبی ہوئی تھی کہا،

"آنکھہ تو کھولو، کیسی طبیعت ہے،"

نہ معلوم ان الفاظ میں یا اس کی آواز میں کیا مقناطیسی کشش تھی، کہ مریض نے آنکھہ کھولدی، نازک اور نرم ہاتہوں کو بوسہ دیا، اور بولا،

"بیگم! درد کی تکلیف زیادہ ہے،"

لاؤ تیل اور ملوں، تمہارے بولنے سے ذرا جان میں جان آئی ہے نہیں تو ہزاروں وہم دل میں آرہے تھے،

یہ کلمات جو انسانی ہمدردی کا ثبوت کامل، تعلق نسوانی کی سچی تصویر اور اس خلوص کا ادنےٰ نمونہ تھے، جو مشرقی تمدن نے بیویوں کی طبیعت میں ودیعت کیا ہے، اس مہ جبین کی زبان سے ادا ہوئے، جس کی مفارقت کا خیال مریض کو زندہ درگور کر رہا تھا حسرت آمیز نظریں رُخ نازک پر پڑیں، جذبات نے زور کیا، اور جس ہاتہہ کو جہریاں عرصہ ہوا، کہ پیغام موت پہنچا چکی تہیں، کانپتا ہوا اُٹھا، اور ان سیہ بالوں کو جو پریشان ہو رہے تھے، مجتمع کرنے پڑا، مریض کا ہاتھ اور نگاہ نرگس اپنا کام کر رہے تھے، کہ محبت کا ایک جوش بہتی رو کی طرح مریض کے خون میں دوڑا، قلب نے متاثر ہو کر سہارا دیا، اور وہی ہاتہہ جو مار سیاہ سے کہیل رہا تھا، گلے میں پہنچکر حسن کی اس مجسم تصویر کو کہینچنے لگا، خدا دشمن کو بھی یہ وقت نہ دکہائے، قوائے خواہش قلب کی تعمیل سے مجبور تھی، مگر ان میں ایک کشش موجود تھی، جس نے دوسرے دل پر اثر کیا، پندرہ سولہ برس کا ساتہہ آناً فاناً زلف سیاہ مریض کے سینہ پر لوٹ رہی تھی،

بجلی زور شور سے چمکی، اور بادل کی گرج نے نازک دل پر ہیبت طاری

کردی، نازنین ڈری، اور اے ہے کہہ کر چمٹ گئی. گرج متواتر ہو رہی تھی، اور بجلی کی چمک نے کلیجا دہلا رکھا تھا، مینہ دھائیں دھائیں پڑ رہا تھا، دؤ بج رہے تھے، اور ایک برقعہ پوش عورت یہ کہتی ہوئی مریض کے قدموں میں گری

"خدا کے واسطے میرا قصور معاف کردو"

مہ جبین علیحدہ ہوئی، اور ایک ایسی نظر سے جسمیں مطلق رحم نہ تھا، اس عورت کو دیکھا اور دونو عورتوں کی نگاہیں ملیں، ایک گرم کی ملتجی تھی، ایک غصہ سے بھری، چند لمحہ یہی کیفیت طاری رہی، اور بالآخر برقعہ پوش نے خموشی کا سلسلہ اس طرح توڑا،

بیگم! تمہارا شوہر تم کو مبارک، میں صرف اپنے قصوروں کی معافی کی طلب گار ہوں کسی اور سلوک کی نہیں، تم میری سفارشی بنو، اور سرکار سے کہو میرا قصور معاف کردیں،

مہ جبین، تم کو یہاں آنے کی اجازت کس نے دی، اور اس آدھی رات کے وقت بجلی اور گرج کا یہ زور شور ہے، تمہاری ہمت یہاں آنے کی کیونکر ہوئی کہاں سے پھرتی پھراتی آرہی ہو، ڈولی تو اسوقت قیامت تک نہیں مل سکتی،

برقعہ پوش میں بلا اجازت آئی، اور تم جو چاہو سزا دے لو، کل بھی رات کو آئی، پرسوں بھی آئی، تین دن سے روز آرہی ہوں، آج دروازہ کھلا ہوا تھا، اندر گئی، میں اکیلی نہیں ہوں، میرا بچہ میرے ساتھ ہے، تمہارے خوف کی وجہ سے اندر نہ لائی، بجلی اور مینہ سب اس کے سر پر ہے

مہہ جبین معافی کی تو ضرور تم کو پروا ہو گی، کوئی جادو کرنے آئی تھیں کر چلیں، نکلو اور میرے سامنے سے دور ہو جاؤ

برقعہ پوش میں تم کو تمہارے بچوں کا واسطہ دیتی ہوں، کہ تھوڑی دیر مجھہ کو بھی ان کی خدمت کر لینے دو، اور میرا قصور معاف کر دادو، تمہارا کوئی نقصان نہیں، میری عاقبت اچھی ہو جائے گی،

مہہ جبین کم بخت تو میرے بچوں کا نام لینے والی کون، جھوٹی مکار نکلتی ہے، یا جوتیاں پڑوا کر نکلواوں،

برقعہ پوش نہیں بیگم! ابھی چلی جاتی ہوں، میں بیاہتا بیوی نہیں حقیقی ماموں کی لڑکی بھی تو ہوں، اتنی اجازت تو دیدو، کہ میں اپنی آنکھیں ان قدموں سے مل لوں،

یہ کہہ کر برقعہ والی آگے بڑھی، مریض کی نظر سے نظر کا دوچار ہونا تھا، کہ چالیس برس کے عرصہ کی زندگی کا تمام نقشہ سامنے پھر گیا، محبت کا ابتدائی زمانہ جب دونو جوان تھے یاد آیا، اور مریض کی آنکھہ کے پاس کا وہ نشان جو چوتھی کی رسم کا پتہ مروت ہا تھا، اور دونو کا ہمراز تھا، نظر آتے ہی اس کی طبیعت بگڑ گئی، آنکھہ سے آنسو جاری ہو گئے، جو ایسے نازک وقت میں رحم کے ملتجی تھے اس نے حسرت آمیز نظروں سے مریض کو دیکھا، اور محبت بھری نگاہ کی متوقع تھی مگر افسوس وہ ناکام رہی، مریض کی تیوری بدل تھا، نگاہ قہر آلود تھی، اور آہستہ آہستہ یہ الفاظ نکل رہے تھے،

"نکالدو"

برقعہ پوش جواب آٹھ آٹھ دس دس برس سے نہایت مصیبت ناک زندگی بسر کر رہی تھی، کئی ہزار روپیہ کی جائداد جہیز میں لے کر آئی، جو ظالم شوہر نے اپنے قبضہ میں کی، اور دوسرا نکاح کرکے اس کو علیحدہ کر دیا تھا جبین مریض کی دوسری منکوحہ اور برقعہ پوش کی سوکن تھی، جو تمام جائداد کی مالک اور گھر کی ملکہ تھی، برقعہ پوش بیوی گو فاقہ کر رہی تھی اور ایک ایک پیسہ کو محتاج تھی، مگر اپنے دونوں بچوں کو لئے ایسی زندگی بسر کر رہی تھی جس کا ہر حرف آب زر سے لکھنے کے قابل تھا، جب شوہر کی خطرناک علالت کی متواتر خبریں کان تک پہنچیں، تو وہ دل جس میں جوہر شرافت کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، ضبط نہ کر سکا اور اس خیال سے کہیں عاقبت کے مواخذہ میں گرفتار نہ ہوں، اپنے قصور معاف کرانے آئی تھی، حالانکہ نہ صرف بے گناہ بلکہ مظلوم تھی، اور ایک ایسے ظلم کا شکار ہوئی تھی جس نے ساری عمر برباد کر دی،

شوہر کی زبان سے یہ الفاظ سنکر اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا اب دفعتہً سوکن کا ہاتھ اس کی گردن میں تھا جس نے دھکا دیا، اور یہ کہہ کر نکالدیا۔

"نکل مردار آوارہ"

وہ گری اور اُٹھی پھر قریب آئی، اور کہا تم نے میری آوارگی کیا دیکھی! کیا تم سچ کہتی ہو، کہ میں آوارہ ہوں، میری عمر آوارگی کی ہے، میرا لباس میری وضع، میرے بچے، میرا گھر، میرا افلاس، میرے فاقے کیا آوارگی کے ثبوت ہیں،

بیگم! میں تمہاری اور تمہارے میاں دونوں کی تابعدار رہوں، تمہارے مقابلہ میں ذلیل اور حقیر ہوں، مگر سیدانی کہلاتی ہوں، للہ ایسی بات نہ کہو، جس سے میرے مرے ماباپ کی ناک کٹ جائے، میری ہمیشہ یہ آرزو رہی، کہ میں اپنے ۔ نہیں نہیں تمہارے میاں کے سامنے رخصت ہوں اور یہ ہی اپنے ہاتھ سے پیوند زمین کردیں، یہ مجھے پالکی میں بٹھا کر میکے سے لائے تھے، اور چارپائی پر لٹا کر سسرال سے قبرستان میں پہنچادیں، اسوقت بھی دعا کرتی ہوں، کہ تم دونو میاں بیوی دنیا میں خوش و خرم رہو، مگر اے الہ العٰلمین آج یہ وقت ہے، کہ جو شخص عمر بھر کے نباہ اور ہمیشہ ہمیشہ کے وعدوں پر مجھ کو نکاح میں لایا، جس کے ہاتھ میں میرے ماں باپ نے ہاتھ دیا، اس کے گھر میں اس کی بیوی مجھے آوارہ کہتی ہے،

اے حاکم حقیقی اب میرا پردہ ڈھانک لے اور وہ وقت نہ دکھائیو، کہ میں شوہر کے بعد زندگی کا ایک لمحہ بھی گذاروں،

بیگم، نکالو مت، میں جاتی ہوں، میرا قصور دونو میاں بیوی معاف کرنا،

یہ کہہ کر باہر نکلی مینہ تھم چکا تھا، مگر گرج کا زور شور وہی تھا، دفعتہ بادل کڑکا، مظلوم بیوی صحن میں تھی، کہ بجلی نے گر کر خاکستر کردیا،

ملک و قوم کے مایۂ ناز بزرگ اور اردو کے بے مثل

ادیب مصورِ غم علامہ راشد الخیری کی بے مثل تصانیف

صبحِ زندگی (پانچواں ایڈیشن) یعنی علامہ محترم کی وہ بے مثل تصنیف جو پردۂ دنیا سے ناپید ہو گئی تھی اور شائقین جس کی جستجو میں سرگرم تھے۔ اب پانچویں مرتبہ چھپکر تیار ہے، ہمارا دعوےٰ ہے کہ صبح زندگی سے بہتر معلم اور اتالیق لڑکیوں کے لیے آجتک نہیں لکھی گئی۔ صبح زندگی لڑکیوں کے لیے نعمت غیر مترقبہ ہے، قیمت علاوہ محصول صرف سوا روپیہ؁

شامِ زندگی یہ صبح زندگی کا دوسرا حصہ ہے، اس میں نسیمہ کی شادی سے موت تک کے حالات نہایت دردانگیز پیرایہ میں لکھے گئے ہیں، جنہیں پڑھ کر آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں، شام زندگی نے اپنی شہرت کا ڈنکا تمام دنیا میں بجا دیا ہے فقط ہندوستان ہی میں نہیں، قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

شبِ زندگی علامہ محترم کی وہ بے مثل اور تازہ تصنیف جس نے دنیائے نسوان میں دھوم مچا دی، اور جس کا پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل رہا ہے جن پر بڑے بڑے نہایت شاندار ریویو کر کے صبح زندگی اور شام زندگی کے سلسلہ میں بے حد پسند کیا ہے، اس قابل دید اور لاجواب کتاب میں نسیمہ بیگم کی موت کے بعد کے واقعات کچھ اتنے دردانگیز پیرایہ میں لکھے ہیں، کہ پڑھ کر ناممکن ہے کہ آنکھوں سے آنسو نہ نکل پڑیں۔ کاغذ لکھائی چھپائی نہایت عمدہ، قیمت کاغذ قسم اعلیٰ عہر قسم دوم صہر

یہ تینوں کتابیں ہر مرد و عورت کو ساری عمر میں کم از کم ایک دفعہ پڑھ لینی ضروری ہیں،

روداد قفس علامہ محترم کی ان نظموں کا مجموعہ جو ملک و قوم میں قبولیت عام کا فخر حاصل کر چکی ہیں، جنکا ہر شعر کلیجہ کے پار ہوتا ہے عورتوں کی حالت زار سے دل پر چوٹ لگتی ہے، قیمت ۴ر

نوحۂ زندگی وہ قیامت خیز آگ جو ایک بیوہ کے دل میں لگی اور جس کا دھواں گھٹا بن کر آسمان پر چلا، اور قہر خدا بن کر باپ اور اور دونوں پر ایسا نازل ہوا، کہ کلیجہ مسوس کر رہ گئے،

نوحہ زندگی میں آپ کو ایک ایسا منظر ملے گا جہاں ایک بیوہ دائیں بائیں اپنے دو معصوم بچوں کو لے موت کی نیند سو رہی ہے، جلدی منگایئے، قیمت صرف ۱۲ر

جوہر قدامت دو بیویوں کی پرلطف کہانی، دو عورتوں کی مفصل زندگی، دو لڑکیوں کی جگر خراش داستان دور جدید اور دور قدیم کا مقابلہ جس کے مطالعہ سے معلوم ہوگا، کہ آج سے ۵۰ برس قبل ہمارے گوڈروں میں کیسے کیسے لعل چھپے تھے، کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت صرف ڈیڑھ روپیہ

الزہرا یعنی خاتون جنت سیدۃ النسا، بنت الرسول حضرت بی بی فاطمہ کی سوانحعمری جس کے لئے عالم نسواں عرصے سے بے چین تھا، الزہرا افسانہ نہیں بنت رسول کے حالات و سوانح ہیں، اور یہ واقعات ایسے درد انگیز پیرایہ میں لکھے گئے ہیں، کہ پڑھ کر آنسو نکلنے لگتے ہیں، قیمت صرف ۱۲ر

محصول ڈاک بذمہ خریدار

یہ سب کتابیں منیجر رسالہ عصمت دہلی سے منگایئے

ہندوستان میں جتنے زنانہ رسالے شایع ہوتے ہیں

بارھواں سال

عصمت

ان میں سب سے بہتر و افضل پرچہ ہے. جو بارہ سال سے معزز خواتین کے لیئے ہر ماہ کی ۳۰ تاریخ کو پابندی وقت کے ساتھ شایع ہو رہا ہے اس عرصہ میں عصمت نے عورتوں کے لیے مبتنا علمی ذخیرہ پیدا کیا ہے، اس کی نظیر مشکل سے ملے گی نسوانی زندگی کا ہر شعبہ عصمت میں موجود ہے اگر ٹکٹ ہو تو ۲ کے ٹکٹ بھیجکر نمونہ منگوا لیجئے کاغذ اعلیٰ درجہ کا سفید، ضخامت ۸۴ صفحے چندہ سالانہ ۳؎ ہے ، ملنے کا پتہ

مینیجر رسالہ عصمت دہلی

[illegible] اور علامہ [illegible] کی تمام [illegible] ملنے

انگوٹھی کا راز

[illegible] منیجر رسالہ عصمت [illegible] دہلی

علامہ راشد الخیری کا یہ لاجواب مضمون رسالہ عصمت میں شایع ہونا شروع ہوا تھا، لیکن مولانا موصوف کی مصروفیت اس کو عصمت میں ختم نہ کر سکی، اب خریداران کے بے حد اصرار پر حضرت مذکور سے ختم کرا کے کتابی صورت میں شایع کیا گیا ہے، ملکہ بلقیس اور اسلامی کی ماں کی دکھ بھری کہانی پڑھ کر آنکھوں سے دریا بہتے ہیں، صفیہ کی انگوٹھی کھو جاتی جس سے اس کی پریشانی روز بروز ترقی کرتی ہے. آخر ایک رات خواب دیکھتی ہے، اور پھر وہ انگوٹھی اس طرح ملتی ہے، کہ پڑھنے والے محو حیرت ہو جاتے ہیں، کتاب علاوہ نہایت دلچسپ ہونے کے درد و اثر سے پر ہے، لکھائی چھپائی کاغذ نہایت عمدہ قیمت ۸؎ علاوہ محصول

مودٗہ

مولانا مدظلہ العالی کی تازہ تصنیف خون کے آنسو رلانے والی ایک بیٹی کا درد و غم بھرا فسانہ، ایک مصیبت زدہ لڑکی کی سرگزشت. مسلمانوں کے ایک خاندان میں لڑکی کی بے قدری، باپ اور بھائی کے مظالم اور سلوک بد اور ان کا انجام موٗدہ کی فرمانبرداری و اطاعت، ماں کی حمایت اور اس کا انجام، کچہری کا مقدمہ اور عدالت کا فیصلہ، موٗدہ کا قبرستانوں اور جنگلوں میں پھرنا عجیب و دلچسپ اور حضرت علامہ راشد الخیری کی بالکل تازہ تصنیف ہے، قیمت صرف ۸؎

بنت الوقت

مصنفہ علامہ راشد الخیری مدظلہ العالی

دور جدید کے کرشمے ہوس کی حیرت خیز تبلیغ ؛ نئی تہذیب کی دلدادہ فرخندہ کی شرمناک لائف . وحید کا اپنے بڑے بھائی مجید کو محروم الارث بنیں جائداد کے حاصل کرنے کے لیئے باغیوں میں گرفتار کرانا . پھر مولانا کی قربانی یہ ساری کہانی قیمت صرف ۸؎